سلسلۂ مطبوعات مکتبۂ ابراہیمیہ

اُردو شہ پارے

جلد اول

جسمیں

RARو ادب کے آغاز سے ولی کے زمانہ تک

کے

شاعروں اور نثرنگاروں کے شہ کاروں

سے

اہم اور دلچسپ انتخابات

پیش کئے گئے ہیں

مُرتبہ

ڈاکٹر سید محی الدین قادری

ام اے پی ایچ ڈی (لنڈن)

۱۹۳۴ء

مکتبۂ ابراہیمیہ۔ امداد باہمی۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن

(صرف ٹائیٹل مطبوعہ شمس الاسلام پریس)

اُردو شہ پارے

مدیر عمومی ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری ایم اے پی ایچ ڈی (لنڈن)

جلد اول

ابتدائے ادب اُردو سے ولی تک

مرتب ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری ایم اے پی ایچ ڈی (لنڈن)

جلد دوم

ولی سے حالی تک

مرتب مولوی سیّد محمدؐ صاحب ایم اے۔

جلد سوم

حالی سے موجودہ زمانہ تک

مرتب مولوی عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی

اِنتساب

به

ڈاکٹر سر حیدر نواز جنگ بہادر ال ڈی

عام فہرست

فہرست تصاویر

دیباچہ

مُقدّمہ

جس میں

ابتدائی کوششوں سے ولی کے زمانہ تک

کے

اُردو شہ پاروں کے مُصنفین اور اُن کے کارناموں

پر

ایک سرسری تاریخی نظر ڈالی گئی ہے

تمہید

یہ مقدمہ اِس مقصد سے نہیں لکھا گیا ہے کہ اِس دور کی ایک مکمل ادبی تاریخ پیش کی جائے۔ یہ اُس شخص کا کام ہوگا جو ادبیات اُردو کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے۔ یہاں صرف یہ دکھانا مدنظر ہے کہ اِس جلد میں جو شہ پارے پیش کئے گئے ہیں اُن کی تخلیق کس زمانہ میں، کن ہاتوں سے، کس ماحول میں اور کس طریقہ پر عمل میں آئی۔ اِس سلسلہ میں بعض ایسے مصنفین کا بھی ذکر کر دینا پڑا جنکا کلام موجود نہیں ہے یا جن کے انتخابات اِس میں درج نہیں بعض جگہ معلومات کی کمی کی بنا پر نہایت اختصار سے کام لینا پڑا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اگر زیادہ کد و کاوش اور تحقیق و تفتیش کی جاتی تو کئی جگہوں پر اضافہ کرنا پڑتا لیکن اِس کتاب کی بساط کے مدنظر اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ تاہم شاعروں اور کتابوں کے متعلق جو کچھ حالات لکھے گئے ہیں وہ (سوائے چند معمولی اور غیر معروف چیزوں کو چھوڑکر) راقم کی ذاتی تحقیق و تفتیش اور اصلی ماخذوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اِس بات کی حتیٰ الامکان کوشش کی گئی ہے کہ سنی سنائی اور غیر مستند تحریروں پر بھروسہ نہ کیا جائے۔

مقدمہ چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:-

باب اول۔ اُردو ادب کی ابتدائی کوششیں۔

باب دوم۔ اُردو ادب بیجاپور میں

باب سوم۔ اُردو ادب گولکنڈہ میں

باب چہارم اُردو ادب مغلوں کی حکومت میں

باب اوّل

اُردو ادب کی ابتدائی کوششیں

فہرست

ا۔ اردو ادب شمالی ہند میں

ب۔ گجرات میں

ج۔ دکن میں

اردو کے لسانی اور صوتی پہلوؤں پر کام کرنے کے سلسلے میں مجھے لنڈن، اکسفورڈ، کیمبرج، پیرس اور اڈنبرا کے کتب خانوں میں اکثر ایسی قلمی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا جو مسلمانوں کے قلم سے ہندوستان میں آنے کے بعد ان زبانوں میں لکھی گئیں جو ہندو مسلم ربط ضبط سے پیدا ہوئی تھیں اسی ضمن میں قدیم اُردو ادب کی کتابیں بھی نظر سے گزریں، اور ساتھ ہی اس بات کا خیال پیدا ہو گیا کہ کسی طرح سے کیوں نہ فرصت نکال کر اس تمام ادبی ذخیرہ کے بہترین حصّوں کا انتخاب جمع کر لیا جائے تاکہ آئندہ اُردو دستہ یادِ دل کے طور پر کوئی مجموعہ اردو دانوں کی خدمت میں پیش کیا جا سکے جن کتابوں سے یہ انتخابات اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کے شاید دنیا بھر میں صرف ایک ایک ہی نسخے ہوں اور اکثر ایسی ہیں جو اپنی اعلیٰ ادبی خصوصیات کے مدنظر مکمل طور پر شائع کئے جانے کی مستحق ہیں۔ لیکن نہ تو کسی کے یہاں اتنا وقت ہے کہ ان سب کو نقل کر لے اور نہ کہیں ایسا سرمایہ جو ان کو شائع کر سکے ممکن ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی آئے جب کہ ہمارے اسلاف کے یہ سب ادبی شہ کارے شائع ہو کر منظرِ عام پر آ سکیں لیکن اس غیر محدود مدت کے انتظار کی گھڑیاں شاید ہی کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آسانی سے گزار سکتا ہے۔

اگرچہ ابتدا کرتے وقت دلچسپی کی وجہ سے انتخاب کرنے کا کام مجھے مشکل نہیں معلوم ہوا۔ لیکن جب ایک ایک قلمی نسخہ کو شروع سے آخر تک کئی کئی دفعہ پڑھنے کی ضرورت ہونے لگی اور قدامتِ زبان کی پیچیدگیوں اور کتابت کی غلطیوں نے پریشان کر دیا تو بار بار طبیعت چاہتی تھی کہ خیال ترک کر دوں لیکن کام کی اہمیت اور ادبی ذوق نے گوارا نہ کیا کہ اس ضروری علمی خدمت سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ بعض قلمی کتابیں ایسی ملیں جن میں مصنف کا نام، سنہ تصنیف اور زمانہ کتابت، کا پتہ لگانا بڑا دشوار تھا ایسی کتابوں کے مطالعہ میں زیادہ محنت کرنے کی میں زحمت ہی نہ کرتا اگر ان کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے ان سے انتخاب لینے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی بعض کتابیں ایسی تھیں جن کے اعلیٰ درجہ کی ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن بے اتفاقی سے وہ ایسے خراب خط میں لکھی گئی تھیں کہ ان کی ساری ادبی شان ملیامیٹ ہو گئی۔ ایسی کتابوں کے اگر ایک سے زیادہ قلمی نسخے ملے تو ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح انتخاب حاصل کر سکا ورنہ صحیح نقل لینے میں بڑی دقت اٹھانی پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ اس انتخاب میں بعض ایسے شعر بھی ملیں گے جن میں چند الفاظ غائب ہیں یا اگر موجود بھی ہیں تو ان کا مفہوم واضح نہیں۔

انتخاب کے ساتھ ہی مجھے کتابوں اور ان کے مصنفوں کے حالات بھی جمع کرلینے پڑے جو مقدمہ کے چار ابواب میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس کام کی خاطر بہمنیوں، عادل شاہیوں، اور قطب شاہیوں کے عہد کی تاریخوں اور تذکروں کے قلمی نسخوں کی چھان بین کی گئی۔ چنانچہ جن جن کتابوں سے مدد ملی ان کی فہرستیں بھی ضمیموں میں درج کردی گئی ہیں۔

اس دوران میں مجھے دو قلمی نسخوں میں غواصی اور ابن نشاطی کی تصویریں بھی ملیں۔ عبداللہ قطب شاہ کی بھی ایک تصویر ملی جو اس کی دوسری موجودہ تصویروں کے مقابلہ میں اس لئے اہم ہے کہ یہاں کی تمام تصویریں اس کے بڑھاپے کے زمانہ کی ہیں اور یہ تصویر بالکل عنفوان شباب کی ہے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے حکام بالا سے اجازت لیکر میں نے ان تینوں تصویروں کے فوٹو اتروائے اور اب یہ تصویریں اس مجموعۂ انتخابات میں شامل ہیں۔

قدیم اردو ادب اگرچہ زبان کی قدامت کی وجہ سے موجودہ نسلوں کے لئے شاید کچھ کم دلچسپی کا باعث بن سکے لیکن اس کے مطالعہ کے بعد اس امر کا یقین ہوجاتا ہے کہ اردو زبان اس قدر تہی مایہ نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے نیز آج سے تین سو برس پہلے بھی وہ اس اہل تھی کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کیجاتی تھی اور مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل سلجھائے جاتے تھے۔ شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں جو اس خزانہ میں موجود نہ ہو، رزم اور بزم دونوں کی تصویریں جس خوبی کے ساتھ اس زمانہ میں دکھائی گئیں بعد کے ادیبوں میں سوائے میر انیس اور میر حسن کے کوئی دوسرا ان کی نظیر بھی نہ پیش کرسکا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ بعد کے مصنفوں نے قدیم شاعروں کی تقلید بھی نہیں کی۔ وہ غزل کے دلدل میں ایسے پھنس گئے کہ کسی دوسری صنف شاعری تک ان کی رسائی دشوار ہوگئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالی کے زمانہ تک ہمارے یہاں طویل اور مسلسل نظموں کا فقدان رہا۔ اور حالی کے بعد جب اس کا احساس پیدا ہوا تو اچھے شاعروں کی کمی ہوگئی، جو حالی کی تقلید میں اعلیٰ سے اعلیٰ ادبی کارنامے پیش کرسکتے۔

ان انتخابات میں ادبیت کا سب سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ انھیں تاریخ وار یکے بعد دیگرے مرتب کرکے اردو زبان اور ادب کا ارتقا دکھایا جائے۔ چنانچہ صرف اس کی خاطر بعض انتخاب ایسے بھی شامل کرلئے گئے ہیں جن میں کوئی زیادہ ادبیت نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس مجموعہ کے بعض مضامین ایسے نکلیں گے جو دنیا کی اکثر زبانوں کے اعلیٰ ادب کے پہلو بہ پہلو رکھے جاسکتے ہیں۔

کام کے آغاز کے ساتھ ہی مجھے خیال بھی پیدا ہوا کہ اس طرز پر اردو کے بعد کے دوروں کے ادبی کارناموں سے بھی انتخابات کئے جاسکتے ہیں اور اس کی ضرورت بھی ہے چنانچہ میں نے اس پورے کام کو

تین جلدوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلی جلد، ابتدا سے ولی تک، دوسری، ولی سے حالی تک، اور تیسری حالی سے موجودہ زمانہ تک۔ لیکن، چونکہ جو کام ایک سے زیادہ آدمیوں کی مشترک محنت اور توجہ سے زیادہ خوبی اور سرعت کے ساتھ انجام پا سکتا ہے اس کو صرف ایک ہی شخص تک محدود رکھنا انتہائے خود غرضی ہے اس لیے جب میں نے جان پہچان کے اردو انشا پردازوں کی خدمت میں اس امر کی درخواست کی کہ اور ادیب چاہئیں جو دوسری اور تیسری جلدوں کو جلد سے جلد مرتب کرلیں تو مولوی عبدالقادر صاحب سروری ایم اے، ال ال بی، اور مولوی سید محمد صاحب ایم اے نے اپنے ادبی ذوق اور کام کرنے کے شوق کی خاطر اس کام کو اپنے ذمہ کرلیا۔ دو نو انشا پرداز جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور دونو کی کتابیں اس وقت اردو داں دنیا میں مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ سروری صاحب "دنیائے افسانہ" کے مصنف ہیں کلیہ جامعہ عثمانیہ میں اردو کی مددگار پروفیسری کی خدمات انجام دینے کے علاوہ حیدرآباد کی مشہور دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ کے رسالہ "مجلہ مکتبہ" کے دو سال سے مدیر ہیں۔ سید صاحب "ارباب نثر اردو" کے مصنف ہیں۔ سٹی کالج میں اردو پڑھاتے ہیں اور ساتھ ہی مکتبہ ابراہیمیہ کے اہم شعبہ دارالاشاعت کے ذمہ دار ہیں۔ اس لحاظ سے ان دونو حضرات کو ادب اردو سے رات دن سابقہ پڑتا ہے اور یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ایسے واقف کار اور با مذاق اردو داں نے باوجود اپنی متعدد مشغولیتوں کے اردو انتخابات کے اہم اور محنت طلب کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ ان کی علمی سرگرمیوں کا جہاں تک مجھے علم ہے اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ یہ کام نہایت خوبی کے ساتھ بروقت تکمیل کو پہنچ سکے گا۔

گزشتہ ماہ جب میں چھٹیوں میں ہندوستان آیا تو یہ سارے انتخابات ساتھ تھے یہاں آنے کے بعد بعض احباب کی رائے پر مجھے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے متعلق اپنے اصل خیال کو بدل دینا پڑا۔

میں چاہتا تھا کہ اس کو یورپ ہی میں ایک انگریزی مقدمہ کے ساتھ نسخی ٹائپ کے حروف میں چھپواؤں لیکن جب یہاں چند کرم فرماؤں نے اس کی خوبی طباعت اور صحت وغیرہ کے اہتمام کی ذمہ داری بھی لے لی تو مجھے "سپردم بتو مایۂ خویش را" کہتے ہوئے سارا کام انہی ہاتھوں میں دے دینا پڑا۔ ساتھ ہی مقدمہ اور ضمیموں وغیرہ کا اردو ترجمہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی وقت کم تھا اور کام زیادہ لیکن میں شکر گزار ہوں ایک دو دوستوں کا جنھوں نے اس کام میں میری خاطر خواہ مدد فرمائی۔ ابوالمکارم فیض محمد صاحب صدیقی بی اے جن کے علمی اور ادبی مضامین اس وقت تک ہندوستان کے اردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور جدید سائنس کے متعلق جن کی ایک دلچسپ کتاب قریب میں شائع ہونے والی ہے اس خصوص میں

میرے شکریہ کے خاص طور پر مستحق ہیں۔ مولوی سید محمد صاحب ایم اے اور قاضی فصیح الدین صاحب بی اے کا بھی اس بارے میں شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

یورپ کے کتب خانوں سے میں نے جو انتخابات فراہم کئے تھے ان میں حیدرآباد آنے کے بعد چند اور اضافے بھی کئے گئے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہاں کے امراء کے خانگی کتب خانوں میں قدیم اردو کی بعض نہایت نایاب کتابیں موجود ہیں لیکن ابھی ان کا عام طور پر علم نہیں ہے میں نے حتی الامکان کوششیں کی کہ ان تک رسائی حاصل کروں۔ اگرچہ میرے ڈیڑھ دو ماہ کے قیام کے زمانہ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ پوری طرح کامیابی ہوتی تاہم جو کچھ بھی مواد مل گیا غنیمت ہے اور احسان فراموشی ہوگی اگر میں نواب عنایت جنگ بہادر کا اس سلسلہ میں ذکر نہ کروں جن کے پُرخلوص علمی ذوق اور اعلیٰ ادبی احساسات نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا۔ آپ نے اپنی گوناگوں مشغولیتوں کے باوجود میرے ساتھ کئی وقت میرے کام کے خاکہ پر بحث مباحثہ کیا اور اپنے قدیم اور گراں قدر کتب خانہ سے نہایت بیش قیمت قلمی نسخے مہیا کر کے میرے حوالے کر دئیے جن میں سے اکثر کے انتخابات بھی اس مجموعے میں شامل ہیں اور جو اس میں نہیں ہیں یا وہ دوسری دو جلدوں میں شریک رہیں گے اس جگہ اس بات کا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ نواب صاحب کے ذخیرہ سے بہت سا ایسا مواد بھی مل گیا جس کے ایک جا کرنے سے دکن کے ادب اردو کی تاریخ بہمنیوں کے زمانہ سے موجودہ زمانہ تک تیار ہو جاتی ہے اور یہ خیال جو آجکل عام ہوتا جا رہا ہے کہ دکن میں اردو ادب کی پیداوار ولی کے بعد ختم ہو گئی بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ دکن میں کسی زمانہ میں بھی اردو تصنیف و تالیف بند نہیں ہوئی بظاہر اس کا امکان نظر آتا ہے کہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کے زوال اور مغلوں کے قبضہ کے بعد یہاں کی ادبی ترقی کی رفتار کچھ کم ہو گئی ہوگی۔ لیکن اب جو مواد ملتا جا رہا ہے اس کے مدنظر ہمیں یہ یقین کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ رفتار آج تک برابر جاری رہی چونکہ ہماری یہ جلد ولی کے زمانے یا یوں کہئے کہ سلطنت آصفیہ کے قیام سے قبل ہی کے اردو ادب کے انتخابات پر مشتمل ہے اس لئے اس کے بعد کے دکھنی ادبی کارناموں کو جن کا اس وقت تک خاصہ ذخیرہ حاصل ہو گیا ہے شامل نہیں کیا گیا وہ اس سلسلہ کی دوسری جلدوں میں شریک ہیں

ہندوستان میں آنے کے بعد اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو اور آغا حیدر حسن صاحب پروفیسر اردو نظام کالج سے بھی کئی دفعہ ملاقاتیں کرنی پڑیں۔

مولوی صاحب اس کام کی ترتیب وغیرہ دیکھنے سے بہت خوش ہوئے اور اپنے کتب خانہ سے ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ فرمایا لیکن ان کے کتب خانہ سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ انھوں نے فرمایا کہ اس انتخاب میں اس دور کے جتنے مستند اور مشہور شاعر اور ادیب ہیں ان سب کے انتخاب موجود ہیں البتہ آغا حیدر حسن صاحب کا کتب خانہ میں نے دیکھا اور مجھے بیحد مسرت ہوئی کہ آغا صاحب نے اچھا قیمتی ذخیرہ محفوظ رکھا ہے اسکی خاطر انھیں بہت ایثار سے کام لینا پڑا اور میں یہ شکر توان کی فیاض طبیعت، علمی خدمت کے ذوق، اور انتھک کوششوں سے مرعوب ہوگیا کہ وہ کسی زمانہ میں حیدرآباد کے قریب ایک آشرم بنا کر اس گراں قدر خزانہ کو علمی دنیا کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں آغا صاحب نے ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا۔ میری انتخاب کردہ کتابوں کے علاوہ جو بھی کارنامے ان کے یہاں ہیں اُن سب سے مواد دینے کی تیاری کی لیکن فی الحال اُن دو چار کارناموں سے انتخاب دیدیا۔ جو اہم اور خاص طور پر قابل قدر ہیں ۔

اس کے لئے میں آغا صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ان کے ذخیرہ کے دیکھنے سے بھی اس خیال کو تقویت ہوگئی کہ دکن کسی وقت بھی اردو عالموں اور شاعروں سے خالی نہیں رہا اور یہ کہ اس وقت بھی اردو کے ہر دور کے کارنامے کسی نہ کسی جگہ محفوظ ہیں ۔

اس سلسلے میں مولوی غلام یزدانی صاحب بی اے ناظم آثار قدیمہ کی کرمفرمائیوں کا شکریہ ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے چونکہ میرا شروع سے خیال تھا کہ اس مجموعے کے ساتھ تصویریں بھی شائع کی جائیں میں نے یزدانی صاحب سے اس بارے میں رائے لی ۔ انھوں نے نہ صرف میری لائی ہوئی تصویروں کو دیکھ خوشی ظاہر کی بلکہ اپنے محکمہ کی جس قدر تصویریں میرے کام کی تھیں ان سب کے دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اس مجموعے میں میری لائی ہوئی تصویروں کے علاوہ جس قدر تصویریں شائع ہو رہی ہیں وہ آپ ہی کی عنایت کردہ ہیں یزدانی صاحب نے محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کی چند اردو غزلوں کے خوشخط قطعے بھی جو انہی کے دور میں غالباً انہی کے لئے لکھے گئے تھے مجھے دکھائے چونکہ یہ وصلیاں ہمعصر خوشنویسوں کی لکھی ہوئی ہیں اور انہی بادشاہوں کا اردو ہی کلام ہے اس لئے میں نے انہیں بھی اس مجموعے میں داخل کرنے کی خواہش کی۔ جس کی بنا پر یزدانی صاحب نے اپنی مہربانی سے ان کے فوٹو اتروا کر مجھے عنایت کئے، یزدانی صاحب کے ساتھ محکمۂ آثار قدیمہ کی اس علمی امداد کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کتاب کی ترتیب کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مقدمہ میں جو چار ابواب پر منقسم ہے مختصر ادبی تاریخ اس دور کی لکھدی گئی ہے جس میں ان مضامین کی تخلیق ہوئی۔ شہ پاروں کی فہرست کے علاوہ ایک تفصیلی فہرست بلحاظ مصنفین بھی دیدی گئی ہے جس میں مصنفوں، کتابوں، ان کے قلمی نسخوں کے سنین اور وہ جہاں موجود ہیں ان کتب خانوں کے متعلق کارآمد باتیں بیان کردی ہیں تاکہ آئندہ تحقیقات میں مدد ملے۔ اس کے بعد اس دور سے متعلقہ اُردو کے سنین درج ہیں اور پھر ضمیمے ہیں جن میں مقدمے کے چاروں ابواب کے متعلقہ تاریخ وار معلومات دیدی گئی ہیں تاکہ تحقیقی مطالعہ کرنے والوں کے لئے آسانی پیدا ہوجائے۔

شہ پاروں کے مدنظر اس امر کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے کہ ان میں بہت سے لفظ اور ترکیبیں ایسی نظر آئیں گی جو آج کل بھی مروج ہیں لیکن چونکہ قدیم زمانہ میں جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے اس لئے ان کا املا موجودہ املا سے اکثر مختلف ہے اور اس لئے ہم انھیں پڑھنے میں کوئی وجہ نہیں کہ غلطی نہ کرجائیں مثلاً آج کل کے معمولی لفظوں کہے، کہاں، بھی، جو کوئی، نہیں، جو کچھ، چاہیں وغیرہ کو، کے، کاں، بی، جکوی، نیں، جکچہ اور چاہے وغیرہ لکھا ہوا دیکھ کر ناواقف پڑھنے والے ابتدا میں ضرور پریشان ہوجائیں گے

اکثر جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لفظ اور ترکیبیں آج مروج ہیں وہ اس زمانہ میں جبکہ ان شہ پاروں کی تخلیق ہوئی بعینہٖ اسی موجودہ شکل وصورت کے ساتھ رائج نہ تھیں بلکہ زمانہ کی قدامت کے لحاظ سے اکثر وقت ان کی شکل ذرا مختلف تھی ایسے لفظوں اور ترکیبوں کے پڑھتے وقت بھی غلط مفہوم سمجھ لینے کا ضرور اندیشہ ہے مثلاً سے، میں ہی، جتنا، کتنے، بیٹھ، لکھا، پڑھا وغیرہ کو تھے، تھیں، سوں، نیچ، جتا، کتے لکھیا اور پڑھیا وغیرہ پڑھنے کے بعد آسانی سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ان امور کے متعلق ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کے نیچے ہی یا ذیل میں ان کی آج کل کی مروجہ شکل بھی لکھ دی جائے۔ ساتھ ہی اس امر کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کے آخر میں اشاریہ سے قبل ایک فرہنگ شامل کردیجائے، جس میں مشکل، نامعلوم اور مشتبہ الفاظ کے معنی اور توضیح بیان کی گئی ہے

اس جلد کو پیش کرتے وقت میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کردینا چاہتا ہوں کہ یہ بہت ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں بعض ایسی اعلیٰ درجہ کی ادبی کتابوں کے انتخاب موجود نہوں جو کسی کے خانگی کتب خانہ میں محفوظ ہیں یا جن کے متعلق عام طور پر معلومات نہیں۔ اس امر کا تو کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں جو کام پیش کررہا ہوں وہ ہر حیثیت سے مکمل ہے، آئے دن دکنی اردو کی جو نئی نئی کتابیں برآمد

ہوتی جارہی ہیں ان کی رفتار ظاہر کرتی ہے کہ بہت جلد ہمیں اس جلد کا ایک ضمیمہ یا دوسرا حصہ شائع کرنا پڑیگا۔ بحالت موجودہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں ان تمام قلمی تصنیفات کے انتخاب دیدئے گئے ہیں جو اس وقت دستیاب ہوسکی ہیں یا جنھیں کچھ ادبی حیثیت حاصل ہے، یہی حال مقدمہ کا بھی ہے جس میں ان شہ پاروں اور ان کے مصنفین پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ بھی اس دور کے ادب اُردو کی ایک مکمل تاریخ نہیں ہوسکتی جتنی معلومات فراہم کی جاسکتی تھیں ان کے پیش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

دیباچہ ختم کرنے سے پہلے مولوی ابو محمد عمر یافعی صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن شریف صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، دونو صاحبین نے اس کتاب کی طباعت وغیرہ کے انتظامی معاملوں میں میری جو مدد فرمائی ہے اس کے بغیر یہ کتاب شاید ہی اس قدر جلد شائع کی جاسکتی۔

شاہ گنج - ۱۵ سپٹمبر ۱۹۲۹ء

سید محی الدین قادری



قطعہ اول — برس گانٹھ

اُردو ادب شمالی ہند میں

یہ درحقیقت ایک حوصلہ فرسا بات ہے کہ ان ممالک میں جہاں اُردو نے جنم لیا اس کو [illegible] دلی کی زبان سے زیادہ درجہ نہیں دیا گیا بلکہ اس کے برخلاف گیارھویں صدی ہجری کے آخر تک کیا علما اور کیا امرا دونوں اس سے بیزار رہے اور اس دوران میں یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ وہ کبھی ادبیات میں استعمال نہیں کی گئی یہ مسلمہ ہے کہ خواجہ مسعود سلمان اور امیر خسرو نے ہندی زبان میں بہت کچھ شاعری کی ہے اور حال ہی میں اس کا علم ہوا ہے کہ گیارھویں صدی کے اوائل میں شمالی ہند میں بھی دو تین اردو گو شعرا جیسے افضل جیون، جعفر وغیرہ گذرے ہیں۔ ان کا ذکر آخری باب میں درج کیا جائیگا کیونکہ یہ بجا طور پر عہد مغلیہ کے شعرا میں شمار کئے جا سکتے ہیں مسعود سلمان اور امیر خسرو کی نسبت یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ اس زبان میں شعر نہیں کہتے تھے جس کو عام طور پر ہندو اور مسلمان دونوں بولتے تھے، جو اس وقت بالکل ابتدائی منازل طے کر رہی تھی اور جو بعد میں اُردو کہلائی۔

مسعود کا زمانہ پانچویں صدی کا ہے۔ وہ شاہ ارسلان بن مسعود حاکم لاہور اور سلطان ابراہیم ([illegible]ھ) کے زمانہ کا شاعر تھا۔ محمد عوفی اپنے تذکرہ لباب الالباب میں لکھتا ہے کہ مسعود نے تین دیوان مرتب کئے تھے اُن میں ایک ہندوی (جو زبان ہندوستان میں بولی جاتی تھی) میں تھا۔ امیر خسرو نے بھی اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ میں مسعود کے دیوان کے متعلق یہی لکھا ہے۔ مسعود لاہور کا باشندہ تھا اور جس وقت مسلمانوں نے دہلی فتح کی اس وقت بقید حیات تھا۔ اس طرح اس نے جو کچھ بھی لکھا ہوگا، وہ یقیناً

ملاحظہ ہو جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

اس زبان میں تھا جو پنجاب میں بولی جاتی تھی اور وہ زبان بہت ممکن ہے کہ اُردو کی بالکل ابتدائی صورت ہو۔
۔ امیر خسرو البتہ اس عہد میں تھا جبکہ اُردو ایک گونہ ترقی کر چکی تھی اور اس مقام پر تھا جو اس زمانے کا اُردو
کا سب سے بڑا مرکز کہا جاسکتا ہے ساتویں صدی کے اواخر ایام اس کے عروج کا زمانہ ہیں اس کا انتقال ۷۲۵ھ
میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان کے ہر حصے میں عظیم الشان لسانی انقلابات ہو رہے تھے اور نئی زبانیں
عالمِ وجود میں آ رہی تھیں چنانچہ خسرو نے بھی ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پنجاب میں اور دہلی کے اطراف واکناف
جو بولیاں اس وقت مروج تھیں ان کے مختلف نام گنائے ہیں۔

مسعود کی طرح خسرو کے کلام کی زبان بھی مشتبہ ہے اگرچہ اس کے بعض شعر اس وقت موجود ہیں مگر یہ کچھ
زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ ان کی زبان برج بھاشا سے ملتی جلتی ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ جس زبان
میں وہ شعر گوئی کرتا تھا وہ وہی تھی جو عام طور پر ہندو مسلمان بولتے تھے دوہڑوں اور پہیلیوں سے قطع نظر جو کم
وبیش کھڑی بولی میں لکھی گئی ہیں اس کے بعض اشعار قدیم دکھنی شاعری کے مشابہ ہیں مگر یہ بالکل مشتبہ ہے کہ آیا وہ
اشعار اُسی کے ہیں۔

عام طور پر امیر خسرو کو خالق باری کا جو ہندوستانی اور اسلامی زبانوں کی ایک منظوم فرہنگ ہے
مصنف سمجھا جاتا ہے مگر حال ہی میں خاص طور پر محمود شیرانی کی تحقیق و تفتیش سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بہت
بعد کے زمانہ کی کتاب ہے اور زمانہ حال کے مصنفوں نے اس کو خسرو سے منسوب کر دیا۔

بعض اصحاب امیر خسرو کی ہندی تصانیف کو بہت زیادہ اہمیت دیتے اور اُسے اُردو کا پہلا مصنف
بتاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے پیشرو مسعود سے زیادہ اہمیت کا مستحق نہیں ہے جہاں تک ایک مسلمان کا ہندی
زبان میں شعر کہنے کا تعلق ہے وہ اول شاعر نہیں اگرچہ اس کی شاعری موجودہ شاعری میں قدیم ترین ہے۔

غرض ایک دو صحیح اُردو تصانیف سے قطع نظر جن کا ذکر چوتھے باب میں کیا جائیگا کسی اور کتاب کی نسبت کوئی
بات معلوم نہیں تاہم اگر آئندہ اس عہد کی کوئی کتاب روشنی میں آئے تو تعجب کی بات نہیں۔ بہ حیثیت مجموعی فی الوقت
اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شمالی ہند میں بہت حال ہی میں اُردو کو تحریر میں استعمال کیا گیا اگرچہ علمائے کرام گجرات
میں جہاں مسلمان آوروں کی زبان کی حیثیت داخل ہوئی بہت جلد اس کو ذریعہ اظہار بنا لیا گیا اور تعجب خیز ادب اس میں
تیار ہو گیا۔

گجرات میں

گجرات پر مسلمانوں نے متعدد حملے کیے پانچویں صدی کے اوائل میں سلطان محمود غزنوی نے بڑی زبردست چڑھائی کی اور کئی شہر اور قصبے ویران کر دیے مگر علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت میں گجرات بالکلیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور سلطنت اسلامیہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

امرائے دکن کی طرح فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد ہی گجرات نے اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر دیا اور تقریباً دو سو برس تک اپنی آزادی کو برقرار رکھا اس مدت میں وہ زبان جو علاء الدین خلجی کے فاتح سپاہی لے آئے تھے شاہان گجرات کی سرپرستی میں ترقی کرنے لگی اور بعض بادشاہ مثلاً محمود شاہ اول و بہادر شاہ ــــــ تو درحقیقت علم و ادب کے بہت بڑے مربی گذرے ہیں۔ اگرچہ اس وقت گجرات کے اردو کارنامے بہت ہی کم دستیاب ہوتے ہیں اور وہاں کی اُردو کی نشو و نما اور ترقی کی نسبت ہماری معلومات بھی دوسرے مرکزوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں تاہم ذیل کے واقعات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ یہاں اُردو کی سرپرستی کی گئی اور اُسے ذریعہ تحریر قرار دیا گیا تھا۔

۱۔ راقم الحروف کو گجرات کی دو قدیم اور معتبر تاریخوں یعنے مرات سکندری مؤلفہ اسکندر منجو سنہ ۱۶۱۰ء[1] اور مرات احمدی مؤلفہ علی محمد خاں سنہ ۱۷۵۶ء[2] کے مخطوطوں میں چند ایسے اُردو جملے اور فقرے ملے جو سنہ ۱۴۲۵ء اور سنہ ۱۵۲۶ء میں استعمال ہوتے تھے اس کا قوی امکان ہے کہ اگر کوئی زیادہ تفحص سے ان مخطوطوں کا مطالعہ کرے تو ایسے اور زیادہ

---

[1] ملاحظہ ہو مرات سکندری ورق ۱۵۲ الف انڈیا آفس فارسی مخطوطات۔

[2] ״ مرات احمدی ״ ۶۶۸ ب ״ ״ ״ ״

مخطوطے دستیاب ہوں گے

۳۔ اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے ۔۔۔ کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلا لیا چنانچہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان اپنی زبان کو گجراتی کہتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھتے تھے وہ اپنی زبان کو گجری کہنے لگے اور پرانی زبان دکھنی کہلانے لگی مگر یہ فرق زیادہ عرصے تک نظر نہیں آتا کیونکہ متاخر اہل قلم ہمیشہ اپنی زبان کو دکھنی کہتے رہے۔

۴۔ گجرات کی اردو کے بعض قدیم مخطوطے ہنوز محفوظ ہیں اگرچہ بالکل ادبی رنگ کے نہیں مگر ان سے ثابت ہوتا ہے کہ گجرات میں یہ زبان اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ اس کا مقصد استعمال یقیناً ادبی بھی ہوگا۔

مگر بہ حیثیت مجموعی یہ یقینی ہے کہ اردو گجرات میں اتنی مدت تک عروج پذیر نہیں ہوتی جتنی کہ دکن میں تھی کیونکہ سنہ ۱۵۷۲ء میں گجرات کی اسلامی حکومت اکبری فوجوں کے ہاتھ شکستیں اٹھا کر ختم ہو گئی اور گجرات سلطنت مغلیہ کا ایک معمولی صوبہ بن گیا اس کے ادیب اور شعرا، جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے، اکثر و بیشتر دکن میں پناہ گزیں ہو گئے۔ گجرات میں ہندوؤں کی اکثریت ہونے سے اسلامی اثر بھی رفتہ رفتہ دور ہونے لگا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے اردو کی سرپرستی کرنے سے محروم ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس ہرج مرج نے جو کچھ ادب پیدا ہوا تھا اس کو اس درجہ ستیاناس کر دیا کہ اس کے متعلق بھی کوئی بات اس وقت معلوم نہیں۔[۱]

---

[۱] چند روز ہوئے گجرات کے ایک اردو رسالے کے ایڈیٹر نے راقم الحروف کو اطلاع دی تھی کہ انہیں گجرات کے قدیم اردو شاعروں کے کلام کا ایک گلدستہ دستیاب ہوا ہے اور وہ اسکو شائع کرنے والے ہیں۔ مگر اس کے بعد سے ابتک کوئی خبر اسکی نسبت وصول نہیں ہوئی۔

بہاء الدین باجن

شیخ بہاء الدین، معز الدین کے فرزند اور شیخ رحمت اللہ کے جو محمود بیگڑہ شاہ گجرات کے مرشد تھے مرید تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا۔ شمال میں سندھ اور خراسان کا سفر کیا اور جنوب میں جزیرہ سیلون تک ہو آئے۔ یہ ۱۵۰۶ء میں فوت ہوئے اور برہان پور میں سپرد خاک کئے گئے۔

بہاء الدین کا تخلص باجن تھا۔ وہ فارسی اور برج دونوں میں شعر کہتے تھے۔ اُن کے بعض بعض ابیات اُن کے ہم وطن شاعر خوب محمد گجراتی کے کلام سے بہت مشابہ ہیں "پنجاب میں اردو" میں اُن کے کلام کے جو نمونے دیئے گئے ہیں وہ نہ تو ادبی لحاظ سے قابل قدر ہیں نہ ہی معتبر و موثق۔ باجن ایک زاہد مرتاض شخص تھے اور غالباً انہوں نے کوئی ادبی کارنامہ اپنی یادگار نہیں چھوڑا۔

(۱؎ دیکھیے صفحہ ۱۵۵)

شاہ علی گام دھنی

شاہ علی محمد جیو قطب العالم شاہ ابراہیم جان اللہ کے فرزند اور مشہور بزرگ سید احمد کبیر رفاعیؒ کی اولاد میں تھے (احمد آباد) میں پیدا ہوئے اور بہت بڑے صوفی اور مرشد تھے۔ وہ گام دھنی (گاؤں کے مالک) کے لقب سے شہرت پذیر تھے کیونکہ سارا علاقہ ان کے تقدس سے محفوظ و ممنون سمجھا جاتا تھا۔ وہ ۹۷۳ھ میں فوت ہوئے اور رایکھڑ احمد آباد میں دفن کئے گئے۔

گام دھنی نے اپنی یادگار میں ایک اردو دیوان چھوڑا ہے۔ اس کو پہلے ان کے داماد کے مرید ابوالحسن شیخ محمد نے ترتیب دیا۔ بعد ازاں خود ان کے پوتے سید ابراہیم ولد شاہ مصطفیٰ نے دوبارہ اس کو مرتب کیا کیونکہ پہلے نسخہ کا مقدمہ اطمینان بخش نہیں سمجھا گیا۔ ان دونوں نسخوں کے چند مخطوطے اب بھی پائے جاتے ہیں اول الذکر کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہے۔ اس کے (۱۳۲) اوراق ہیں اور ہر صفحہ پر دس سطریں۔ وہ دیوان کے نام سے موسوم ہے اور کئی بے ترتیب ابواب پر منقسم۔ اکثر باب حروف تہجی کی ترتیب پر ہیں۔

اس کی زبان بالکل سادہ ہے اور اکثر معنے بالکل صاف ہیں اگرچہ پورے بارہ سو اشعار بالکلیہ تصوف اور مذہب سے متعلق ہیں مگر ان میں سے اکثر خاصے دلچسپ ہیں اور طرز بیان پیچیدہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرتی شاعر تھے اور یقیناً ان کا شمار ان گنتی کے چند قدیم اردو شاعروں میں ہے جن کے کارنامے نہ صرف قدیم شاعری کے نمونے کے طور پر قابل قدر ہیں بلکہ زبان کی سادگی اور شاعرانہ زور کے لحاظ سے بھی قیمتی ہیں۔

شیخ خوب محمدؒ

میاں شیخ خوب محمد چشتی حضرت شیخ کمال محمد سیستانی کے مرید اور احمد آباد کے باشندے تھے۔ یہ بھی بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ اپنے مرشد کے بہت سے اقوال و مباحث جو اکثر تصوف سے متعلق ہیں، اپنی اُردو کتاب "خوش ترنگ" میں جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۹۸۶ھ میں مرتب ہوئی اس کی زبان ایسی سادہ و صاف نہیں جیسی کہ کام دھنی کے دیوان کی ہے۔ اس کا موضوع اور مضمون بھی بہت خشک اور غیر ادبی ہے۔ خود مؤلف نے اس اردو کتاب کی ایک شرح فارسی میں لکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ شرح سنہ ۹۹۲ھ میں تیار ہوئی اور اس کا نام "امواج خوبی" رکھا گیا۔ خوب محمد نے سنہ ۱۰۲۳ھ میں انتقال کیا اور چوک احمد آباد میں مدفون ہوئے۔

ان کی اُردو نظموں کے دو قدیم مخطوطے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (دیکھئے مخطوطات فارسی ۱۰۵۵ و ۱۰۶۰ء) ضخیم تو بہت ہیں مگر اصلی شاعری سے خالی ہیں۔ مؤلف نے خود اپنی نظم میں اکثر جگہ اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے اپنا اور اپنے مرشد کا نام اور تاریخ تالیف بھی درج کی ہے۔ خوب محمد گو اعلیٰ پایہ کے شاعر نہیں تاہم ان کی طویل نظم اُردو کی گجراتی صورت پر تحقیقات کرنے والوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

دکن میں

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلمان پہلی مرتبہ ساتویں صدی ہجری میں دکن میں وارد ہوئے اور غالباً اس وقت تک برابر اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے جبکہ ان کے ہم مذہبوں نے آٹھویں صدی کے آغاز میں شمال سے حملہ کیا۔ اس خیال کے متعلق کہ دکن کے قدیم باشندوں سے مسلمانوں کے اس ابتدائی ارتباط نے ایک نئی زبان پیدا کی، ابھی بہت کچھ تحقیق و تفتیش ہونی ہے۔ علاوہ ازیں اس کو اردو کے ارتقا سے کچھ زیادہ تعلق بھی نہیں۔

دکن کی تین ہندو راجدھانیوں مہاراشٹر (مغرب میں) آندھرا (مشرق میں) اور کرناٹک (جنوب میں) کے علاؤالدین خلجی کے مشہور و معروف جرنیل ملک کافور کے ہاتھوں علی الترتیب ۱۳۰۷ء، ۱۳۰۹ء اور ۱۳۱۰ء میں فتح ہونے کے بعد حقیقی معنوں میں اردو کا سنگ بنیاد دکن میں رکھا گیا۔ مذکورہ بالا تمام قدیم راجدھانیاں بہ حیثیت مجموعی شمالی ہند کی وسیع اسلامی سلطنت کا صوبہ بن گئیں اور متعدد غیر ملکیوں کو اس کے زرخیز علاقوں میں پھیلنے اور آباد ہو جانے کا موقع ملا۔

شمال اور جنوب کا یہ اتحاد تقریباً چالیس برس قایم رہا۔ اس عرصے میں اردو مستحکم بنیاد پر یہاں پھیلنے لگی اس کی اشاعت میں سلطان محمد تغلق کی اس عجیب و غریب حرکت نے بڑا حصہ لیا کہ اس نے دہلی اور اس کے اطراف و اکناف کے تمام باشندوں کو دولت آباد میں منتقل کرنے پر مجبور کیا۔ نئے دارالسلطنت کی وسیع آبادی کی روز افزوں ضروریات کے مدنظر دوآبہ گنگا و جمنا سے بہت سے اہل ہنر اور پیشہ ور دکن میں بلائے گئے۔ اور اس طرح دکن اور خاص طور پر مہاراشٹرا (دولت آباد کے اطراف کا علاقہ) اپنے فرمانرواؤں اور نئے باشندوں کی زبان (اردو) سے بہت جلد آشنا ہو گیا۔

مگر دکن ایک ایسا ملک ہے جو ہمیشہ نہ صرف جغرافی بلکہ سیاسی طور پر ہندوستان کے ما بقی حصوں سے بالکل جدا رہا۔ اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو شمال کے ساتھ کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی اور یہ غالباً اسی میلان طبع کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کے دولت آباد کو اپنا پایہ تخت بنانے کے کچھ دن بعد ہی سارے دکن نے اسکے خلاف بغاوت کی۔ اس کی فوجوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور بالآخر ٧٤٨ھ میں اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر دیا جو تین سو برس سے زیادہ مدت تک قایم رہی۔

دکن کا پہلا خود مختار سلمان فرمانروا علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی ہے جس کی ابتدائی زندگی کے متعلق صحت و یقین کے ساتھ کوئی بات معلوم نہیں۔ وہ ایک برہمن گنگو کے زیر اثر تھا جس کے نام پر اس نے اپنے خاندان کا نام بہمنی رکھا اور جو اس پہلی اسلامی سلطنت کا وزیر بنایا گیا۔ دکن کی اسلامی سلطنت ابتدا ہی سے اسی حکمت عملی پر قائم ہوئی اور اس لحاظ سے ضروری تھا کہ سرکاری طور پر ایسی زبان کی سرپرستی کی جاتی جسکو ملک کے دونوں فرقے جدا بولتے اور سمجھتے تھے۔

حسن گنگو نے جو گیارہ برس تک حکمرانی کرتا رہا، دولت آباد کی بجائے گلبرگہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اسکی وفات کے بعد اس کا خاندان صدیوں تک حکمران رہا مگر آخری تیس برس میں اس کا اقتدار بہت ہی کم ہو گیا تھا اور بہمنی سلطنت کے بعض صوبہ دار اپنی پہلی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔

اگرچہ بعض بہمنی بادشاہ (١) محمد شاہ ثانی (٧٨٠ھ تا ٧٩٩ھ) (٢) فیروز شاہ ٨٠٠ھ تا ٨٢٥ھ) (٣) احمد شاہ (٨٢٥ھ تا ٨٣٨ھ) اور محمد شاہ ثالث (٨٦٧ھ تا ٨٨٧ھ) فارسی علم و ادب کے بڑے مربی اور سرپرست گذرے ہیں مگر اس کا علم نہیں کہ انہوں نے اردو نویسی کو بھی فروغ دیا یا نہیں۔ یہ تقریباً واضح ہے کہ انہوں نے اردو کو اپنی درباری زبان قرار دے دیا تھا کیونکہ قدیم مورخ فرشتہ بہمنی سلطنت کے دفتروں میں ایک ہندی زبان کے مستعمل ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ یہ ہندی اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی کیونکہ۔

١۔ یہ وہی زبان ہے جو مسلمان شمال سے لے آئے اور جس کو تمام مسلمان بولتے تھے۔

٢۔ یہ مرہٹی یا تلنگی یا کنتری نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ زبانیں ملک کے مختلف حصوں میں مقامی طور پر ہندوؤں میں بولی جاتی تھیں اور ان میں سے کسی ایک کو سرکاری زبان کی حیثیت سے اختیار کرنا دوسروں کے حق میں سراسر ناانصافی تھا۔ اس لئے حکمرانوں کو لازمی طور پر ایسی زبان اختیار کرنی پڑی جو ان سے بالکل مختلف ہندوستانی زبان ہو اور جو مساوی طور پر سب باشندوں میں عام ہو سکتی ہو۔

۳۔ قدیم فارسی مورخ جب کبھی اُردو کا ذکر کرتے ہیں تو اس کو ہندی کہتے ہیں اردو کا لفظ سال تک خاص طور پر
زبان کے لیے مستعمل نہیں تھا۔

۴۔ اس واقعے سے بھی کہ اس زمانہ میں اُردو ذریعہ تحریر بن چکی تھی اور اس عہد کے بعض مصنفین کا حال معلوم ہے
ہوتا ہے کہ اُردو کو اس زمانے میں خاصی ترقی حاصل ہو گئی تھی اور اس کو سرکاری زبان بنا لینا ناممکن نہیں تھا
بہمنی عہد کی اُردو پیداوار میں اگرچہ کوئی ادبی قدر وقیمت نہیں رکھتیں تاہم قدیم ترین نمونے ہونے کی وجہ سے
ب۔ اسکا قوی امکان ہے کہ ان دنوں میں ادب بھی مرتب ہوا ہوگا مگر بعد کی نسلوں نے اس کو محفوظ نہیں رکھا
ب ہم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔

بہمنیوں کے زوال کے بعد ان کی سلطنت ذیل کی پانچ خودمختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

اول شاہی بیجاپور میں — ۲۔ قطب شاہی گولکنڈہ میں
ظام شاہی احمد نگر میں — ۴۔ عماد شاہی برار میں
رید شاہی بیدر میں

ان پانچ خاندانوں میں سے صرف پہلے دو خاندان ایک طویل المدت تک حکمران رہے اور صرف انہی کی اردو
ستی کا حال معلوم ہے جو آئندہ دو ابواب میں بیان کیا جائیگا

عین الدین گنج العلم ۷۰۶ھ تا ۷۹۵ھ

شیخ عین الدین دہلی میں ۷۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں ترک وطن کر چکے تھے۔ اُن کی تعلیم و تربیت
ت میں ہوئی۔ یہاں سے وہ دولت آباد میں وارد ہوئے جو ان دنوں محمد تغلق کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے
ے بڑے عالموں اور ادیبوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں عین الدین نے حضرت سید خوندمیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور
شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۷۲۶ھ میں وہ عین آباد ساگر روانہ ہوئے اور وہاں ایک مدت
از تک قیام کیا۔

وہ بڑے بلند پایہ عالم تھے اور اپنے اعلیٰ علمی ہی کی وجہ سے گنج العلم کے لقب سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے
نہوں نے مختلف علوم و فنون پر تقریباً ۱۲۲ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا ایک نہایت اہم کارنامہ مشہور تاریخ طبقات ناصری
صنفہ قاضی منہاج الدین کا خلاصہ ہے۔

اُن کی نسبت مشہور ہے کہ دکھنی میں چند چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف کیئے تھے۔ ان میں سے تین کے مخطوطے کہتے ہیں کہ فورٹ سنٹ جارج کالج مدراس کے کتب خانے میں محفوظ تھے۔ ان رسائل کی ضخامت صرف (۴۰) صفحے بتائی جاتی ہے اور وہ مذہبی موضوعات پر لکھے گئے تھے۔ یہ اطلاعات "اردوئے قدیم" مولفہ حکیم شمس اللہ صاحب پر مبنی ہیں راقم کو کوئی دوسری شہادت اسکی نہ مل سکی۔

خواجہ بندہ نوازؒ

حضرت سید محمد حسینی جو عام طور پر خواجہ بندہ نوازؒ کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال سے کے فرزند ہیں۔ حضرت شاہ راجو دہلی کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریبؒ کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اس وقت بالکل کمسن تھے جب آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا اور خلد آباد میں جو دولت آباد کے قریب ایک مقدس بستی ہے سپرد خاک کیئے گئے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اپنی والدہ کو ساتھ لیکر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مرید ہوئے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین بنے۔

جب ۸۰۱ھ میں تیمور لنگ نے دہلی پر چڑھائی کی اور اس کو تباہ و تاراج کرڈالا تو آپ اسی برس کی عمر میں معہ اہل و عیال کے دہلی سے عازم دکن ہوئے راہ میں آپ نے گجرات کے بہت سے مقامات کی سیاحت فرمائی اور جب دولت آباد وارد ہوئے تو فیروز شاہ بہمنی نے آپ کو اپنے پایہ تخت گلبرگہ میں مدعو کیا یہیں آپ نے تقریباً ایک سو پانچ برس تک زندہ رہنے کے بعد وفات پائی۔ حضرت خواجہ بندہ نواز بڑے عالم اور صوفی تھے۔ آج آپ دکھن کے سب سے بڑے بزرگ مانے جاتے ہیں اور سارے ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بعد آپ ہی سب سے بڑے بزرگ ہیں۔ آپ نے فارسی میں مذہبی موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور چند مختصر اُردو رسالے بھی آپ سے منسوب ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کے معتمد کے ہاں بعض قدیم مخطوطے ہیں جو آپ کے بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک "معراج العاشقین" جو زیادہ موثق طور پر آپکا سمجھا جاتا ہے شایع بھی ہوگیا ہے۔ اس میں تقریباً (۲۴۳) سطروں میں بالکل تصوف کے مسائل بیان کیئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ مطبوعہ رسالہ اصل نسخے کی صحیح نقل نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جگہ جگہ الفاظ اور فقرے حذف ہوگئے ہیں۔ تاہم اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ چودہویں صدی کے آخر تک زبان اُردو نے کتنی ترقی کرلی تھی۔ لسانیاتی تحقیق کے لحاظ سے یہ ایک اہم چیز ہے اور موجودہ صورت میں اُردو نثر کا پہلا نمونہ ہے۔ اس کی زبان کے لحاظ سے

اں کم وبیش دکنی نثر کی صورت کے برخلاف اور اس ہے معلوم ہوتی متاثر زیادہ سے بولی کھڑی صورت اسکی ۔ ہے مختلف سے دکنی
میں زبان اس تحریر آپکی پر طور لازمی اور فرمائے بسر میں دہلی برس ساٹھ کوئی نے نوازؒ بندہ خواجہ حضرت ۔ ہے مشابہ سے بنی
کہ ۔ ہے ہوتا ظاہر سے ہونے مختلف سے دکنی زبان کے "العاشقین معراج" یہ ۔ تھی جاتی بولی جو وہاں چاہئے لی
ہیں مصنف اصلی اسکے ہی نوازؒ بندہ خواجہ حضرت کہ ہے ممکن بہت یہ اور ہے تحریر کی باشندے کے ہند شمالی کسی درحقیقت وہ ۔
زبان مکمل نا اور خام جو نے سپاہیوں مسلمان میں آخر کے صدی دیں تیرہ کہ ہے ملتا ثبوت کا نظریہ کردہ پیش کے قسم اس ۔
ڈالنا اثر پر اردو نے کرنے اخذ آخر ہی بعد اسکے اور ہو زبان ہوئی نکلی سے ماخذوں اصلی کے دونوں کھڑی اور پنجابی وہ کی رایج میں ن
کھڑی زبان کی نوازؒ بندہ خواجہ حضرت ۔ لگا ہونے پیدا فرق میں صورت کی ہند شمالی کی اردو اور دکنی طرح اس اور کیا شروع
و صفات اصلی سی بہت میں جس صورت یافتہ ترقی پر طور قدرتی کی اردو قدیم دکنی برخلاف کے اس اور ہے اردو متاثر سے

خصوصیات موجود ہیں۔

عبداللہ حسینی

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی اولاد نے عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں کے زوال تک دکن کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں بڑا حصہ لیا۔ یہ
انکی سرگرمیوں اور کارناموں کو مورخین نے تفصیل سے قلمبند کیا ہے ان میں سے بہت سے بڑے عالم صوفی اور مقدس بزرگ تھے بعضوں
نے سیاسی زندگی میں بھی حصہ لیا انہوں نے شاہی خاندانوں میں شادیاں کیں اور بڑے بڑے صاحب منصب اور بادشاہوں کے مشیر بنے
ان اصحاب نے قدرتاً رشد و ہدایت کے لئے اردو ہی کو ذریعہ بنایا ہوگا اور اگر کسی کو انکا خاندانی کتب خانہ اور دیوڑھی میں جو حضرت
خواجہ بندہ نوازؒ کی درگاہ کے احاطہ میں ابھی موجود ہے، قدیم کاغذات دیکھنے کا موقع ملے تو بہت سی قدیم اردو تحریرات
کے دستیاب ہونیکی توقع ہے چونکہ یہ مقام ایک مقدس جگہ اور خانقاہ ہونیکی وجہ کسی سیاسی تبدیلی سے بھی متاثر نہیں ہوسکا تو ممکن
ہے کہ یہاں سے بہت سا مواد برآمد ہوسکیگا۔ فی الوقت اس خاندان کی اردو پیداوار کا ہمیں بہت ہی محدود علم ہے۔ یہ مشہور ہے
کہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے کسی مرید نے آپکے ساتھ اقوال کی ایک طویل تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ یہ "ہفت اسرار" کے نام سے موسوم تھی
اور غالباً اسوقت بالکل ناپید ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے پوتے سید محمد عبداللہ حسینی بھی اپنے جد بزرگوار کی طرح مقبول انام
وہ بھی بڑے صوفی اور بزرگ مانے جاتے ہیں۔ وہ احمد شاہ بہمنی ثانی کے عہد میں حضرت عبدالقادر محی الدین
جیلانیؒ کی مشہور کتاب نشاط العاشقین کا ترجمہ مع تفسیر اردو میں کیا تھا۔ اس کا ایک نہایت نفیس مخطوطہ ٹیپو سلطان کے
کتب خانہ میں محفوظ تھا مگر غالباً اب یہ ناپید ہے۔

باب دوم

اردو ادب بیجاپور میں

(۱۶۸۶-۱۴۹۰)

(۱۰۹۷-۸۹۵)

فہرست

ابتدائی تحریکات

پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۴۹۰ تا ۱۵۸۰ء

۸۹۵ھ ۔ ۹۸۸

طول خانہ جنگیوں کے باعث جب بہمنی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگی تھیں اُسوقت سب سے پہلا آدمی جس کے دل میں ایک نئی سلطنت کا ڈول ڈالنے کا خیال پیدا ہوا یوسف عادل خاں تھا جس نے آخرکار بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت کی بنا ڈالی۔ اس خاندان نے تقریباً دو سو سال تک حکومت کی اور بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب کی بہادر اور طاقتور فوجوں کے ہاتوں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس دوران میں عادل شاہیوں نے نہ صرف بہمنی ادبی پیداوار کی فصلیں کاٹیں بلکہ خود بھی کئی شاعروں اور آدمیوں کی پرورش کی اور ادبی ذوق کو اس قدر عام کر دیا کہ اس کے زوال کے وقت درباروں اور گلی کوچوں میں ہر جگہ شاعر ہی شاعر اور ادیب ہی ادیب نظر آتے تھے۔ اگرچہ آجکل گولکنڈہ کی پیداوار کے مقابلہ میں بیجاپور کا سرمایہ بہت کم محفوظ ہے تاہم جو کچھ بھی ہے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ رزمیہ شاعری کے بہترین نمونے صرف بیجاپور ہی کی پیداوار ہیں اور شاعری کی یہ وہ قسم ہے جس میں اُردو بے حد مفلس اور محتاج ہے۔

سلطنت بیجاپور کو حقیقی معنوں میں سلطنت بہمنیہ کا جانشین کہا جا سکتا ہے، یوسف کے اعلان خود مختاری نے سوائے نوابوں اور فوجی عہدہ داروں کے متعدد عالموں اور ادیبوں کو اس کے دربار میں حاضر ہونے کی تحریک دلائی، اُنہیں اُمید بندھ گئی کہ بیجاپور میں ان پر مال و دولت کے پھول نچھاور کئے جائینگے اس کے برخلاف بہمنی دارالسلطنت کی غیر مطمئن حالت اور بادشاہوں کی کمزوریوں کے باعث ان کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا تھا مگر چونکہ دکن میں کوئی اور قوت ایسی نہ تھی جس کی

سرپرستی میں وہ زندگی بسر کرتے اسی لئے انہوں نے عادل شاہی دربار ہی میں رہنا پسند کیا۔ اور انہیں کو اپنے علم و اَدب سے زینت دی۔

یوسف عادل شاہ (۸۹۵-۹۱۶)

اس مشہور و معروف بانی سلطنت کی ابتدائی زندگی کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں تاہم یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بچپن نہایت ہی عسرت اور بے اطمینانی کی حالت میں گذرا اور وہ بہمنی لشکر میں بحیثیت ایک ترکی غلام کے داخل ہوا۔

اس کی شہرت اور بادشاہ کی نظروں میں وقعت اُس وقت سے شروع ہوئی جب کہ اُسکا آقا نظام الملک ترک لڑائی میں مارا گیا اور یوسف نے اُس کے بعد اُسکے کام کو نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔

یوسف کے مربی سلطان کے انتقال کے بعد جب سلطنت میں ہر طرف جھگڑے پیدا ہو گئے تو اُس نے غیر ملکی سپاہیوں اور افسروں سے مدد لے کر ۸۹۵ھ میں ایک سلطنت کی بنا ڈالی، اُس کے زمانہ کا سب سے اہم واقعہ جس سے اُردو پر بالواسطہ اثر پڑا یہ ہے کہ اُس نے بجائے سنی مذہب کے شیعیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا، اور اس طرح تمام سیاسی اختیارات شیعوں کو دے دیئے گئے جن میں اکثر غیر ملکی تھے اور جنہیں ظاہر ہے اُردو زبان سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یوسف نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، اس اثنا میں اسے نہ صرف دارالسلطنت ہی کی مختلف مشکلات کا سامنا کرنا بلکہ ہمسایہ سلطنتوں سے بھی کافی ہوشیار رہنا پڑا جو اس کے مقبوضات پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن اُس نے بہادری کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کر کے اپنی سلطنت کو بہت زیادہ وسیع اور مستحکم بنا لیا چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کی مقبوضات اس قدر وسیع تھی کہ دکن میں بہمنی سلطنت کے بعد اس کے مقابلہ کی کوئی اور حکومت نہ تھی۔

تاریخ ہمیں اس بات کی علانیہ شہادت دیتی ہے کہ یوسف ایک عقلمند اور مردم شناس بادشاہ ایک اچھا مقرر تھا، لیاقت، سخاوت اور بہادری میں اُس کے ڈنکے بجے ہوئے تھے، وہ بے تکا اور شاعرانہ قابلیت کو نہایت نزاکت سے پرکھتا تھا، خود بھی اکثر شعر کہتا تھا، موسیقی میں خاصہ کمال

ذوق رکھتا تھا، ہمعصروں میں اس کے مقابل کا کوئی نہ تھا، اُس نے بیش بہا تحفوں سے شاعروں اور مغنیوں کی ہمت افزائی کی اور خود بھی موسیقی کے جلسوں میں فی البدیہ نظمیں پڑھتا تھا، ترکستان اور ایران کے علماء شعراء اور حسن کاروں کو اُس نے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تھی۔

بدقسمتی سے ہمارے پاس اس زمانہ کا کچھ ایسا زیادہ سواد موجود نہیں ہے جس سے ہم اس کے عہد حکومت میں اُردو کی ترقی کا اندازہ لگا سکیں، اسمیں شک نہیں کہ اسوقت اُردو زبان بولی جاتی تھی اور اس کا ادبی زبانوں میں شمار ہوتا جارہا تھا چنانچہ فارسی کی قدیم تاریخوں میں اکثر اہم واقعات پر اُردو زبان میں لکھے ہوئے تاریخی شعر اور قطعے دستیاب ہوتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور پر زندگی کے اہم واقعات پر مبارکبادی نظمیں یا مرثیے اُردو زبان میں بھی لکھے جاتے تھے مگر یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مورخین نے اپنی تاریخوں میں پوری پوری نظمیں نہیں درج کی ہیں بلکہ چند اقتباسات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے، اس کے دو وجوہات ہوں گے ایک تو یہ کہ تواریخ فارسی زبان میں لکھی جاتی تھیں اور دوسرے یہ کہ اکثر مورخین غیر ملکی ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ فارسی تصانیف میں اُردو نظمیں درج کی جائیں۔

راقم نے قدیم تواریخ اور خصوصاً پیرزادہ غلام محی الدین کی کتاب احوال سلاطین بیجاپور میں جن تاریخی مصرعوں کا مطالعہ کیا ہے اس سے سلطنت بیجاپور کے قیام سے قبل یعنی ۸۹۵ھ کے حالات کا بھی پتہ چلتا ہے، یوسف کے دور کی صرف تین تاریخوں کا حال معلوم ہے جن پر سنین ۹۰۵ھ، ۹۰۸ھ، ۹۱۶ھ درج ہیں۔

اُردو تاریخوں کے علاوہ ہمیں یوسف کے عہد حکومت کے ایک اُردو مصنف شاہ میراں جی کا بھی پتہ چلتا ہے جن کی ابتک صرف چار کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔

شاہ میراں جی (د ۹۰۲ھ)

عام طور پر شاہ میراں جی اپنے لقب "شمس العشاق" سے مشہور ہیں، وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صوفی تھے، دکھنی علماء کی صحبت میں تحصیل علم کر کے ملک عرب کے سفر کو روانہ ہوئے اور وہاں ایک کافی مدت تک بود و باش کی چنانچہ صرف مدینہ منورہ میں انھوں نے بارہ سال گذارے، واپس آکر شہر بیجاپور کے باہر مستقل سکونت اختیار کر لی اور خواجہ کمال الدین بیابانی کے مرید ہو گئے جو خواجہ بندہ نواز،

کے خلیفہ دوم تھے، اُن کی زندگی کا مقصد فقرا، اور طالبان علم کو تعلیم دینا تھا۔
اُن کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں البتہ اُن کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی جس کا ثبوت ذوقی کے لکھے ہوئے تاریخی نام "شمس العشاق" سے ملتا ہے، نیز اس پر کسی غیر معلوم شاعر نے ایک مرثیہ بھی لکھا تھا۔ بیجاپور کے اکناف شاہ پور میں اُن کو دفن کیا گیا جہاں ابتک ہر سال برابر اُن کا عرس ہوتا ہے۔
شاہ میراں جی اگرچہ عربی اور فارسی کے اُستاد تھے لیکن اپنے مریدوں کو اُردو زبان میں تلقین کیا کرتے تھے، نہ صرف یہی بلکہ اُنہوں نے اس زبان میں نثر اور نظم میں کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں سے چند مولوی عبدالحق صاحب انجمن ترقی اُردو کے سکرٹری اور مولوی آغا حیدر حسن صاحب کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔
۱۔ خوش نامہ ایکسو ستر ۱۷۰ شعر کی ایک مثنوی ہے جو ۱۱۰۶ھ میں نقل کی گئی، اس میں ایک نوجوان لڑکی کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو شاہ پور میں سترہ سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ اس میں اس کو اپنے مرشد کا پرستار بتلایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مرشد کی خصوصیات کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔
۲۔ خوش نغز اسمیں بھی اُسی دوشیزہ کا ذکر ہے لیکن یہ ۲۰۰ شعر کی چھوٹی سی مثنوی ہے، نو ابواب منقسم ہے اور ہر ایک باب ایک علیحدہ مذہبی موضوع پر لکھا گیا ہے، ان موضوعوں پر لڑکی میراں جی سے سوال کرتی ہے اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔
۳۔ شہادت الحقیقت۔ میراں جی کی سب سے اہم اور طویل نظم یہی ہے، اسمیں ۵۶۳ بند ہیں، ہندی بحر میں لکھی گئی ہے اور تصوف سے متعلق ہے، اس کا اسلوب بیان اور زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔
۴۔ شرح مرغوب القلوب۔ یہ کتاب نثر میں ہے، ایک قدیم ترین دکھنی نثر ہونے کے باعث اس کو بہت اہمیت حاصل ہے، لمبی چوڑی تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو نو ابواب پر منقسم ہے، اسمیں صوفیوں کے مختلف مذہبی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔
۵۔ سب رس۔ یہ کتاب دکھنی نثر میں ہے۔ اور شاہ وجیہ الدین کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اسکا ایک مخطوطہ مورخہ ۱۱۱۱ھ آغا حیدر صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ کل اکیاسی ورق ہیں۔ ہر ورق میں ۲۶ سطر۔ زبان نہایت پاکیزہ، اور سلیس ہے۔ چونکہ اُردو کی ابتدائی نثری کتابوں میں سے ہے اسلئے یہ مخطوطہ خاص طور پر قابل قدر ہے۔
میراں جی کے کارنامے اگرچہ ادبی حیثیت سے زیادہ اہم نہیں لیکن لسانیاتی نقطہ نظر سے بے حد قیمت حاصل ہے۔

اِسمٰعیل عادل شاہ

۱۵۱۰ - ۱۵۳۴ء

۹۱۶ - ۹۴۱ھ

اسمٰعیل بہت چھوٹی عمر میں تخت نشین ہوا جس کی وجہ سے ابتدا میں حکومت کی باگ اُمرا کے ہاتھوں میں رہی اس کی پرورش اُس کی چچی کے گود میں ہوئی جو بذات خود ایک قابل ایرانی خاتون تھی وہ بہت ہی دور اندیش اور سخی بادشاہ تھا، مصوری میں اس کو خاص دخل تھا اور موسیقی اور شاعری کے میدان میں اُس کی ٹکر کا کوئی دوسرا موجود نہ تھا، وفائی اس کا تخلص ہے، علما اور شعرا کی صحبت سے اسے بے حد دلبستگی تھی اور وہ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے اس کی حکومت کے پچیس سال کے عرصہ میں دربار بیجاپور میں اُردو کی کچھ ایسی زیادہ نشو ونما نہ ہوئی اِسلئے کہ اسمٰعیل پر ایرانی خاتون کی گود میں پرورش پانے کے باعث فارسی کا اثر بہت چھایا ہوا تھا حالانکہ اس کی ماں دکن کی ایک ہندو شہزادی تھی۔

اس ایرانی اثر کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ " وہ ایرانی اور ترکی رسومات، موسیقی اور زبان کا دکھنی سے زیادہ دلدادہ تھا مو خرالذکر کو اُس نے شاید ہی استعمال کیا ہو"[1]

---

[1] ۔ اِسی سلسلہ میں یہ قصہ بڑی دلچسپی سے پڑھا جائے گا جس کو ابراہیم شیرازی نے اپنی تاریخ فتوحات عادل شاہی میں بیان کیا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دکن میں فارسی سے زیادہ ہندی زبان رایج تھی۔ اگر کوئی فارسی میں شعر گوئی کرتا یا سخن فہمی دکھاتا تو غالباً تعجب کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ نیز اُس زمانہ میں ہندی یعنے (اُردو) عام ہو گئی تھی اُمرا بھی ہندی کے ماہر ہوتے تھے۔ لیکن زمانہ اور ملک کے اس رجحان کے خلاف یوسف عادل شاہ نے اپنے لڑکے اسمٰعیل کو ہندی سے باز رکھنے کی کوشش کی تو اُس کو شدت احتیاط سے کام لینا پڑا۔ باقی صفحہ ۲۵ پر۔

تاہم اس دور میں اُردو عام لوگوں میں ترقی کر رہی تھی چنانچہ ہم کو اس زمانے کے تاریخی سہرے دستیاب ہوتے ہیں جن پر یہ سنین درج ہیں۔
سنہ ۹۱۹ھ و سنہ ۹۲۵ھ اور اس سن کے دو تاریخیں ہیں) سنہ ۹۲۶ھ، سنہ ۹۱۸ھ، سنہ ۹۲۱ھ، سنہ ۹۳۲ھ، سنہ ۹۳۳ھ
علاوہ ان کے اس عہد میں شاہ برہان الدین جانم نے چند کتابیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر ہم آگے چلکر کرینگے۔

سلسلۂ نوٹ صفحہ ۲۔ بہت ممکن ہے کہ یوسف نے اسمٰعیل کو اس لئے ہندی سے باز رکھا ہو کہ اسکی بیوی خود ہندو تھی اور اسلئے وہ سوائے ہندی کے اور کوئی زبان نہ سیکھتا اور اسطرح درباری امرا میں کم لیاقت سمجھا اور بری نظروں سے دیکھا جاتا۔ مورخ لکھتا ہے "آوردہ اند کہ مولانا شہیدی قمی در خدمت این بادشاہ زیجاہ کمال تقرب داشت۔ واکثر نسبت بدیگر ندماے کار آگاہ گستاخی ہا زیادہ بود۔ روزے از روئے نشاط مقربان تصنیفی از تصانیف پادشاہ را می آسودند وکر آنحضرت می فرمود دفعے کہ این دقیقہ دانان آن فن بودمی توانستند فراگرفت وتحسینہا میکردند وہر چند کہ میخواستند شل پادشاہ بیاموزند مقدور شان نبود ملا شہیدی بگستاخی در آمدہ از روئے ادب عرض کرد کہ شہریار صاحب قدر سلامت باشد تولد خسرو آفاق در ملک دکن واقع شدہ وملک دیگر ندیدہ اند۔ این قدر حقایق ودقایق فارسی وترکی وغیرہ را چنان ضبط نمودہ اند واصلا متوجہ زبان ہندی نشدہ اند۔

بادشاہ فرشتہ خصال فرمودند کہ دران حین کہ من طفل بودم پدر بزرگوار من خواجہ سلطان محمد کاشی را استعداد سفر کردہ بلدہ ساوہ فرستادند قریباً سے بار الطلب نمودند۔ وایشان باندک زمانے با قبیلۂ خود متوجہ ہندوستان شدند۔ وغلام وکنیز نغمہ پرداز از کچی ودیگر کس انقدر ہمراہ آوردند کہ خدمتگاران ہندی مردود شدند۔
ومرا تکفل خدمت من کرد۔ چون بسن شش سالگی رسیدم بمکتبم فرستاد وملائے فارسی زبان قرار داد دائکہ دائکۂ ترکی زبان بصاحب حیثیت برمن گماشت۔ ومرا از اختلاط وہمزبانی اہل ہند مانع آمد برتبہ کہ احدے را زہرۂ آن نبود کہ درمجلس من غیر از ترکی وفارسی حرف زند۔ وچون پدرم بعالم تجارفت رتق وفتق مہمات من بدست ملکہ آغا شد ذوالقدر بود کہ زبان ہندی را نیکو میدانست انچہ ہندی می شنود بلفظ ترکی بمن می گفت۔ بدین سبب طبع مرا بصحبت اہل ہند رغبتے نیست از نقش وصحبت ایشان محظوظ نیستم۔"

ابراہیم عادل شاہ اوّل

۱۵۳۷ - ۱۵۵۷ء
۹۴۱ - ۹۶۵ھ

ابراہیم اسمٰعیل کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ مذہب، عادات واطوار اور خیالات کے لحاظ سے وہ اپنے باپ دادا کی بالکل ضد تھا؛ اُس نے علانیہ طور پر شیعہ مذہب کی تردید کی اور خطبوں سے اماموں کے نام کو نکلوا کر اہلِ سنت والجماعت کے رسومات کو جاری کرا دیا، وہ ایرانی رسم و رواج کا بالکل خلاف تھا، اُس نے اکثر دکھنیوں ہی کو اپنے دائرہ ملازمت میں جگہ دی، عہد بہمنیہ کی طرح اس نے بھی ملکی حسابات کو جو فارسی زبان میں تحریر کئے جاتے تھے اُردو میں تبدیل کرا دیا، یہ کام برہمنوں کے سپرد کیا گیا تھا جنہوں نے بہت جلد حکومت میں اپنا وقار قائم کر لیا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اِس بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے بیجاپور میں اُردو کی نشوونما ہونے لگی، اور اگر ابراہیم دکھن میں فارسی اثر کی مخالفت کی ہمت نہ کرتا تو بیجاپور میں اُردو کو شاید ہی پھلنا پھولنا نصیب ہوتا۔

ابراہیم کے بعد اگرچہ اس کے بیٹے اور حقیقی وارث علی نے اِس بات کی ممکنہ کوشش کی کہ پھر سے فارسی کو دکن میں رائج کیا جائے لیکن ابراہیم کی اِن ان تھک کوششوں کا اثر اسقدر غالب تھا کہ علی کی مخالفت سے اُردو کی شہرت اور مقبولیت کو کوئی گزند نہ پہونچ سکا۔

تاہم یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ باوجود ابراہیم کی سرپرستی کے ہمیں اِس دور کا کوئی اُردو کارنامہ نہیں ملتا۔ البتہ شاہ برہان الدین جانم کی چند تصانیف دستیاب ہوتی ہیں جن کا ذکر

ہم علی کے دور میں بالتفصیل کرینگے کیونکہ اُنہوں نے اِس دور کے آخر آخر میں انتقال کیا ہے ابراہیم کے عہد کے دو تاریخی قطعے ہیں جن پر سنین ۹۵۲ھ اور ۹۶۵ھ درج ہیں۔

علی عادل شاہ اوّل

۱۵۵۷ تا ۱۵۸۰ء
۹۶۵ - ۹۸۸ھ

یہ ہوشیار شہزادہ کتابوں کا بے حد دلدادہ تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں ہزاروں کتابیں تھیں'۔ اس کا علمی ذوق ملاحظہ ہو کہ جب کبھی وہ سفر کو جاتا تھا اُس کے ساتھ کتابوں سے لدے ہوئے کم از کم چار سو صندوق رہا کرتے تھے، اکثر دفعہ اُس نے معمولی معمولی نسخوں کو بڑی بڑی قیمتیں دیکر حاصل کیا ہے، وہ شیعہ مذہب کا پیرو تھا اِسی لئے ایران کے سیدوں اور عالموں کو وہ ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھتا تھا اُس نے شعراء اور ادیبوں پر اپنے محتاط باپ کی ساری کمائی لٹا دی[1]

اِس دور کے صرف ایک مصنف کا پتہ چلتا ہے جن کا نام شاہ برہان الدین جانم ہے، اس مصنف نے نثر اور نظم میں کئی کتابیں لکھی ہیں، ہمیں اِس دور کے آٹھ تاریخی مصرعے حاصل ہوتے ہیں جن پر حسب ذیل سنین درج ہیں سنہ ۹۶۵ھ، سنہ ۹۶۶ھ، سنہ ۹۶۸ھ، سنہ ۹۷۰ھ (چار عدد) سنہ ۹۷۳ھ

---

[1] علی عادل شاہ کی علم دوستی وغیرہ کے متعلق فتوحات عادل شاہی میں لکھا ہے کہ چون آوازہ جود و سخاوت او در ربع مسکون شہرت کرد۔ از اقطار عالم ارباب استعداد رو بر وآوردند۔ وتیمن ہائے کلی رسیدند تا بجہتے کہ در ایام از شیراز قریب بدہ ہزار نفر از ارباب استحقاق آمدہ باتجمل تمام بازگشتہ بدیار خود۔ روزے درویشے مراد نام از ہمدان برسر راہ جہان پناہ آمدہ مصحفے گذرانید۔ بفرمودہ پادشاہ او را بخزانہ عامرہ بردہ سر صندوقہا کشودند وظروفے کہ از مس ساختہ بودند ولبالب کردہ بودند در بعضے پنج ہزار ہون ودر بعضے دہ ہزار ہون۔ فرمودند آنچہ می توانی بردار۔ ظرفے پنج ہزار ہون برداشت۔ ومثل این بخشش مکرر از اں بادشاہ واقع شدہ۔ .... اگرشمہ شرح

شاہ برہان الدین جانم (سنہ ۹۹۰ھ)

شاہ برہان الدین جانم، شاہ میراں جی کے بیٹے اور خلیفہ تھے باپ کی تعلیم و ترتیب سے وہ بہت بڑے ایک جید عالم اور بڑے صوفی بن گئے، اُردو زبان ہی میں تلقین کیا کرتے تھے، اُنہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۱۔ وصیت الہادی۔ ایک مثنوی ہے جس کا موضوع تصوف ہے۔

۲۔ سکھ سہیلا۔ ۲۵ شعروں کا ایک ترکیب بند ہے جس میں ایک خاص مصرع ہر تین بند کے بعد دہرایا جاتا ہے، اس میں مریدوں کو خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی گئی ہے۔

۳۔ منفعت الایمان۔ ۱۲۰ اشعار کی ایک مثنوی ہے اس میں دہریوں کے اعتقادات بیان کئے گئے ہیں اور مریدوں کو اُن سے پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اسلوب بیان کے لحاظ سے یہ شاہ برہان الدین کا بہترین کارنامہ ہے۔

۴۔ نکتۂ واحد۔ خدا کی توحید پر لکھی گئی ہے۔ اس قسم کی دو نظمیں ہیں ایک ۵۰ اور دوسری اُنتیس[۲۹] شعر کی۔

۵۔ نسیم الکلام۔ ۵۴ شعر کی ایک نظم ہے جس میں قرآنی آیات اور احادیث پر شرح لکھی گئی ہے۔

۶۔ رمز الواصلین } ان دونوں میں تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں
۷۔ بشارت الذکر }

۸۔ حجت البقا۔ ۵۰۸ شعر خدا کی بزرگی اور اسکی وحدانیت اسکا موضوع ہے ایک ولی اور اسکے معتقد کے مکالمہ کے پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔

۹۔ بیان خلاصہ۔ اس نظم کے متعلق انجمن ترقی اُردو کے سکریٹری کو بھی کچھ حال ابھی تک معلوم نہیں ہوا، نسخے محفوظ ہیں اور جو نئی

ملاحظہ ہو نوٹ صفحہ ۴۱۔ سخاوت این بادشاہ را بنویسد دفاتر دگر باید کہ آنچہ با درویشان و علما و فضلا کمال مرحمت داشت و اکثر اوقات با این طبقہ صحبت می داشت۔" (ورق ۱۴۳ الف)

"در کتب میل تمام داشتند۔ از این جلو چہار صد صندوق کتاب در سفر ہا ہمراہ میداشتند کہ آنچندین ہزار جلد کتاب برچیدہ بودند۔" (ورق ۱۴۹ ب)

اُن پر ایک مضمون بھی لکھا ہے یہ شبہ ہے کہ آیا یہ شاہ برہان الدین ہی کی نظم ہے یا اُن کے پیر کی، بہرحال اتنا تو ضرور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسی دور کی تصنیف ہے۔

۱۰۔ ارشاد نامہ۔ شاہ برہان کی اب تک جتنی نظمیں حاصل ہوئی ہیں اُن میں سب سے طویل اور مکمل نظم یہی ہے، اس میں دو ہزار پانسو [۲۵۰۰] شعر ہیں۔ خدا، رسول اور شاہ میراں جی کے نام سے یہ کتاب شروع ہوتی ہے، اس کے بعد شاعر نے اپنے باپ کی طرز پر اس نظم کو اُردو میں منظوم کرنے کے وجوہات بیان کی ہیں، نظم کا زیادہ حصہ مکالمہ کی صورت میں ہے، اس میں صوفیانہ اصول اور اعتقادات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان کی تمام نظموں کا قریب قریب یہی موضوع ہے۔ ختم پر شاہ برہان الدین نے منظوم کرنے کی تاریخ سنہ ۹۹۰ھ درج کی ہے ان کی وفات کی تاریخ بھی غالباً یہی ہے۔

۱۱۔ شاہ برہان نے دوہرے اور غزلیں بھی لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک صوفی بلکہ ایک باذوق شاعر بھی تھے۔ اُنہوں نے اُردو نثر میں "کلمات الحق" کے نام سے ایک قابل قدر کتاب بھی تصنیف کی ہے اس کو زیادہ اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ دکھنی زبان کی تحقیق کرنے والوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی ہے۔

شاہ برہان الدین کے کارناموں کی چند خصوصیات

۱۔ ان کا اسلوب بیان میراں جی کی تصانیف سے زیادہ سادہ ہے۔

۲۔ انہوں نے حتی الوسع فارسی اور عربی الفاظ کو استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے۔

۳۔ باپ کی طرح ان کی نظمیں بالکل صوفیانہ خیالات اور اعتقادات سے مملو نہیں ہیں بلکہ ان کے پڑھنے سے شاہ برہان کے ذوق شعری کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۴۔ لسانیاتی نقطۂ نظر سے ان کے کارنامے محققین کے لئے کافی مواد پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اس وقت بھی ہم کو ان کے ..... اشعار محفوظ ملتے ہیں۔

اُردو ادب کا سنہری دور

آخری چار تاجداروں کے عہد میں

۱۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی

اِس بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سے بیجاپور میں اُردو پھلنے پھولنے لگی، اُس نے ۴۶ برس تک حکومت کی، اس طویل مدت کی وجہ سے حکومت کی جڑیں اِس قدر مضبوط ہوگئیں کہ ہمسایہ حکومتوں کو بیجاپور کے معاملات میں دخل دینے کی کبھی جرارت نہ ہوئی، اس بادشاہ کا آخری زمانہ بیجاپور کے لئے واقعی سنہری دور سے کچھ کم نہ تھا اور اس کے فرزند محمد کے عہد میں تو یہ تمدن معراج کمال پر پہونچ گیا تھا۔

ابراہیم نہ صرف اپنے فیاض اور علم دوست چچا، علی کا جانشین ہی تھا بلکہ بحیثیت ایک عالم، ادیب اور شاعر اور ماہر موسیقی ہونے کے اس کو کافی شہرت حاصل تھی، فارسی زبان کے علماء اور شعراء سے اس کا دربار بھرا ہوا تھا سوائے دربار اکبری کے ہندوستان میں اُس جیسا شاندار دربار کوئی اور نہ تھا چنانچہ ابوالقاسم فرشتہ، اور رفیع الدین ابراہیم شیرازی جیسی معروف ہستیاں جن کے کارنامے اس زمانہ کی مستند تواریخ میں داخل ہیں اس کے دربار کے رکن تھے، بڑے بڑے شعرا اور مصنفین جن میں ملا ظہوری ملا باقر، ملک قمی، عبدالقادر نوری شامل ہیں اس کے دربار میں موجود تھے، علماء میں رشید البستگی مولانا حیدر ذہنی، مرزا سقیم، حکیم آتشی کے نام قابل ذکر ہیں، شاہ خلیل اللہ خطاطی کے ماہر تھے۔ خود ابراہیم نے موسیقی پر نورس نامی ایک کتاب تصنیف کی ہے جس پر ظہوری جیسے بلند پایہ شاعر نے مقدمہ لکھا ہے

ابراہیم اُردو کا زبردست سرپرست تھا چنانچہ جب اپنا دارالسلطنت تبدیل کیا ہے تو اُس نے خود اُس کا، اور محلوں باغوں اور گلی کوچوں کے خاص اُردو نام رکھے۔

اُس نے اُردو زبان کی جو سب سے اعلیٰ خدمت انجام دی ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام اُردو زبان کے محسنوں کی فہرست میں سب سے اول آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے گجراتی شاعروں اور عالموں کو بیجاپور میں آبسنے کی دعوت دی۔

اُن دنوں گجرات ایک ایسا مقام تھا جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے جلتے رہتے تھے اور فی الحقیقت یہی وجہ اُردو زبان کے ارتقا کا باعث ہوئی، نیز گجرات میں مسلمان بادشاہوں کی طویل اور اطمینان کی حکومت نے مصنفین کو تالیف و تصنیف کا کافی موقع دیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں خاصی ادبی پیداوار ہوئی جس کے چند نمونے یورپ کے بعض کتب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔

لیکن اکبر کی فرستادہ مغل فوجوں کے حملوں نے گجرات میں اُردو کی اس دن دونی اور رات چوگنی ترقی میں روڑے اٹکائے اور اس پر ہی کیا منحصر ہے ان حملوں نے تو سلطنت ہی کے شیرازہ کو درہم برہم کردیا۔ جب گجرات سے امن و امان رخصت ہوگیا اور شاہی دربار کا بھی خاتمہ ہوگیا تو شاعر اور ادیب بے سروسامانی کی حالت میں ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے، ان میں سے جو اپنے وطن ہی میں ٹھیرے ہوئے تھے اُن کو مغلوں نے کئی طرح کی تکالیف پہونچائیں اور اُن بیچاروں کو "قہر درویش برجان درویش" کے بمصداق طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہونا پڑا۔ ایسے نازک موقع پر ابراہیم نے نہایت عقلمندی اور فیاضی کا کام کیا، اس نے اپنے آدمیوں کو بیش بہا تحائف اور سوغات دیکر گجرات روانہ کیا تاکہ وہاں کے علما اور شعرا کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیں، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہم گجرات کی ادبی عظمت کے پرچم کو بیجاپور پر لہراتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مشہور و معروف ہستیوں کے علاوہ اکثر عام لوگ بھی بیجاپور بھاگ آئے تھے اور ان گجراتیوں کا اسقدر اثر ہوگیا تھا کہ بعض دکنی مصنف بھی اپنی گجراتی آمیز زبان کو گجری کے نام سے موسوم کرنے لگے۔

ابراہیم پہلا بادشاہ تھا جس نے اُردو میں ایک لمبی نظم لکھی ہے اس کا نام "نورس" اور موضوع موسیقی ہے نثر ظہوری، جو کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہے اور جو ہندوستانی جامعات کے نصابوں میں داخل ہے، آج

اردو کارنامہ کے دیباچہ کے طور پر لکھی گئی ہے اور اس میں اس کے ابواب پر نہایت وضاحت کے ساتھ
بحث کی گئی ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ اس زمانہ میں بہت سے اُردو مصنفین موجود تھے لیکن بدقسمتی سے اُن سے
متعلق بہت کم مواد موجود ہے، بہرحال راقم نے چار شاعروں کا پتہ چلایا ہے جنہوں نے ابراہیم کے زمانہ
میں عروج پایا۔ قبل اس کے کہ ان شاعروں کا ذکر کیا جائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان اُردو تاریخی مصرعوں
کے سنین درج کر دئے ہیں جو اس زمانہ سے متعلق ہیں اور جن کو راقم نے فارسی مخطوطات سے حاصل کیا ہے،
ایسے صرف دس مصرعے ہیں جن میں ذیل حاصل ہوتے ہیں۔
۹۰۸ھ، ۹۱۰ھ، ۹۹۲ھ، ۹۹۴ھ، ۹۹۹ھ، ۱۰۰۱ھ، ۱۰۲۰ھ، ۱۰۳۴ھ اور ۱۰۳۶ھ (اس سن کے چار
تاریخی قطعے ہیں)۔

آتشی

حکیم سید آتشی ایک بہت بڑا فارسی شاعر، عالم اور طبیب تھا، اور کہا جاتا
مذکور ہے یہ اُردو میں بھی نظمیں لکھا کرتا تھا۔ اور گلدستہ بیجاپور میں صاف طور پر
راقم نے اس کی زندگی کے حالات کا پتہ دو مستند ذریعوں سے چلایا ہے، ایک تو "فتوحات
عادل شاہی" ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ آتشی جوان تھا اور دوسری ایک تاریخ ہے جس کا ذکر
"احوال" کے مصنف نے کیا ہے یہ اسوقت لکھی گئی تھی جبکہ آتشی بوڑھا ہو گیا تھا۔
پہلی کتاب سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آتشی کا تعلق شیراز کے ایک معزز سید خاندان
سے تھا، آتشی اس کا خاندانی نام تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آتشی کے اجداد میں سے کوئی یہ ثابت
کرنے کے لئے کہ وہ سچا سید ہے آگ میں کود گیا تھا اور بغیر کسی ضرر کے باہر نکل آیا اس وقت سے اس
خاندان کا نام آتشی پڑ گیا، جس وقت یہ کتاب لکھی گئی ہے (اس وقت) اگرچہ آتشی بہت ہی
نوجوان تھا تاہم اس کی اعلیٰ قابلیت اور اخلاق نے اسے لوگوں میں بہت مشہور کر رکھا تھا۔ فتوحات کا
مصنف جو اس وقت بہت بوڑھا آدمی تھا نوجوان آتشی کی قابلیت سے بے حد مرعوب معلوم ہوتا ہے
اس نے خود آتشی کے بے حد شعر پڑھے ہیں اُس کی رائے ہے کہ آتشی نے شاعری کے تمام اقسام مثلاً

غزل قصیدہ مثنوی رباعی وغیرہ پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن باوجود اس قدر بلند پایہ شاعر ہونے کے اس کے مزاج میں تکبر اور غرور نام کو موجود نہ تھا۔

اس کی شاعری کی خصوصیات اور شخصی کردار کی تعریف کرنے کے بعد مورخ نے اس کی طبی قابلیت کا ذکر کیا ہے آتشی شاہی طبیب تھا اور شاہی محل میں اس کی بے حد آؤ بھگت ہوتی تھی ایک دفعہ وزیر اعظم سخت بیمار ہوگیا تھا تمام حکیموں نے آس چھوڑ دی اس وقت بادشاہ نے آتشی کو اس کے علاج کا حکم دیا وہ اس کے علاج سے دو تین ہفتہ کے اندر اچھا ہوگیا اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام کے علاوہ اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا۔ وزیر اعظم نے بھی دو بڑے ہاتھی، کئی عربی النسل گھوڑے، قیمتی پوشاک اور جواہرات عطا کیے آتشی نے اس وقت اپنی کتاب "عادل نامہ" ختم کی تھی یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں شاہان بیجاپور کی لڑائیوں کا ذکر ہے۔

دوسری کتاب میں آتشی کے متعلق اور کچھ مواد نہیں ملتا البتہ اس میں اتنا ضرور لکھا ہوا ہے کہ فارسی شاعری کے علاوہ اردو میں بھی لکھتا تھا اس کتاب میں اگرچہ اس کی زندگی کے کچھ ایسے زیادہ واقعات بیان نہیں کیے گئے ہیں تاہم آتشی کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔ اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اردو کارناموں کی ان دنوں کافی شہرت تھی مگر بدقسمتی سے اس وقت کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

مقیمی

آتشی کی طرح مرزا محمد مقیم بھی بہت بڑا فارسی شاعر تھا استرآباد (ایران) کے ایک سید خاندان کا رکن تھا بچپن ہی میں اس کا باپ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے اسے اپنے ساتھ عربستان لے گیا تھا زیارت کرنے کے بعد وہ شیراز پہونچے جو اس وقت فارسی علم و ادب کا مرکز بنا ہوا تھا، بدقسمتی سے یہاں اسکے باپ کا انتقال ہوگیا اور مقیم کو کسی سرپرست کی ضرورت لاحق ہوئی اس نے فوراً ہندوستان کا رُخ کیا اور یہاں پہنچکر بیجاپور کے فیاض دربار میں پرورش پائی جس وقت فرزونی نے اپنی تاریخ ختم کی ہے یہ تقریباً نوجوان تھا لیکن اس پر بھی اس تاریخ میں اس کا ذکر ہے اور اس میں مقیمی کو عالم تو نہیں البتہ اچھا شاعر ضرور بتلایا گیا ہے۔

احوال میں بھی مقیمی کی شاعری کی بہت کچھ توصیف کی گئی ہے' اس کی ترتیب کے وقت یہ بلند پایہ شاعروں میں شمار کیا جاتا تھا اس کے فارسی دیوان نے ادبی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور وہ اُردو میں بھی نظمیں لکھتا تھا[1]۔

ہمعصر مورخین نے مقیمی کے اُردو کارناموں کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا لیکن اس کے ہمعصر بیجاپور کے شاعر امین نے اس کی ایک مثنوی کا ذکر اپنی کتاب "بہرام و بانوحسن" میں کیا ہے جس کی تکمیل ایک دوسرے شاعر دولت کے ہاتھوں ۱۰۵۰ھ میں ہوئی' امین کہتا ہے کہ جب امین نے مقیمی کی نظمیں پڑھیں تو مجھے بھی اُردو میں نظم لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا[2]۔ لیکن اس نے مقیمی کی مثنوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ البتہ اسپرنگر کے کیٹلاگ میں دو دکنی مثنویوں کا پتہ چلتا ہے جو ایک قدیم شاعر مقیمی نے نظم کئے ہیں' ایک "چندر بدن و ماہیار" ہے جس میں تقریباً ۵۰۰ شعر ہیں اور دوسری سوہار کی کہانی ہے جس میں ۲۰۰ شعر ہیں۔

پہلی مثنوی کو انڈیا آفس لائبریری میں بھی محفوظ ہے لیکن کیٹلاگ میں غلطی سے اس کو کسی شاعر عزیز سے متعلق کیا گیا ہے' شاید یہ غلطی ورق ۱۰۶ ب پر لکھے ہوئے ایک شعر سے ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے "اب اے میرے دوست' اس قصہ کا مقصد بیان کر" نہ یہ کہ "شاعر عزیز اس قصہ کے لکھنے کا مقصد بیان کرتا ہے" مصنف کا حقیقی تخلص اوراق ۱۰۵ الف ۱۰۶ الف اور ۱۰۸ الف پر تحریر ہے۔

مثنوی میں ایک جگہ مصنف غواصی کی کتاب "سیف الملوک و بدیع الجمال" کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ گویا اس نے اسے دیکھا ہے۔ اس سے یہاں ایک یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا مقیمی گولکنڈہ کا شاعر تو نہیں تھا اس شبہ کو دور کرنے کیلئے راقم نے اُس زمانہ کی گولکنڈہ کی تاریخوں کا مطالعہ کیا لیکن کافی تحقیق کرنے کے بعد بھی اس نام کا کوئی شاعر نہ ملا۔ عبداللہ قطب شاہ کی سرکاری سوانحعمری مولفہ نظام الدین احمد کے مطالعہ سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک درباری ملا محمد مقیم کا ذکر ہے جس پر اکثر پادشاہ کی عنایت و نوازش رہا کرتی تھی' اس کو مغلوں کے پاس اور بالخصوص اورنگ زیب کے پاس بحیثیت ایک سفیر کے روانہ کیا گیا تھا لیکن کہیں بھی اس کو شاعر نہیں بتلایا گیا ہے بنابریں ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ مقیمی جس نے "چندر بدن و ماہیار" لکھی ہے' بیجاپور کا شاعر تھا اور بلاشبہ وہ اردو نظمیں لکھا کرتا تھا

---

[1] دیکھو برٹش میوزیم مخطوطہ اڈیشنل نمبر ۲۶۲۰۰ ورق ۳۰ ب تا ۳۱ ۔

[2] دیکھو بہرام و بانوحسن برٹش میوزیم مخطوطہ اڈیشنل نمبر ۲۶۵۱۲ ورق ۲ ب ۔

یہ بہت ممکن ہے کہ غواصی کی مثنوی اسقدر مشہور ہو گئی تھی کہ اس کو بیجاپور کے شاعر بھی پڑھا کرتے تھے اور نصرتی کی طرح مقیمی نے بھی اپنی کتاب میں اسکا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

انڈیا آفس کے مخطوطے میں اس کے منظوم کرنے کی تاریخ درج نہیں ہے لیکن بہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ چندر بدن ۱۰۳۵ھ جبکہ سیف الملوک و بدیع الجمال لکھی گئی اور جس کا اسمیں ذکر بھی ہے اور ۱۰۴۸ھ جب کہ دولت نے بہرام و بانو حسن کی تکمیل کی اور جس میں اس کا بھی ذکر کیا ہے اکے درمیان نظم کی گئی ہے۔

یہ مثنوی دکن کے چند دلچسپ پیداواروں سے ہے۔ مصنف اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے یہ کہانی کہیں سے چرا کر نہیں لکھی، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی آپ تعریف کرنا بھی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ "ایسا کرنا ادنیٰ آدمیوں کا شیوہ ہے" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بحیثیت فارسی زبان کے ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے وہ اپنے اردو کارنامہ پر فخر کرنا نامناسب سمجھتا ہو۔

مقیمی کا اسلوب بیان زیادہ دلچسپ اور شاندار نہیں ہے۔ مخطوطے میں خطاطی کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ قصہ بالکل فطرتی اور روز مرہ زندگی کے واقعات سے متعلق ہے "قطب مشتری" سے کہیں زیادہ اس میں اپج سے کام لیا گیا ہے لیکن موخرالذکر فن شاعری کے لحاظ سے بہت اہم اور برتر ہے چندر بدن کا پلاٹ میر کی مثنوی "شعلۂ عشق" سے بہت ملتا جلتا ہے۔

امین

(قبل ۱۰۴۸ھ)

دکن کے ایک سے زیادہ شاعروں کا تخلص امین ہے جس کی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اب تک کسی مصنف نے ان گتھیوں کو سلجھانے کی کوئی سبیل نہیں نکالی، راقم نے ان مشکلات کو دور کرنے کی امکانی کوشش کی ہے پھر بھی بہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اٹل ہے۔

راقم کے خیال میں چار مختلف شاعروں کا تخلص امین ہے اور شاید پہلے دو کا تعلق بیجاپور سے اور باقی دو کا گولکنڈہ سے ہے۔

۱۔ امین۔ ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کا دکنی ۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ مصنف بہرام و بانو حسن۔

۲۔ شاہ امین، عام طور پر شاہ امین الدین اعلیٰ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں) علی عادل شاہ کے زمانہ کے (یعنی

۱۰۶۷-۱۰۸۳ھ متعدد مذہبی اردو کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ امین عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ کا (۱۰۳۵-۱۰۸۳ھ) مصنف قصہ ابوشحمہ

۲۔ شیخ محمد امین جس نے مغلوں کی فتح دکن کے بعد عروج پایا مصنف "یوسف زلیخا"

آخری تین شاعروں کا ہم مناسب موقعوں پر ذکر کریں گے لیکن یہاں صرف پہلے امین سے بحث کیجاتی ہے برٹش میوزیم کے کیٹلاگ[1] میں امین کی مثنوی بہرام و بانوے حسن کا ذکر ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اس کا مصنف دولت نامی شاعر تھا لیکن راقم نے اس کے دیباچہ اور خاتمہ سے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ اس کا مصنف دولت نہیں بلکہ امین ہے[2]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امین نے اس کام کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل دولت کے ہاتھوں ہوئی جس کا ذکر ہم آگے چل کر محمد عادل شاہ کے دور میں کریں گے اس نے خاتمہ پر امین کا ذکر کیا۔

امین کے بیجاپوری شاعر ہونے کا ثبوت ذیل کے واقعات سے ملتا ہے:

۱۔ دیباچہ میں اس نے بیجاپور کے کسی زمانہ یعنی مرزا مقیم کی مثنوی کا ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے

۲۔ دولت جس نے اس کی کتاب کی تکمیل کی بیجاپوری شاعر تھا گولکنڈہ میں اس نام کا کوئی شاعر نہ تھا مزید براں یہ کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا کہ گولکنڈہ کا ایک شاعر اس کو ختم کرے جس کی بنا بیجاپور کے شاعر نے ڈالی ہو

امین کی مثنوی سے اس کی زندگی کے حالات پر کچھ ایسی زیادہ روشنی نہیں پڑتی صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب اسلام کے حنفی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور ایک صوفی بزرگ شاہ عالم کا مرید تھا اس نے اپنے متعلق جو حالات لکھے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا دار آدمی نہیں تھا مگر شاعری کا اچھا ذوق رکھتا تھا اس نے اس مثنوی کے لکھنے میں اسی موضوع پر لکھی ہوئی ایک فارسی مثنوی کی تقلید کی ہے۔

برٹش میوزیم میں فارسی مثنوی کا ایک نسخہ ہے اس کا مصنف بھی امین ہے غالباً اردو شاعر امین نے بھی اسی مثنوی کو دیکھا ہوگا راقم نے فارسی مثنوی کا امین کی اس اردو مثنوی سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں تقریباً ترجمہ ہے۔

---

[1] دیکھو فہرست ہندوستانی مخطوطات صفحہ ۲۰ مخطوطہ نمبر ۳

[2] دیکھو اس موضوع پر راقم کا تفصیلی مقالہ مطبوعہ مجلہ مکتبہ بابت ماہ نومبر ۱۹۲۸ء صفحات ۲۷-۴۵

ایہ حقیقی معنوں میں شاعر تھا اس کے اسلوب بیان میں روانی اور سادگی پائی جاتی ہے۔

نوری

(تقریباً ۱۰۰۸ھ)

بعض مصنفین اس شاعر کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں بالعموم اس کو اس کے بعد کے نوری سے ملا دیا گیا ہے اس کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

یہ نوری فارسی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ شہنشاہ اکبر کے دربار کے ملک الشعرا فیضی کا دوست تھا۔ قائم کہتا ہے کہ نوری شمالی ہند کے ایک شہر اعظم پور کے قاضی کا لڑکا تھا اور اس کی چند غزلیں جو قدیم طرز شاعری (اس کا مطلب یہ ہے کہ دکھنی شاعری) میں بھی لکھی گئی ہیں اس زمانہ میں بے حد مقبول تھیں[۵]

بعض مصنفین کا خیال ہے کہ یہ نوری ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں بیجا پور کو آیا اور چند اردو مرثیہ لکھ کر دکھن میں اردو مرثیہ گوئی کی ابتدا ڈالی[۶] لیکن راقم کے پاس اس کو ماننے کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

۵۔ مخزن نکات مخطوطہ انڈیا آفس صفحات ۱۴۷-۵

۶۔ دیکھو (۱) دکن میں اردو مولفہ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۱۴ (۲) داستان اردو مصنفہ لسان الملک صفحہ

محمد عادل شاہ

(سنہ ۱۰۳۷ تا سنہ ۱۰۶۷ھ)

محمد کا عہد حکومت ہر لحاظ سے بیجاپور کا سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے، اس نے نہایت شاندار اور پُر امن زندگی بسر کی، اُس کے زمانہ میں آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور ہندو مسلم اتحاد اپنے معراج پر تھا، ہر مضمون اور ہر زبان کی تعلیم کے لیے مدارس کھولے گئے اور ہر فن کا ایک علیحدہ استاد مقرر کیا گیا تھا۔ طالب علموں کو ہر قسم کی مدد دیجاتی تھی، بادشاہ روزآنہ صبح تین گھنٹے علما اور شعرا سے ملا کرتا تھا، ہر سال محرم کے مہینہ میں، طالب علموں، عالموں اور مذہبی پیشواؤں کو نہایت فیاضی کے ساتھ تحفہ تحائف تقسیم کئے جاتے تھے۔

اِس میں شک نہیں کہ ابراہیم کے زمانہ کے علما و فضلا، اس کے دربار میں بھی موجود تھے لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا ادبی دائرہ مقابلتہً بہت وسیع تھا اِس لئے کہ اس کے دربار میں علما میں سے شاہ نور اللہ ملا محمد حسن اور ملا حبیب اللہ، فارسی اور اُردو شعرا میں سے ابراہیم صنعتی، مرزا دولت شاہ کمال خاں رستمی اور ملک خوشنود جیسی مشہور و معروف ہستیاں موجود تھیں، ان کے علاوہ ظہوری کا لڑکا ظہور بھی اس کے دربار کا رکن تھا جس نے "محمود نامہ" کے نام سے اس دور کی ایک عمدہ تاریخ لکھی ہے۔

پانچ اُردو تاریخی قطعے جن پر سنین ۱۰۳۷-۴۴، ۴۶، ۵۸، ۶۲ اور ۶۵ درج ہیں۔ کے علاوہ اس عہد کی اردو کتابیں بھی اس وقت مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ لیکن اُن کا بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطان کا ذکر کیا جائے۔

خدیجہ سلطان

بیجاپور میں ادب اُردو کا سنہری دور اس جلیل القدر ملکہ کا ممنون احسان ہے جس نے عرصہ دراز تک سلطنت عادل شاہی کی ادبی اور سیاسی کارروائیوں میں زبردست حصہ لیا ہے، اس کا پورا نام خدیجہ سلطان شہربانو تھا اور اس کو اکثر بڑے صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا، محمد قطب شاہ کی دختر اور عبد اللہ قطب شاہ کی بہن ہونے کی وجہ سے اس کا بچپن گولکنڈہ کی ادبی فضا میں گذرا اور اس کی پرورش ایسی ماحول میں ہوئی جو ابراہیم قطب شاہ کی آبیاریوں کی وجہ سے ادب اُردو کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔

محمد عادل شاہ سے شادی ہونے کے بعد وہ بیجاپور آئی تو یہاں بھی اسے وہی ادبی ماحول نظر آیا کیونکہ اسکے خسر ابراہیم عادل شاہ نے بیجاپور کی ادبی فضا کو عروج پر پہنچا دیا تھا خدیجہ سلطان نے یہاں آکر بہت جلد سیاسی اہمیت بھی پیدا کرلی اور خاص طور پر عالموں اور ادیبوں کی سرپرست ثابت ہوئی۔

اگرچہ اس کی ادبی کارگزاریوں کی کوئی فہرست اسوقت ہمارے پاس موجود نہیں ہے تاہم اس بات کا کافی ثبوت بہم پہونچتا ہے کہ اس نے اپنے زمانہ کی ادبی شخصیتوں کی زبردست سرپرستی کی ہے خود اس کے دربار میں کئی شاعر موجود تھے ملک خوشنود اس کا پسندیدہ شاعر اور ملازم تھا، آخر عمر میں جب کہ اس کا بیٹا علی عادل شاہ تخت نشین تھا وہ حج اور زیارت کے لئے عرب کے مقامات مقدسہ کو روانہ ہوئی، اس اہم واقعہ پر بیجاپوری شاعروں نے کئی نظمیں اور بیشمار تاریخی قطعے لکھے ہیں جن میں سے بعض ابتک محفوظ ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کو کسقدر چاہتے اور کتنی عزت کرتے تھے۔

خاورنامہ سے اس کی ادبی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ یہ خود اسی کے ایما سے لکھا گیا تھا۔ اس اردو مثنوی کے فارسی خاتمہ سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ خدیجہ سلطان نے کسی خاص شاعر کو اس فارسی کتاب کے ترجمہ کرنے کے لئے نہیں کہا تھا بلکہ اس بات کا اعلان کردیا تھا کہ جو کوئی بھی اس کتاب کا ترجمہ کریگا اس کو بیش بہا انعام دیئے جائینگے اور وہ اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تصور کیا جائیگا۔

صنعتی

ابراہیم صنعتی بیجاپور کے اچھے شاعروں میں تھا یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی اس کی تصنیف "قصہ حضرت تمیم انصاری" کے دیباچہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں اس کی نشو و نما ہوئی۔ سلطان محمد عادل شاہ کا عہد حکومت بھی اُس نے دیکھا اسی آخری بادشاہ کے دربار کے اچھے شاعروں میں اس کا شمار ہوتا ہے جس کا ثبوت اس کی ان شاعرانہ قوتوں سے ملتا ہے جو قصہ "حضرت تمیم" میں ظاہر ہوئی ہیں۔

مصنف "بساتین السلاطین" نے محمد عادل شاہ کے دربار کے علما میں ایک شخص مولانا ابراہیم صبحی کا ذکر کیا ہے جس کا اثر نہ صرف دربار کے شعرا بلکہ خود سلطان محمد عادل شاہ پر بھی بے حد تھا چنانچہ اسکا نام "بساتین" میں سر فہرست علما میں لکھا گیا ہے۔ بساتین کا مصنف نہایت عزت کے ساتھ اس کے علمی سحر اور اعلیٰ قابلیتوں کا ذکر کرتا ہے غالباً یہ صنعتی ہی ہے جو کاتب کی غلطی سے بگڑ کر صبحی ہو گیا ہے۔

صنعتی کا کلام بلند پایہ ہے۔ لطیف اور برجستہ تشبیہوں اور مصورانہ بیانات کے لحاظ سے قدیم شعراء میں سے کسی کا کلام سوائے وجہی کے اس رتبہ کو نہیں پہنچا۔ اس کے مخطوطے کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ اور نواب عنایت جنگ بہادر کے یہاں محفوظ ہیں۔

کمال خاں رستمی

(۱۰۵۹ھ)

رستمی کو اکثر رسمی کہا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے اس کا اصل تخلص رستمی ہے رستمی اسماعیل خطاط خان کا بیٹا تھا جو بیجا پور کے دربار میں ملازم تھا اس کے آباؤ اجداد چھ پشت سے بہ حیثیت خوشنویس کے یہاں ملازم تھے اسی لئے ان کو خطاط خاں کا خطاب دیا گیا تھا۔

رستمی نے بہت سے اردو قصیدے اور غزلیں لکھی ہیں مگر افسوس کہ اس وقت ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا البتہ مثنوی "خاورنامہ" کے اختتام پر اس کا ذکر ہے یہ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک اچھا شاعر بلکہ ایک نثر نگار تھا اور فن شاعری کے لحاظ سے اس کے فارسی اور دکھنی قصیدے اور غزلیں بہت جامع تھیں۔

خاورنامہ ابن حسام کی ایک فارسی نظم کا لفظی ترجمہ ہے یہ ایک رزمیہ نظم ہے جس میں حضرت علی اور آپ کے ہم عصروں کے درمیان جو لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے ان کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ نظم ۱۰۴۹ھ میں بڑے صاحب خدیجہ سلطان کے ایما سے لکھی گئی اور ڈیڑھ سال کے اندر پوری ہوئی اس میں چوبیس [۲۴۰۰۰] ہزار شعر ہیں اور شاید یہ دکھنی زبان کی سب سے بڑی نظم ہے۔

یہ کتاب فردوسی کے شاہنامہ یا مولانا روم کی مثنوی کی طرز پر اعلیٰ پیمانہ پر اور بڑی تقطیع پر لکھی گئی ہے اس میں تقریباً ہر صفحہ پر رنگین تصاویر ہیں اور بعض جگہ تو پورے صفحہ پر تصاویر اتری ہوئی ہیں اکثر تصویروں پر اشخاص کے نام درج ہیں اس مخطوطہ میں کہیں نہ تو کاتب ہی کا نام ہے اور نہ تو تاریخ کا حوالہ اس کی تقطیع

کاغذ خط املی اور تصاویر کے دیکھنے سے اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ بیجاپور کے شاہی کتب خانہ کے لئے لکھی گئی تھی مگر اس طرح کے اعلیٰ اور عمدہ مخطوط کو دیکھکر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس میں عمدہ عمدہ تصاویر ہوں گی لیکن افسوس ہے کہ جب ہم اس کا گولکنڈہ کے مخطوطوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ چیز بالکل بھونڈی معلوم ہوتی ہے۔ ۱
یہ نظم خدا کی حمد اور اس کی مخلوق کی تعریف سے شروع ہوتی ہے جس میں شاعر نے آسمان اور ستاروں کا ذکر علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت کیا ہے دیگر عنوانات "انسان کی خصوصیات" "اس کی افضلیت" اور "مناجات" سے متعلق ہیں، موخر الذکر کسیقدر نامکمل نظر آتا ہے" مدینہ کی تعریف" پر بھی ایک علیحدہ عنوان قرار دیا گیا ہے، یہ نعت کا آخری حصہ ہے جس کے چند صفحات غالباً غائب ہیں۔

"رات" پر بھی رستمی نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے جو بہت اہم ہے، اس میں فردوسی کی تعریف کی گئی ہے اور شاعر یہ تصور کرتا ہے کہ وہ جنت میں ہے، فردوسی کی تصویر بھی دی گئی ہے اس طرح ہے کہ ایک نوجوان آدمی، مختصر مونچھ اور ڈاڑھی کے ساتھ جنت میں دست بدعا ہے۔ اختتام پر رستمی نے اس نظم کی وجہ تصنیف بھی بتلائی ہے۔ دیگر دکھنی شاعروں کی طرح رستمی نے بھی شاعری اور بلند پایہ شاعروں کی ابدالآباد شہرت سے متعلق اپنے اعتقادات کا اظہار کیا ہے، اگرچہ اس نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں تاہم اس کے خیال میں کوئی بڑا اور مستقل کارنامہ دنیا کے آگے پیش نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جب کبھی وہ کچھ لکھنا چاہتا ہے خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کے پیشروؤں نے سب چیزوں کو بیان کر دیا ہے اور کوئی چیز ان سے نہیں چھوٹی اسی وجہ سے وہ کسی اچھی چیز کے ترجمہ کرنے ہی کو بہت مناسب سمجھتا ہے، چنانچہ جب خدیجہ بانو نے خاورنامہ کے ترجمہ کے لئے اعلان کیا تو اس کے خیالات اور بھی مستقل ہوگئے، اور خاورنامہ کا ترجمہ عمل میں آیا۔

ایک عجیب غریب بات یہ ہے کہ اس مثنوی میں بادشاہ کی تعریف نہیں کی گئی ہے حالانکہ یہ چیز دکھنی مثنویوں کی خصوصیات سے ہے۔ اختتام پر جب شاعر اپنی اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ چیز اس کے روزی پیدا کرنے کا باعث ہوگی تو اسوقت بھی وہ مبالغہ اور بڑائی سے کام نہیں لیتا اور صرف اتنا لکھتا ہے کہ یہ ایک شاہنامہ ہے اور اُمید ہے کہ بادشاہ کو پسند آئیگا۔

اس مثنوی کی خوبی یہ ہے کہ زبان اور اسلوب بیان کے لحاظ سے یہ اُن مثنویوں سے سادہ اور سلیس ہے جو اس کے ایک زمانہ بعد لکھی گئیں۔ اتنی بڑی مثنوی کا ایسی استادانہ زبان میں لکھنا صرف اسی شخص کا حصہ ہے جس نے فن شاعری میں خوب محنت کی ہو اس کے اکثر حصے بجائے نظم کے نثر میں معلوم ہوتے ہیں اس لحاظ سے بلاشبہ یہ مثنوی بیجاپور کی تمام مثنویوں میں سب سے بڑی اور سب سے سادہ ہے

ملک خوشنود

(۱۰۳۵ - ۱۰۶۷ھ)

یہ شاعر پہلے گولکنڈہ کا ایک غلام تھا اس کی پرورش محمد قلی قطب شاہ کے محل میں ہوئی، ایک ہوشیار نوجوان ہونے کی وجہ سے اسے محمد قلی قطب شاہ کی شہزادی، خدیجہ سلطان کے ہمراہ خانگی نوکر کی حیثیت سے بیجاپور روانہ کیا گیا تھا۔ جس وقت دلہن دلہا کے شہر کو روانہ ہو رہی تھی تو اثنائے سفر میں خدیجہ سلطان، ملک خوشنود کے حسن انتظام (یعنی جہیز کی حفاظت اور دیگر احکام کی تعمیل) سے اتنی خوش ہوئی کہ بیجاپور آ کر اس کی عزت افزائی کی اور محل ہی میں ایک اعلیٰ خدمت پر ممتاز کیا۔

چونکہ ملکہ ادبیات کی سرپرست تھی خوشنود نے اس ماحول میں رہ کر بہت جلد ترقی کر لی جس کا ذکر ہم بعد میں کرینگے۔ اس کی اعلیٰ شخصی خصوصیات نے اس کی معاشرتی حیثیت کو بھی بہت بلند کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اندر وہ درباریوں میں شمار کیا جانے لگا اور یہاں تک کہ ۱۰۴۹ھ میں تو اس کو سفارت کا بھی اہل سمجھا گیا۔

گولکنڈہ کی مستند تاریخ حدیقۃ السلاطین میں خوشنود کے ان اعلیٰ خدمات کا ذکر ہے جو اُس نے بحیثیت سفیر کے انجام دی تھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُنکا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱۰۴۵ھ میں محمد عادل شاہ، شاہ بیجاپور نے اپنے وزیر اعظم خواص خاں کی خودسری سے تنگ آ کر اپنے سالے عبداللہ قطب شاہ گولکنڈہ سے امداد کی درخواست کرنی چاہی، اس مقصد کے لئے اس نے اپنے درباری شاعر ملک خوشنود کو تحفے تحائف دیکر گولکنڈہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر سارا ماجرا بیان کرے ملک خوشنود

کے استقبال کے لیے قطب شاہی دارالخلافہ میں اس قدر انتظامات کیے گئے کہ شاید ہی کسی سفیر کی اتنی آؤبھگت کی گئی ہو اور دارالخلافہ میں داخل ہونے سے قبل محل شاہی کے عہدہ دار اس کے استقبال کے لیے شہر کے باہر تک آے اور بہت ہی اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو شاہی دربار میں لے گئے۔

ملک خوشنود نے شاہ عبداللہ کی تعریف میں غالباً ایک قصیدہ پڑھا اور بادشاہ نے اس کو ایک خلعت انعام دیا اور ایک معزول منہدو کی عظیم الشان عمارت میں اس کے بود و باش کا انتظام کیا اور ہر باریابی کے موقع پر اس کو بیش بہا تحایف دیے گئے با لآخر جب اس نے بیجا پور جانے کا ارادہ کیا تو گولکنڈہ کے درباری شاعر غواصی کو اس کے ہمراہ بیجا پور تک جانے کا حکم ہوا[1]۔

یہ واقعات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ ملک خوشنود ایک غلام کے درجہ سے کس قدر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا اور شاہی دربار میں کتنی عزت پائی۔

یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس نے بادشاہوں کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہوں گے لیکن بدقسمتی سے ہمیں ان کا علم نہیں ہے اور فی الوقت اس کی صرف دو مثنویوں کا ہمیں پتہ چلا ہے (۱) یوسف زلیخا۔ (۲) ہشت بہشت اور یہ دونو غالباً خسرو کی انہی ناموں کی مثنویوں کے ترجمے ہیں۔

فی الوقت اس کی کتاب "یوسف زلیخا" کا کہیں پتہ نہیں اور نہ اس کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل ہوتی ہیں البتہ دوسری کتاب ہشت بہشت کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ خوشنود اپنے زمانہ کا بلند پایہ اور مشہور و معروف شاعر تھا اور اس کتاب کو شروع کرنے سے قبل اس نے یوسف زلیخا کی تکمیل کر دی تھی۔ اس کی نظمیں بہت ہی مقبول تھیں بادشاہ محمد عادل شاہ اس پر خاص طور سے مہربان تھا۔

یہ مثنوی محمد عادل شاہ کے ایما سے لکھی گئی ہے اس میں ایران کے بادشاہ بہرام گور اور اس کی متعدد بیویوں کا ذکر ہے موجودہ مخطوطے میں اس کے سن تصنیف کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

برٹش میوزیم کے کیٹلاگ (دیکھو صفحہ ۴۲) میں غلطی سے مصنف کا نام محمد شاہ تبلایا گیا ہے حالانکہ وہ خوشنویس تھا اصل مصنف کا نام ملک خوشنود ہے جس کا ذکر بارہا مثنوی میں آیا ہے دیکھو صفحات ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۰۰، ۱۰۸ الف، ۱۱۷، ۱۱۳، ۱۴۹، ۱۶۲، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۸ وغیرہ وغیرہ

[1] دیکھو حدیقۃ السلاطین برٹش میوزیم مخطوطہ ورق ۲۶۹، ۲۷۰۔

شاید کیٹلاگ مرتب کرنے والے کو اخیر کے دو تین شعروں کے پڑھنے سے غلطی ہو گئی ان میں مصنف نے خود خوشنویس کی محنت اور کمال کی تعریف کی ہے۔

اصل مثنوی کے کل ۳۲۲۵ شعر ہیں جس کا ذکر خود شاعر نے کتاب کے اختتام پر کیا ہے لیکن اس وقت جو مخطوطہ موجود ہے اس میں تو صرف . . . اشعر پائے جاتے ہیں۔

اگر اس مثنوی کا فارسی ہشت بہشت سے مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ خوشنود نے نہایت ایمانداری کے ساتھ بلا کم وکاست ترجمہ کیا ہے اور اس میں ایک بھی نئی بات کا اضافہ نہیں کیا۔

دیباچہ واقعی بہت اہم ہے، شاعر نے رسمی طور پر خدا کی حمد اور آنحضرت اور حضرت علی کی تعریف سے اس کتاب کو شروع کیا ہے اور پھر اس کے بعد بادشاہ کا اور خود اپنا حال بیان کیا ہے۔ اختتام میں خود خوشنود کی شاعری کے متعلق بھی تھوڑا بہت مواد موجود ہے۔

اس مثنوی کا طرز بیان . . . . . . کسی قدر نرالا اور پیچیدہ ہے جب اس کا مقابلہ دکھنی مثنویوں بہرام وگل اندام مصنفہ طبعی اور دولت اور امین کی مثنوی بہرام و بانو حسن سے کیا جاتا ہے تو یہ کسی قدر دقیق معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ اس میں اسی زمانہ کی لکھی ہوئی مثنوی "خاور نامہ" کی سی بھی سادگی نہیں پائی جاتی۔

دولت

مرزا دولت شاہ، عادل شاہی دور میں، فارسی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا اور جیسا کہ احوال میں مذکور ہے اردو زبان میں بھی نظمیں لکھا کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو نصرتی کا ہمعصر بتلایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے پہلے کا شاعر ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ دولت علی عادل شاہ کی سرپرستی کے اثر سے فارسی لکھنا چھوڑ کر نصرتی کی زیرِ نگرانی اُردو لکھنے لگا ہو۔

چونکہ اس دولت کے علاوہ بیجاپور کے شاعروں میں اس نام کے کسی دوسرے شاعر کا پتہ نہیں چلتا اس لئے یہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شاعر ہے جس نے ۱۰۴۹ھ میں زین کی بہرام و بانو حسن کی تکمیل کی ہے۔ اختتام پر دولت نے اپنے متعلق بہت کم باتیں لکھی ہیں۔ اس سے صرف اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ دولت سید دل کا بے حد شیدائی ہونے کے علاوہ بہت خلیق آدمی بھی تھا۔

احوال کے مصنف نے اس کی شاعری کی جی کھول کر تعریف کی اور اس کے خیال میں دولت ایک سنجیدہ اور بامذاق شاعر تھا۔ اس کو استادِ فن مانا جاتا تھا اور اس کے بہت سے مستفید اور شاگرد تھے۔



علی عادل شاہ ثانی

علی عادل شاہ ثانی

(۱۰۶۷-۱۰۸۳)

باپ کے عہد حکومت میں علی کی پرورش چونکہ نہایت ہی ہتم بالشان ادبی ماحول میں ہوئی اس لئے بچپن ہی سے اس کا میلان طبع ادب کی طرف تھا۔ اس کی ماں خدیجہ سلطان ایک علم دوست عورت تھی لہٰذا علی پر اس کا بہت اثر تھا حتیٰ کہ علی جب بڑا ہو گیا اور بادشاہ بن بیٹھا تب بھی اس کا وہی اثر برابر قائم رہا۔

اس کی تعلیم اردو داں علماء کی صحبت میں ہوئی اور وہ ولی عہدی کے زمانہ ہی میں ایک اچھا شاعر بن گیا اسی زمانہ سے وہ علماء اور شعراء کو اپنے پاس بلاتا اور ان کی خوب آؤ بھگت کرتا تھا اسے ادب سے اسقدر شغف تھا کہ اپنے ساتھیوں اور حتیٰ کہ ملازموں کو بھی شعر کہنے پر مجبور کرتا تھا۔ مزید برآں شعر کہنے کی اسے خود اسقدر مشق ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی نظمیں خود درست کرتا تھا اسی لئے وہ "استاد عالم" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا اس کا تخلص "شاہی" ہے۔[1]

جب وہ تخت نشین ہوا تو اس کے باپ کے دربار کے فارسی گو شاعر جن میں مرزا مقیم، شاہ نور اللہ، مرزا دولت شاہ اور حکیم آتشی شامل ہیں، اردو زبان میں شعر کہنے لگے، اس کا ثبوت اس زمانہ کی مستند تواریخ سے ملتا ہے ان تواریخ میں اس بات کا بھی حوالہ ہے کہ اس نے اردو زبان کے متعدد شاعروں کی سرپرستی کی اور نصرتی کو حکومت کی جانب سے ملک الشعراء کا خطاب عطا کیا۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ علی کے کارناموں کا کہیں پتہ نہیں چلتا حالانکہ اس کے دربار کا مورخ نور اللہ

---

[1] دیکھو سائمن۔ برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۲۶۲۶۹ ورق ۹۲ - ا۔

لکھتا ہے کہ شاہ ابو المعالی کے ذمہ اس کی تمام نظمیں جمع کرنے کا کام تھا۔ ہم نے ایڈنبرا یونیورسٹی کے بیاض مراثی میں شاہی یا شہی نامی شاعر کے دو مرثیے دیکھے ہیں جن میں ۷ شعر ہیں چونکہ علی عادل شاہ کا تخلص بھی شاہی تھا اس لئے ممکن ہے کہ یہ مرثیے اس کے نتیجہ فکر ہوں۔ اس عہد کے شعرا میں ہم کو ذوقی شاہ ملک شاہ امین، ہاشمی، مرزا اور ایاغی کے متعلق معلومات حاصل ہیں۔

نصرتی

اس کے والدین۔ ان کا مذہب اور پیشہ۔

نصرتی کے متعلق اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ یا تو برہمن تھا یا نو مسلم۔ گارساں دتاسی جس نے سب سے پہلے یہ بتلایا ہے[1] کہ وہ برہمن تھا اپنے خیال کے ثبوت میں کوئی متند حوالہ پیش نہیں کرتا قدیم فارسی تواریخ میں صرف نصرتی کی شاعری کا ذکر ہے کہیں کسی نے بھی اس کے نسب پر کچھ نہ لکھا حالانکہ یہ اس زمانہ کے مورخین کا دستور تھا۔[2]

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ ہندو یا نو مسلم ہوتا تو مسلمان مورخین مثلاً صاحب حضرت غلام مرتضیٰ اور پیرزادہ غلام محی الدین کبھی اس کی اس قدر تعریف نہ کرتے۔

جہاں تک خارجی شہادتوں کا تعلق ہے نصرتی کے اجداد کے متعلق سوائے مسلمان ہونے کے اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا علاوہ ازیں اندرونی شہادتیں بھی ان کی تائید کرتی ہیں مثلاً۔

۱۔ فارسی اور عربی ادب میں نصرتی کی اعلیٰ معلومات، مذہب اسلام کی خصوصیات کا علم اور صوفیانہ عقاید پر عبور جس کا اس کی شاعری سے پتہ چلتا ہے اور خصوصاً مثنوی کے وہ حصے جو بالکلیہ مذہبی باتوں پر لکھے ہوئے ہیں اس بات کے علانیہ ثبوت ہیں کہ وہ ہرگز نو مسلم نہیں تھا اور عادل شاہی دور میں ایک نو مسلم سے ان باتوں کی توقع کرنا بے جا ہے۔

۲۔ "گلشن عشق" میں نصرتی نے خواجہ بندہ نواز رحمۃ کی مدح کے بعد اپنے اجداد کے متعلق لکھا ہے۔

---

[1] دیکھو تاریخ ادبیات ہندوستانی جلد دوم صفحہ ۴۸۵ تا ۸۷

[2] دیکھو ۱۔ بساتین۔ برٹش میوزیم۔ مخطوطہ اڈیشنل نمبر ۲۵۴ صفحہ ۱۰۳

۲۔ احوال مولفہ غلام محی الدین برٹش میوزیم مخطوطہ اڈیشنل (۲۶۲۷۰)

۳۔ واقعات مولفہ قاضی شیخ ابو الحسن۔ مخطوطہ اڈیشنل (۲۶۲۷۰)

بحمد اللہ کرسی بہ کرسی یسری چلی آئی ہے بندگی میں تری
جو ہوں میں بھی بندہ اسیر ہوا جو آیا ہوں تجہ بندگی میں سدا

۴۔ اسی میں علی عادل شاہ کی مدح کے سلسلہ میں وہ اپنے حقیقی پیشہ کا ذکر اس طور پر کرتا ہے:

جو میں یک اصل میں سپاہی اتھا فدا در گہہ بادشاہی اتھا
منجے تربیت کر توں ظاہر کیا شعور اس ہنر کا دے شاعر کیا

"گلشن عشق" میں ایک اور جگہ اسی قسم کی ایک اہم شہادت ملتی ہے نصرتی لکھتا ہے کہ اس کا باپ ایک بہادر اور فرمانبردار سپاہی تھا اور بادشاہ کے لئے ہمیشہ سرنثار کرنے کو تیار تھا، نصرتی کو وہ اعلیٰ سوسائٹی میں لیجاتا تھا اور قابل قابل استادوں کو مقرر کر کے اُس نے اسے تعلیم بھی دلائی۔

جو تھا منج پدر یک شجاعت آب قدیم یک سلحدار جمع رکاب
اوس کام پر زندگانی سنے کمر بستہ تھا جانفشانی سنے
بجانے جنم آپ نا نیک کام اپس زندگی میں کیا خوب کام
نظر وہر کس منج تربیت میں سدا رکھیا میں منجے اپستے کر جدا
سکھ منجہ تھے جانے کون ان تس منے پھرے لے بزرگاں کے مجلس منے
سعلم جو میرے بجتے خاص تھے دھرن ہار او منج سوں اخلاص تھے
نجانے سبق کوئی میرا بار دل دہرن ہار تھے پیار رہو یار دل

اِن تمام شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ا

(ا) نصرتی کے باپ دادا سلمان سپاہی تھے۔

(ب) خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے معتقد تھے۔

(ج) اس کا باپ شاہی فوج میں سلح داری کے عہدہ پر مامور تھا۔

(د) وہ خود بھی بادشاہ کا سپاہی تھا اور شاید شہزادہ کے ہمرکاب رہا کرتا تھا اس کے بعد علی نے اپنی ولی عہدی کے زمانہ ہی میں اس کو شاعری کی تعلیم دلوائی۔

۲۔ اس کی ابتدائی زندگی۔

نصرتی ان چند قدیم شاعروں سے ہے جنہوں نے اپنی زندگی کے متعلق کچھ حالات چھوڑے ہیں گلشن عشق میں

عنوان "حسب حال خود" کے تحت اُس نے صاف طور پر یہ بتلایا ہے کہ اس کا باپ اس کی کافی دیکھ بھال کرتا تھا، اسے اپنے ساتھ رکھا کرتا اور جہاں جاتا بھی اپنے ہمراہ لیجایا کرتا اس نے اُس کی تعلیم کے لئے کئی اُستاد مقرر کیے جو اس پر خاص طور سے مہربان تھے اور اسی وجہ سے تعلیم سے اس کا جی اُکتاتا نہیں تھا، علاوہ ازیں اُس نے بچپن ہی میں کئی ایک کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسمیں شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا۔

کچھ یک جب سنبھالا میں اپنا شعور گیا کر کتاباں پہ اکثر عبور

سمجھایا ہر یک طرح کا پھول بن رکھیا دل میں تس باغبانی کے فن

دیکھیا جوں جو ہر بزم میں کر خیال حریفاں کئے ہیں سو سرمست حال

بھی سنج پہ معشوق ہو شوق تھا اپس کے نظارے میں نت ذوق تھا

اس کی شاعری سے بھی ان واقعات کی تائید ہوتی ہے جن سے فی الحقیقت یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی میں اسے کافی مہارت حاصل تھی اور اس کی مذہبی معلومات بھی نہایت پختہ تھیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نصرتی بہت دنوں تک سپاہی نہیں رہا اس لئے کہ شہزادہ علی نے اس کو اس زمانہ ہی میں تعلیم دلوائی جب کہ دونو نوجوان تھے، شہزادہ کی عمر اسوقت شاید سولہ یا سترہ برس کی تھی کیونکہ وہ انیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا نیز نصرتی بھی جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جوان تھا۔

لگی تب نکل سنج اوپر تے چلی سکی شاخ جب بار دھرتے چلی

مرا من دسیا صاف گوہر کا کھن لگے دینے سارا امولک رتن

رتن کھن تھے نکلے جو اول سنو بجادیں شہاں کے انگے راہ رو

مرا شاہ یو جگ اہے جوہری دو شہزادگی میں اتھا مشتری

نوے چاند سابعہ (جو کہ) جو بالا اتھا چڑت بدر دن دن اجالا اتھا

میری طبع کی کھن کوں قابل پچھاں نکوئی کھن ہے کہ اس مقابل پچھاں

دہر نہار اکثر اثر مہر کی رکھیا سنجہ طرف نت نظر مہر کی

جو بخشا جم اس مہر نے آب و تاب ہر اک لعل رنگیں ہوا آفتاب

رتن یو جو دیک زمن کے ہوئے سزاوار شہ انجمن کے ہوئے

جیسے ہی نصرتی شہزادہ کا رفیق اور مصاحب بن گیا اُس کی شاعری پھولنے پھلنے لگی اور وہ بہت جلد

عوام میں مشہور ہو گیا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے شہزادہ علی خود بھی ایک شاعر تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے تمام ملازم بھی اسکی تقلید کریں نہ صرف یہی بلکہ شوق اتنا زبردست تھا کہ وہ خود اُن کی نقلیں درست کرتا تھا، چنانچہ نصرتی اس کو نہ صرف بحیثیت ایک سرپرست پادشاہ کے بلکہ اپنے استاد کی حیثیت سے بھی پیش کرتا ہے، اس کا مدحیہ کلام دوسرے شاعروں کے جیسا نہیں ہے جیسی شاعر اپنے سرپرست کی مدح صرف مدح کی خاطر کرتے ہیں بلکہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ سے اسے بہت خلوص تھا اور وہ سچے دل سے پادشاہ کی عزت کرتا تھا، اس کا ہر جگہ ثبوت ملتا ہے چنانچہ۔

(ا)۔ دیکھو گلشن عشق میں مدح عادل شاہ۔

سنجے یو سخن بادشاہ یاد ہے — بچھیں پیر کے وصف اُستاد ہے
مج اُستاد، استادِ عالم اچھے — تیا علم از بر جیسے جسم اچھے
مجھے تربیت توں کیا ہے اگر — دکھایا کہوں کر آج ایسا ہنر
مرا طبع یک باغ محبوب ہے — جسے بار پھل پھول اپر دب ہے
لگایا ترا تو تجہ ایس تب سوں پال — جو ادجو ہری جگ کوں ہوئے ہے نہال
سنجے تربیت کرتوں ظاہر کیا — غرور اِس ہنر کا دے شاعر کیا
وگرنہ نہ تھا منجہ یوں کسب کمال — کتا ہوں اپنا میں سخن حسب حال

(ب)۔ دیکھو گلشن عشق کے آخری شعر۔

جنم خام تھا سو دکھن کا کلام — ہوا پختہ تجہ تربیت تے تمام
ترے شاعراں شعر نازک بنائے — کہ جس وصف نالب میں خوباں کے جائے
خصوصاً جو میں تجہ تے پایا ہوں فیض — دہیں کھول جگ میں دکھایا ہوں فیض

(ج) دیکھو اسی نظم کے دیباچہ میں عنوان منقبت کے تحت۔

خصوصاً علی شاہ عادل علی — ترا نانو کاری جو ہے ات بلی
ادمنج من کرن پرورده بہتر کیا — سو باساں سوں سب جگ معطر کیا

(د)۔ دیکھو دیباچہ میں۔

سورج باج نارنگ پکڑے رتن — چند رہن نہ خوشبو دہرے پھولین
کہ باج استاد کوئی تربیت — نہ کوئی ہو سکے قابل خشیت
بحمد اللہ یہ کیا بڑے بخت آج — نہ استاد کوئی مجہ علی شہ کے باج
کہ شہ مجہ طبیعت کی تیزی کوں پال — سکایا ہے جب تے بڑے دُہال

جب علی تخت نشین ہوا تو نصرتی کو اپنے دربار میں بلا کر اس کی بہت عزت کی اس کو درباری شاعر مقرر کیا اس کی شاعری میں بے حد دلچسپی لینے لگا اور اس کی تنخواہ اس قدر بڑھا دی کہ کبھی اسے اپنی گذر اوقات کے متعلق غور و فکر کرنا ہی نہ پڑا۔

تلک تخت شہ کوں مبارک ہوا — اپنک سایہ حق تبارک ہوا
تو تھا عین شہ کامرانی سنے — جہانبانی و شادمانی سنے
بلا بیسجے بندے کوں کس حال میں — نظر رکھ مرے بے بہا مال میں
پرکتا چلیا یوں رتن سر بسر — تھکے ایک پارکھ یو اہل اہل نظر(؟)
وہیں جگ میں بندہ رہنے بے نیاز — رکھیا اپنی خدمت سنے سرفراز

۲۔ اس کا مذہب اور کردار۔

نصرتی غالباً سنی مسلمان تھا کیونکہ

۱۔ وہ اپنی مثنویوں میں پہلے تین خلفا کی تعریف کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت علی کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔

۲۔ اپنے ہر دو کارناموں میں اس نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی تعریف کی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کا ذکر کر دیا ہے۔ وہ اور اس کا خاندان حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مرید تھا۔

۳۔ وہ صوفیانہ عقائد کا پیرو تھا اور اکثر نیز ہی اور شکل صوفیانہ اصطلاحات کا بھی استعمال کرتا ہے اور خود کو بھی ایک صوفی تصور کرتا ہے۔

ذیل کے بیانات سے مذکورہ بالا دلائل اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔

(۱) گلشن عشق کے دیباچہ میں۔

مرے من کا طوطی تو بے کام ہے — کہ آتا سو بات اسکو الہام ہے

نکلتا ہے جوں نے تے آواز جار   اچھے دم میں دو سے کے بے لغیتا

(ب). علی نامہ کے دیباچہ میں۔

مرے مکے کاڑا اس اثر کا کلام   کہ ہر حرف ہوے پریشاں کو جام
دہرن ہا ماثر حال کا قال دے   دلاں کوں جیم اس قال کے حال دے
مرے قول انگے بحث کرب کی رو   سخن کر مرا عارفاں میں سند
سیاہی کوں کر میری ظلمات نعات   قلم میں میری خضر کی دے صفات
گلستان میں ہر انجمن کے دھرا   مرے خوش سخنے کا بستاں سرا

(ج). اس کے تمام دوست مثلاً قاضی کریم اللہ، شاہ ابو المعالی اور شاہ نور اللہ جنکا ہم آگے چل کر ذکر کرینگے سنی تھے اور نصرتی اُن کے ساتھ نماز کو جایا کرتا تھا۔

نصرتی فرائض مذہبی کا سختی کے ساتھ پابند نہیں تھا چنانچہ قہر آلہی سے خوف زدہ ہو کر وہ اکثر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ گلشن عشق کے ابتدائی حصہ میں وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور خدا کا شکر بجا لاتا ہے کہ باوجود گناہگار اور مذہبی فرائض کی ادائی سے غافل ہونے کے خدا نے اس کو دنیا میں سرخرو کیا۔ صوفیانہ اعتقاد رکھنے کے باعث اس کا اخلاقی معیار بھی بہت بلند ہو گیا، اگرچہ دنیا میں اُس نے بہت شان کی زندگی بسر کی اور بحیثیت ایک شاعر کے اس کو زندگی ہی میں کافی شہرت ہو گئی تھی تاہم وہ خود کو دنیادار تصور نہیں کرتا تھا فقیرانہ زندگی کا خواہاں تھا اور آرزو تھی کہ صوفی اس کی شاعری کو پسند کریں وہ شاعری کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اسکا مطمع نظر یہ تھا کہ عوام اور ہمعصر شعراء اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی ہمت بڑھے۔

علی نامہ کی ابتدا میں۔

مجھے خوب کاماں کی توفیق دے   اچھے حق سو کر مجہ پہ تحقیق دے
مرے شعر سوں زندہ دہر ہر شعور   سمجہ سچ بچن تے تو کر جگ میں پور
خیالاں کوں مجہ باؤ کی اوج دے   طبیعت کوں دریا کی نت موج دے

گلشن عشق کی ابتدا میں۔

سخن دل میں ایجان ہارا تہیں   زبان پر لیائے بیان ہارا تہیں

عطاان گنت تیری پایا ہوں میں   تجھے مہرباں کر پچھانیا ہوں میں
معانی کے کمن کی منجے دے دوات   جو ہر بات میں کئی رتن آئیں ہات

دے ایسا سخن کے جہاں میں قلم   جو الہام کی فوج کا ہوے علم
دکھایوں جو تج فیض تے کر جال   کر اس شعر کوں عین سحر حلال
ہر اک حرف تیں کر دکھا جام جسم   معانی میں تس بھر مسیحا کا دم

جب کبھی وہ اپنی شاعری کی تعریف کرتا ہے تو صاف طور پر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس تعریف کی وجہ خود نمائی نہیں ہے بلکہ یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جو دکھنی شاعری کو ناقابل توجہ اور بیکار سمجھتے ہیں۔

(ا)۔ "علی نامہ" کو منظوم کرنے کے وجوہات بیان کرتے وقت

مری بات میں لاف نہیں بے خلاف   کہ ناداں کا ہے ہنر عین لاف
کریو شعر میں آج اس دھات سات   کھیا۔ و بڑے دبدبے کے سنگات
کیا میں تو قطع نظر لاف سوں   دے داد ہے اہل انصاف سوں
کہ کیوں میں پکڑ آج بات یک نوی   زبوں بات کوں کر دکھایا قوی
کرے بات انگے کوئی جو دکھنیا بہ بد   سند لیا کے یو شعر کرنا ہے بد
اول کے اگر لوگ برنا و پیر   کتے تھے کہ ہے شعر دکھنی حقیر
حقیقت میں ان کی طرف حق اتھا   کہ تب شعر بے مایہ مطلق اتھا
ہوا جب تے استاد عالم علی   سخن کوں سکت دے کیا مہ بلی
سزاوار تحسین ہے یو شعر آج   نکوئی رکھ سکے بات حاسد کہ بلج
پسند شعر کرنا ہے بس عاقلاں (ہی)   ایس ٹھارا اچھو حاسداں جاہلاں

(ب)۔ گلشن عشق میں علی عادل شاہ کی تعریف کرتے وقت۔

جنم خام تھا سو دکھن کا کلام   ہوا پختہ تجہ تربیت تے تمام
بڑے شاعراں شعر نازک بنائے   کہ جس وصف قالب میں خوباں کے جائے
سمجنا ہے باریک بیناں کا فن   جو اول اتھا کیا سو شعر دکھن
اتا کے جو کیں شعر سو سر سری   سونے تو کہے مرحبا انوری

دکن کا کہیں شعر اب بے عدد — لکھیں کہنہ تقویم مانند رد

بیجاپور کے شاعروں میں نصرتی ہی ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنے وطن کے ساتھ خاص دلچسپی کا اظہار کیا ہے وہ اس کی وقعت کرتا ہے، اور اس کی نظموں میں اکثر جگہ اس کی اس حب الوطنی کے ثبوت ملتے ہیں۔

۴۔ اس کی درباری زندگی اور احباب۔

اگرچہ نصرتی کی ادبی کوششیں محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی میں شروع ہو گئیں تھیں تاہم اس زمانہ میں اس کو اس قدر شہرت حاصل نہ تھی چنانچہ وہ لکھتا ہے "جب علی بادشاہ ہوا، اس نے مجھے طلب کیا اور اس قدر سرفراز کیا کہ میں دنیوی جھگڑوں سے بالکل آزاد ہو گیا۔

ملک تخت شہ کوں مبارک ہوا — اپنک سایہ حق تبارک ہوا
لگیا عین شہ کامرانی سنے — جہانبانی و شادمانی سنے
بلا بھیج بندے کوں تس حال میں — نظر رکھ مرے بے بہا مال میں
وہیں جگ میں بندہ رہیا بے نیاز — رکھیا اپنی خدمت میں کر سرفراز
فلک یوں نیکی چال کا کم نظر — سمجھ طبع کے سنجے گہر کوں گنار
نہ سمجھے گہر کوئی مرا قدر بار — رکھیا تھا اک ہت سوں جب بیں سپار

اسی ہمت افزائی نے اسے گلشن عشق کے لکھنے کی ہمت بندھائی جو ایک سال کے اندر ہی یعنی ۱۰۶۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی اس میں اس نے اظہار تشکر کیا ہے اور نہایت عاجزانہ انداز میں کہتا ہے کہ اگرچہ اس کی شاعری کچھ بھی نہ تھی تاہم مراحم شاہانہ نے اس کی قدر افزائی کی اور اس کو اس قدر عالی شان رتبہ بخشا۔

لگایا ترا توں اپس ہت سوں پال — جو او جوہری جگ کوں ہوے ہر نہال
نہ اگرچہ یک جو نہ پاتا ہوں میں — ولے ناؤں سوں تج بکاتا ہوں میں
نہ تو بہا نہ ہے کہ ہر حال میں — جو تیرے خاصہ کا ہوں مال میں

ایک اور جگہ کہتا ہے۔

تجھے تربیت توں کیسا ہے کر — دکھایا ہوں کر آج ایسا ہنر
جو تعریف سن جس کی، دھر اشتیاق — منگا دیں سمجھ تحفہ اہل عراق
ترے دور میں بے ہنر باد ہے — ہنرمند ہے سو جتے شاد ہے

جتا دل کوں تو سزاوار ہے — جو توں شاہ عارف خریدار ہے

نصرتی کتنے وصہ تک شاہی دربار میں رہا اس کا جواب قدرے مشکل ہے تاہم اتنا ضرور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کو ختم کرنے کے بعد بھی وہ آٹھ برس تک شاہی دربار میں خراج تحسین وصول کرتا رہا۔ اس کا ثبوت علی نامہ اور مختلف قصائد سے ملتا ہے جو اس زمانہ میں لکھے گئے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ دربار سے علیحدہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں، جب تک علی عادل شاہ زندہ تھا وہ برابر اس کے دربار میں رہتا لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سے پہلے ہی یعنے ۱۰۸۳ھ میں نصرتی کا انتقال ہوگیا۔

”علی نامہ“ میں اس کے منظوم کرنے کے وجوہات بہت اہمیت رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو لکھنے کے لئے کس طرح فرمائش کی گئی، کون کون اس کے دربار میں دوست تھے اور شاہی دربار میں اسے کیا رتبہ حاصل تھا۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ سرپرست اور شاعر کے درمیان نہایت دوستانہ اور بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور اس کی حیثیت مصاحب اور درباری شاعر سے کہیں زیادہ تھی بعض دفعہ تو وہ دیگر علما اور شعرا کے ساتھ رات رات بھر بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا۔

ولے اس بڑے فن کے ڈونگر اگے — کھڑا آ اتک تصد نا کر انگے
مرے پر یو فکر مشکل پڑی — طبیعت چلانے کوں او کل کھڑی
ایسا سوں اسی اڑکے حیرت میں جاؤں — کرن مشکل آسان منگیا حق کے دوں
ٹلی رات بعد از ہوا صبح دئیں — اٹھا تب تلک شہ کی درگہ میں میں
دیکھت مج رخن شاہ عالم نواز — بڑے لیکے خدمت کرن سرفراز
منے سوں نیں ہر اشارت کئے — ولے دل سوں دل کوں بشارت کئے
کیا میں کہ بندے میں یو کاں ہے حد — کہوں تب جو استاد کا ہوے مدد
دیکھیا جو میں جو مجہ دل طرف کر خیال — لگی مج طبیعت کی چڑنے ابعال
سمندر تے شہ فیض کی ہو ہو کے سیر — ہنر کا گیا مہینوں برسن ابیر
ہیلنے کے اوراق کے خوش چمن — ہوے سر بسر قابل پھولبن

لیکن ساتھ ہی اس نظم میں چند عجیب باتیں لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ کسیقدر غیر مطمئن تھا، اس کی اصل وجہ معلوم نہیں ہوتی البتہ اس بات کا امکان ہے کہ اس وقت اس کے کسی عزیز یا دو

کا انتقال ہو گیا ہو۔

گئی تھی دنے تو مرے ہات تے ‏ ‏ ‏ ‏ طبیعت زمانے کے ات گھاتے
دو باز و مرے دین و دنیا کے زور ‏ ‏ ‏ ‏ ٹٹے تھے سو تھا جیو میں مجہ عین شور
حقیقت میں میں مجہ گیا تھا بسر ‏ ‏ ‏ ‏ طبیعت تے ہرگز نہ تھی کچ خبر

ایک اور جگہ بھی ہمیں اس کی خانگی زندگی کا پتہ چلتا ہے، پانچویں قصیدہ کے اختتام پر وہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ بعض تکالیف کی وجہ سے وہ اس سے بہتر قصیدہ نہ لکھ سکا۔ لیکن اس نے ایک ہی بات بیان کی ہے جس سے اس تکلیف کی حقیقت پر کچھ روشنی پڑتی ہے یعنی یہ کہ اس کی درباری زندگی تو خیر بہت ہی شاندار تھی لیکن خانگی زندگی تکلیف دہ تھی۔

۱۔ اسکا لڑکا بے حد شریر تھا اکثر بھاگ جایا کرتا اور بالعموم اپنے باپ کی چیزوں کو بیچ دیا کرتا تھا۔

۲۔ اس کا مکان بہت ہی مختصر تھا اور آرام دہ نہ تھا بارش کے زمانہ میں سر چھپانے کو جگہ نہ تھی، اثاثہ بھی کچھ ایسا زیادہ نہ تھا، (اس نے اپنے مکان کا دلچسپ نقشہ بالکل میر کے انداز میں کھینچا ہے)۔

۳۔ اس کے ہمسائے ادنیٰ درجہ کے اور بدمعاش لوگ تھے، ہمیشہ ایکدوسرے سے لڑا کرتے اور اس کے امن میں خلل پیدا کرتے تھے۔

اے شہ رتن کا کھن ہوا جج من سو تیرا نیض ہے
کچ کب سو روتی نہوے حقا کہ بج یو شاعری
چن چن کے آن یوں قافیہ قصیدے میں کیا
یو بار نا ہلکا لگے پن طبع کی زور آوری
حقا کہ ظاہر یوں کروں سحر حلال اِس بات میں
جو مج قلم ہو اژدہا بسرا اے سحر سامری
پن کیا کروں اے شاہ میں کئی بات لے ساتا ہوں
اول تو ایسا گھر نہیں جہاں شعار ہو راحت بھری
گھر بی ہنا یک ہے ولے دایم ہیں کئی علت آسے
لڑکا مدسوں ہمسایہ بد و یسچ بھوئیں کی بد تری

مطلق اراذل قوم وو ہیں گردا یسے بے حیا
سمجھیں وو گالی کھاو کوں جیں گت اہو مسخری
جنکی زبان تے لام کاف آتا ہے شیطان سیکنے
سانچی بنے جب کریں تعلیم جنگ زرگری
سونے منگے تو گھڑیں نک ناتن میں ابری ہو چنک
ہو جوک لگتا ہر کمن کرتا ہے ہر پیو نشتری

نصرتی کی وسیع نظری اور شریف کردار نے اس کی شہرت اور عزت میں چار چاند لگا دیئے اس زمانہ کی ممتاز ترین ہستیوں میں وہ حد درجہ ہر دل عزیز تھا۔ خارجی شہادتوں کو چھوڑ دیجئے خود اس کی مثنوی گلشن عشق میں ہمیں اس کی شہرت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے منظوم کرنے کی وجہ بیان کرتے وقت وہ اپنے دوست ابن عبد الصمد کے الفاظ دہراتا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے وہ اپنے ہمعصروں میں کسقدر ہر دلعزیز تھا

دکھن میں تو ہے آج نصرت تریں — بلند شعر کے فن کا سحر آفریں
جو جس ٹھار پر گت ترا چھند ہوئے — وہاں حاسداں کی زباں بند ہوئے
غنم کا غنیماں میں تجہ فن اچھے — ترے سامنے طعنہ زن زن اچھے
دندے تری شہرت سو بورے رہیں — دیکھے انکھیاں رو کھ پھورے رہیں
رکھیگا توں جس ٹھار پر آ قدم — سکت کس ہو واں آسکے مار دم

ہمیں نہ صرف اس کی نظموں کے پڑھنے سے اور نہ کسی اور جگہ اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ دیگر ہمعصر قطب شاہی شاعروں کی طرح ادبی میدان میں کوئی اس کا مد مقابل تھا یا اس کی خوش بختی پر رشک کرتا تھا، بلکہ اس کے اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے سب دوست ادب کے سرپرست تھے شعراء کو دربار میں پیش کرا کے ان کی ہمت بڑھاتے اور ان میں شاعری کا شوق پیدا کراتے تھے۔

ہر اک شہر اعلامۂ دہر تھا — فضیلت میں استاد ہر شہر تھا
یک یک فن میں انشا کے یوں بے نظیر — کہ جیاں عقل کاتب فلک کا دبیر
یک یک شاعر اس دھات تھا با سخن — کرے فخر جن کے ہنر کا زمن
جو مجلس کے اوس شمع لامع اتھے — وہ ہر فن میں استاد جامع اتھے

جو خوش جوہراں کا ہے شہ مشتری — تو ہر یک ہنر کے اول جوہری
پچھان اس بزرگاں کوں جو ہیں شناس — لے آویں پرکھنے اول اُن کے پاس
نیوچی جو ہر تن خوش کریں گر تمیز — ملاویں لگا شہ سوں کر اس عزیز

نصرتی کے اُن دوستوں میں جنکا خود اس نے اپنی نظموں میں ذکر کیا ہے حسب ذیل قابل ذکر ہیں ۔

۱۔ قاضی سید کریم اللہ۔

شاید یہ اس زمانہ میں بیجاپور کی عدالت العالیہ کے میر مجلس اور نصرتی کے بیان کے مطابق پکے سید اور بڑے عالم تھے، انہوں نے ہی نصرتی کو بادشاہ کی اُن لڑائیوں کا قصے لکھنے کے لئے ابھارا جو مغلوں سے ہوئی تھیں۔

۲۔ شاہ نور اللہ۔

شاہ نور اللہ تاریخ عادل شاہی کے مصنف ہیں، یہ تاریخ فارسی زبان میں سرکاری طور پر لکھوائی گئی تھی جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، اُن کی اور ان کی تاریخ کی خصوصیات کے متعلق نصرتی نے بہت کچھ تعریف کی ہے۔

۳۔ شاہ ابوالمعالی۔

یہ بہت بڑے عالم اور شاعر تھے، نصرتی نے کئی ایک جگہ اُن کی تعریف کی ہے، وہ نہ صرف علی عادل شاہ کی نظموں کے مرتب اور محافظ تھے بلکہ خود بھی ایک شاعر اور نثر نگار تھے۔

۴۔ ابن عبدالصمد۔

بدقسمتی سے ان بزرگ کا حقیقی نام معلوم نہیں، نصرتی سے بے حد ملاقات تھی، شاعری سے کافی ذوق تھا اور بہت ہی سنجیدہ آدمی تھے، نصرتی کی طبیعت سے وہ خوب واقف تھے اور نصرتی بھی اکثر خانگی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

نصرتی کی تصانیف

اس کی تصانیف کے مخطوطات میں دو مثنویاں، دو قصائد اور چند قطعے موجود ہیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں اس کی غزلوں کا مجموعہ دستیاب ہوا تھا لیکن اب یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وقت محفوظ بھی ہے یا تباہ ہو گیا۔

۱۔ گلشنِ عشق۔

گلشنِ عشق نصرتی کی بہت اہم تصنیف ہے، علی کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی ۱۰۶۶ھ میں نصرتی نے اس نظم کو لکھنا شروع کر دیا اور ایک سال کے اندر وہ پوری بھی ہو گئی۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ نصرتی نے تمہید میں صرف غواصی کی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" کا ذکر کیا ہے اور خود اس کے شہر میں لکھی ہوئی مثنویوں کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا بہرحال اسے کم از کم "خاور نامہ" کا تو ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ مثنوی بہت ہی معرکتہ الآرا اور مقابلہ کی مثنوی تھی بات یہ ہے کہ وہ بہت ہی فیاض طبیعت کا انسان تھا ایک غیر ملک میں لکھی ہوئی مثنوی کی تعریف کرنے میں اس نے اس لئے دریغ نہیں کیا کہ "سیف الملوک و بدیع الجمال" کی اس وقت بیجاپور کی علمی حلقوں میں کافی شہرت تھی اور اسی وجہ سے بیجاپور کے پرستاران علم و ادب اس کی نقل کرنے پر مجبور ہو گئے ایک دفعہ جب سب دوست احباب فارسی قصوں کے ترجمہ پر بحث کر رہے تھے تو ابن عبدالصمد نے نصرتی سے درخواست کی کہ وہ شاہ منوہر کے قصہ کو دکھنی زبان میں ترجمہ کریں۔

چنانچہ مثنوی کے ابتدائی حصہ میں فارسی کی تقلید میں ایک لمبا چوڑا دیباچہ لکھا گیا ہے جس میں خدا کی حمد اور پیغمبرؐ، حضرتِ علی اور خواجہ بندہ نواز کی تعریف شامل ہے اس کے بعد بیجاپور کے بادشاہ علی کی بھی مدح کی گئی ہے۔

گلشنِ عشق کو خاص امتیاز حاصل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ملک خوشنود کی مثنوی "ہشت بہشت" کے طرز پر لکھی گئی ہے رستمی کے خاور نامہ سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو زبان کی سلامت کے لحاظ سے اول الذکر کا رتبہ بڑھ جاتا ہے لیکن اس میں انسانی جذبات کو جس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کا حصہ تھا وہ اس زمانہ کی گولکنڈہ کی پیداواروں کے مقابلہ میں تو بلاشبہ بہت ہی ممتاز ہے۔

۲۔ علی نامہ۔

یہ مثنوی ۱۰۶۶ھ سے لیکر ۱۰۷۶ھ تک کی تاریخ ہے اس میں بیجاپور کے بادشاہ علی عادل شاہ کی تمام لڑائیوں کا ذکر ہے، اس کو نہ صرف بحیثیت نصرتی کی تصنیف ہونے کے امتیاز حاصل ہے بلکہ بیجاپور کے ادبی کارناموں میں سب سے زیادہ اہم مثنوی یہی ہے، نظم کے درمیان جگہ جگہ شاعر نے قصائد اور قطعات شامل کئے ہیں جن سے بادشاہ کے دربار اور اسکی جنگی جد و جہد کا پتہ ملتا ہے۔

یہ نظم ۱۰۷۲ھ میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچی جیسا کہ انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطہ میں غلطی سے درج ہے بلکہ اصل سن ۱۰۷۶ھ ہے جس کا پتہ برٹش میوزیم کے مخطوطہ سے چلتا ہے اور شاید موجودہ مخطوطات میں سب سے زیادہ مکمل اور صحیح نسخہ یہی ہے۔

گلشن عشق کے مقابلہ میں علی نامہ کا حجم بہت زیادہ ہے لیکن اگر قصیدوں کو اس سے علیحدہ کر لیا جائے تو اسکا حجم مقابلۃً کم ہوجائیگا، مثنوی بجائے خود نہ تو طویل ہے اور نہ کوئی خاص ادبی امتیاز رکھتی ہے۔

اسکا دیباچہ بھی گلشن عشق کی طرح حمد و ثنا سے مملو ہے اور سچ تو یہ ہے دیباچہ ہی کی مدد سے ہم شاعر کے حالات کا پتہ چلا سکتے ہیں۔

علی نامہ کم و بیش ایک رزمیہ نظم ہے مگر "خاور نامہ" کی پلہ کی نہیں ہے، اسمیں شک نہیں کہ تاریخی اور ادبی تصنیف کی حیثیت سے یہ اس سے بڑھکر ہے اس کا اسلوب بیان گلشن عشق کے مقابلہ میں نہایت سادہ ہے ادب اردو میں یہ سب سے پہلی سوانح عمری ہے اور عادل شاہی خاندان کے آخری زمانہ کی اس سے زیادہ مستند اور کوئی دوسری تاریخ نہیں ہے۔

یوں تو اس کے مطالعہ سے بیجاپور میں ادب اردو کے فروغ کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں لیکن خاص طور پر بحیثیت سرپرست اردو علی عادل شاہ کی شخصیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۳۔ قصائد۔

نصرتی کے کل ۹ قصیدے محفوظ ہیں۔ یہ ۱۰۶۰ھ اور ۱۰۸۲ھ کے درمیان متفرق زمانوں میں لکھے گئے تھے ان کا کوئی علیحدہ مجموعہ نہیں ہے۔ ان میں سے سات (۷) تو علی نامہ میں نقل کئے گئے ہیں اور ۲ وہ اس کی دونوں مثنویوں یعنے علی نامہ اور گلشن عشق کے منظوم عنوانات کے جمع کرنے سے بن جاتے ہیں۔ قصائد نصرتی کی عام خصوصیتیں یہ ہیں

۱۔ اگرچہ بلاشبہ یہ قصائد فارسی کی تقلید میں لکھے گئے لیکن شاعرانہ حیثیت سے بالکل اپجی ہیں اور فارسی تکلفات سے بالکل مبرا ہیں۔

۲۔ قصائد کی زمین یعنی بحر، ردیف اور قافیہ اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے کہ ہم خیال نہیں کر سکتے کہ اردو کے اس ابتدائی زمانہ میں کس طرح اس کو برقرار رکھا گیا ہوگا۔

۳۔ اس زمانہ کے شعرا کا کلام نہایت ہی پیچیدہ ہے لیکن ان قصائد کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نصرتی کو زبان اور محاوروں پر عبور تھا اور وہ بلا تکلف لکھا کرتا تھا۔

زبان اور اسلوب بیان کی خصوصیات کے علاوہ نفس مضمون اور خیالات کی نزاکت کے لحاظ سے نصرتی شمالی ہند کے اُردو قصیدہ گو شعرا کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔

۱۔ اُن میں مدحیہ اشعار نسبتاً کم ہوتے ہیں۔

۲۔ اُن میں حقیقی اور سچے واقعات سے بحث کی گئی ہے اور مبالغہ اور تصنع سے بالکل پاک ہیں۔

۳۔ رزمیہ نظموں کی حیثیت سے اُن کو طرۂ امتیاز حاصل ہے اور اُن میں میدان جنگ کا جو حقیقی نقشہ کھینچا گیا ہے وہ سودا اور ذوق کے اُردو قصائد میں بھی پایا نہیں جاتا۔

قصائد کی تفصیلی فہرست

۱۔ پہلا قصیدہ برٹش میوزیم کے نسخہ میں ورق ۲۳ ب سے شروع ہوتا ہے جس کا عنوان "پنالہ کی فتح" ہے۔ [illegible] میں منظوم کیا گیا اور اسمیں ۱۰۰ شعر ہیں، جو مختلف مطلعوں پر منقسم ہے اور اسمیں جنگ پنالہ کا مفصل ذکر ہے۔

۲۔ دوسرے میں صرف ۵۵ اشعار ہیں، اس میں صلابت خان کے زوال کا حال درج ہے جو علی عادل شاہ کی فوج کا ایک بیوفا سپہ سالار تھا، اس کی تاریخ تصنیف [illegible] ہے۔

۳۔ "فاتح بادشاہ کی جنگ سے واپسی" کے عنوان سے ایک قصیدہ [illegible] میں لکھا گیا تھا جسمیں ۲۰ شعر ہیں۔

۴۔ موسم سرما کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا گیا ہے اس کا شمار اس کے بہترین قصیدوں میں ہے، اسمیں ۴۴ اشعار ہیں اور یہ [illegible] میں لکھا گیا۔

۵۔ بادشاہ کی واپسی کے جشن پر جو قصیدہ لکھا گیا ہے وہ حقیقت میں تیسرے قصیدہ کا ایک ٹکڑا ہے قصیدہ نمبر ۳ کی وجہ سے اس کو حصہ اول سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور اس کا موضوع بالکل جداگانہ ہے۔ یہاں اس کو ایک علیحدہ قصیدہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اسمیں ۶۵ اشعار ہیں۔

۶۔ "مجالس محرم" والا قصیدہ اگرچہ مرثیہ کے رنگ میں لکھا گیا ہے مگر اس کو بحیثیت قصیدہ کے بھی بہت اہمیت حاصل ہے اس میں کھلے لفظوں میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ بیجاپور کے باشندے اور اُن کا بادشاہ محرم کے دس دن کسقدر غم کیا کرتے تھے، اس سے تاریخی اور معاشرتی حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے

یہ قصیدہ مختلف مطلعوں پر منقسم ہے اور اسمیں ۸۴ اشعار ہیں اور شاید اس کا سن تصنیف ۱۰۶۶ھ ہے۔
۲۔ علی نامہ میں آخری اور مستقل قصیدہ "فتح ملنار" ہے۔ نصرتی کا یہ بہت اہم اور طویل قصیدہ ہے۔ یہ بھی دو مختلف مطلعوں پر منقسم ہے اور اسمیں ۲۲۰ اشعار ہیں اسکا سن تصنیف ۱۰۷۴ھ ہے۔ ان قصائد میں میدان جنگ کا حال فوجوں کی خصوصیات، بیجاپور کے افسروں اور سپہ سالاروں کے کردار اور روزمرہ زندگی کے مختلف واقعات کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ ہم نصرتی کو اردو زبان کا بہترین قصیدہ گو کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

دونوں مثنویوں کے مختلف عنوانات علیحدہ علیحدہ، اشعار کی صورت میں لکھے ہوئے ہیں اور دو مختلف زمینوں میں منظوم کئے گئے ہیں۔ اگر ان تمام عنوانات کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو دو مختلف مستقل قصیدے بن جاتے ہیں۔ اس طرح سے ہم ایک کو علی نامہ کا اور دوسرے کو گلشن عشق کا منظوم خاکہ کہہ سکتے ہیں۔ ان میں کسی نہ کسی طرح ایک مستقل مضمون تو پیدا ہو جائے گا لیکن شاعری کی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ رکھیں گے۔

نصرتی کی غزلیں

بالعموم خیال کیا جاتا ہے کہ نصرتی نے ایک اور مثنوی گلدستۂ عشق بھی لکھی۔ حالانکہ یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی خود نصرتی جب علی نامہ کے اختتام پر اپنی مثنویوں اور قصیدوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ نہ صرف رزمیہ مثنوی کا مالک ہے بلکہ ایک کامیاب بزمیہ مثنوی بھی لکھی ہے جسکا نام گلشن عشق ہے، اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا کہ اس نے ایک اور مثنوی بھی لکھی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اُس نے اسوقت تک کوئی اور مثنوی گلدستۂ عشق نہیں لکھی تھی۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد لکھی ہو ورنہ بیجاپور کے وہ مورخین جو نصرتی کے بے حد مداح ہیں ضرور ایک اور سبب نصرتی کی تعریف کے لئے نکالتے۔ بساتین میں صاف طور پر لکھا ہے کہ نصرتی نے دو مثنویاں لکھیں گلدستۂ عشق کا ذکر سب سے پہلی دفعہ اسٹیوارٹ کے کیٹلاگ میں کیا گیا ہے۔ جہاں صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ عشقیہ نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گلدستۂ عشق ایک مثنوی نہیں بلکہ غزلوں وغیرہ کا مجموعہ تھی۔

شاہ ملک

(۱۰۷۷ھ)

اِس شاعر کے حالات کے متعلق خود اس کی مثنوی شریعت نامہ میں بھی کہیں کچھ ذکر نہیں ہے' یہ ایک اچھا
ہے جو انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے' اُردوئے قدیم میں اس کو بیجاپوری شاعر بتلایا گیا ہے لیکن راقم
یان کے سوائے اور کہیں اِس کا ثبوت نہیں ملا۔

اُردوئے قدیم کے مصنف کی نظر سے اس کی کتاب "احکام صلوٰۃ" گذری ہے اور اسی لئے اس کو
شاہ ثانی کے زمانہ کا شاعر بتلایا گیا ہے' اس مصنف نے اپنی تصنیف میں احکام الصلوٰۃ کے چند آخری شعر
ہیں' یہ اشعار بالکل وہی ہیں جو شریعت نامہ کے آخر میں موجود ہیں۔

شاہ ملک نے اسلامی اصولوں کو اپنی کتاب شریعت نامہ میں بیان کیا ہے' یہ اسکی مکمل تصنیف ہے
یہ احکام الصلوٰۃ اس کا ایک حصہ ہے۔ اس کی یہ مذہبی مثنوی اس زمانہ میں بہت مقبول عام ہوگئی تھی اور
ل اس کی جزواً یا کلیۃً نقل اُتارنے کی کوشش کرتے تھے۔

سنہ ۱۰۷۷ھ میں اس کی تکمیل ہوئی' اس میں ۲۵۸ اشعار ہیں اِن باتوں کو شاعر نے خود مثنوی کے آخر میں
یا ہے انڈیا آفس لائبریری میں جو نسخہ پایا جاتا ہے اس میں ہر شعر کے نیچے اسکا دکھنی نثر میں ترجمہ بھی موجود ہے
جمہ شاید سنہ ۱۱۵۰ھ میں کیا گیا ہے یعنی اِس کتاب کے منظوم ہونے کے ستر سال بعد۔

نظم کے پہلے ایک دیباچہ ہے جس میں "مناجات" "بیان شریعت" "نعت پیغمبرؐ" آپ کے
، اور اقربا کی مدح" اور "کتاب لکھنے کی وجوہات" بیان کی گئی ہیں لیکن اِس موخر الذکر عنوان ہے

کسی بات کا پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ شاعر ایک حنفی مسلمان تھا، اور کتاب لکھنے کا مقصد صرف اپنے مذہب والوں کے خیالات کو درست کرنا تھا۔

اصل کتاب ورق ۸ (ا) سے شروع ہوتی ہے پہلا عنوان " ایمان کے ارکان" ہے سینوں کی روزمرہ کی مذہبی ضروریات بیان کی گئی ہیں۔ اس کا اسلوب بیان غیر معمولی طور پر سادہ ہے اور اگرچہ اس سے شاعر کی غیر معمولی ادبی قابلیت کا اظہار تو نہیں ہوتا البتہ اس کی روانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنف بے تکلف نظم لکھ سکتا تھا۔

شاہ امین الدین اعلیٰ

(۱۰۸۷ھ)

شاہ امین الدین اعلیٰ[1] مشہور و معروف شاعر شاہ برہان الدین کے فرزند تھے، والد کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کو مادرزاد ولی تصور کیا جاتا ہے اور ان کے عجیب و غریب کرامات اور صوفیانہ مراتب کو قدیم زمانہ کے مورخین نے نہایت ہی عزت اور احترام کے ساتھ بیان کیا ہے ۱۰۸۶ھ میں انتقال ہوا، اس کے بعد ان کے کئی ایک زبردست خلیفے ہوئے جو اردو شاعر بھی تھے۔

شاہ امین ایک فطری شاعر تھے اور اردو زبان میں انہوں نے کئی ایک کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۱۔ اُن کے دو قصیدے دستیاب ہوتے ہیں، ایک تو اپنے والد شاہ برہان الدین کی مدح میں ہے اور دوسرا " محب نامہ" یا " محبت نامہ" ہے یہ ایک عشقیہ نظم ہے جو قصیدے کی صورت میں لکھی گئی ہے۔

۲۔ چند مثنویاں ہیں جن میں " رموز السالکین" اور " نظم وجود" کو بہت اہمیت حاصل ہے اور

---

[1] راقم نے شاہ امین، اُن کے والد شاہ برہان اور دادا میراں جی کے متعلق مواد انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کے ایک مضمون سے حاصل کیا ہے جنہوں نے اُن کی تصانیف انجمن کے کتب خانہ کے لئے جمع کی ہیں راقم کے پاس تحقیق کیلئے فی الحال سوائے اس کے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے کہ ان سنین کی تحقیق کرے اور ثبوت بہم پہونچائے کیونکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ دادا کا انتقال تو ۹۰۲ھ میں ہوا۔ اور شاہ امین ۱۰۸۶ھ میں۔

ان دونوں کے موضوع صوفیانہ ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ کئی ایک دوہرے اور غزلیں بھی ہیں۔

۴۔ شاہ امین نے نثر میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں گفتارِ شاہ امین اور گنجِ مخفی قابلِ ذکر ہیں[۱] یہ تمام کتابیں انجمن ترقیِ اُردو کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سکریٹری صاحب نے نہ تو ان کے حجم وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیلی حالات تحریر کئے ہیں اور نہ اُن کے دیگر خصوصیات سے بحث کی ہے۔ کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ان کے ارشادات کچھ رسالوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔ جن میں "نورنامہ" "رموز العارفین" یا "رموز السالکین" اور ایک مثنوی حضرت شاہ برہان الدین جانم کی مدح میں قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا مجموعی حجم تقریباً (۱۰۰) صفحات کے قریب ہے۔ اس کی تحقیق مولوی عبدالقادر سروری صاحب نے کی ہے جس پر انہوں نے ایک تفصیلی مضمون علیحدہ اور اپنی مرتبہ تفصیلی فہرست اردو مخطوطات کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) میں لکھا ہے[۲]۔

باپ اور دادا کے مقابلہ میں شاہ امین کے اسلوب بیان میں بہت روانی اور نزاکت پائی جاتی ہے دوسرے ہمعصر شعرا کے مقابلہ میں ان کی شاعری فطری اور قیود شعری سے آزاد ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو رسالہ اُردو جلد ہشتم نمبر ۲۹۔ [۲] فہرست زیر طبع ہے۔

ہاشمی

(۱۱۰۹)

اس کا نام سید میراں تھا، سید شاہ ہاشم کا مرید ہونے کی وجہ سے، جو بیجاپور کے ایک ولی تھے، اس نے اپنا تخلص ہاشمی رکھا، وہ بیجاپور کا باشندہ تھا بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بالکل اندھا تھا، اس نے ایک طویل زندگی گذاری ہے، اگرچہ وہ علی عادل شاہ کا درباری شاعر تھا لیکن سنہ ۱۰۹۸ھ تک زندہ تھا اسی سن میں اس نے یوسف و زلیخا کی تصنیف کی، "بزرگان" کے مصنف کے قول کے مطابق سنہ ۱۶۹۶ء میں انتقال ہوا۔

ہاشمی پرنویس تھا کیونکہ اس زمانہ میں بھی اس کی تین ضخیم کتابوں کے متعلق کچھ پتہ چلتا ہے۔

۱۔ ترجمہ احسن القصص۔

قدیم تاریخوں میں اس قصہ کا ذکر ہے، پیرزادہ غلام محی الدین اپنی کتاب احوال سلاطین بیجاپور میں نصرتی کے متعلق کچھ لکھنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ "ہاشمی ہندی زبان (اردو) کا دوسرا شاعر تھا جس نے اردو میں احسن القصص کا ترجمہ کیا نیز اسمیں اپنے کمال کو ظاہر کیا" بساتین کے مصنف نے ہاشمی کی دوسری مثنوی یوسف زلیخا کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور کہتا ہے کہ "روضۃ الشہداء کا ترجمہ ہے" اور روضۃ الشہداء درحقیقت احسن القصص کا دوسرا نام ہے، اس تصنیف کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، شاید یہ کسی عام کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ یوسف زلیخا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب ۱۰۹۵ھ میں ختم ہوئی اور اس کا ایک نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے لیکن چونکہ راقم کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے وہ اس کے متعلق تفصیلی حالات پیش کرنے سے مجبور رہے۔ معلوم ہوا کہ آغا سید رحسن صاحب دہلوی کے کتب خانہ میں بھی اس کا مخطوطہ محفوظ ہے۔

۳۔ غزل کا دیوان۔

بساتین میں یوسف زلیخا کے ساتھ اس کتاب کا بھی ذکر ہے، یہ اس زمانہ میں بہت مقبول تھی مقیمی کی غزلوں کی طرح ہاشمی کی غزلوں میں زیادہ ترظرافت نہ تھی البتہ اسلوب بیان اور جذباتی نقطہ نظر سے ان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

راقم نے ہاشمی کے ریختی دیوان کا مطالعہ آغا حیدر حسن صاحب کے یہاں کیا ہے۔ چنانچہ اس سے چند انتخابات بھی اس مجموعہ میں شامل کئے گئے ہیں۔

۴۔ مرثیے۔

ہاشمی کو بیجاپور کا قدیم ترین مرثیہ گو بتلایا جاتا ہے لیکن راقم کو کسی قدیم تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملا۔ اس میں صرف ۸ اشعر ہیں اور وہ بھی کسی اعلیٰ معیار کے نہیں البتہ طرز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف ایک تجربہ کار مرثیہ گو تھا۔

مرزا

(قبل سنہ ۱۰۸۳ھ)

مرزا، علی عادل شاہ کے عہد کا سب سے بڑا مرثیہ گو تھا اس نے سوائے مرثیہ کے اور کچھ نہ لکھا حتی کہ ایک دفعہ جب خود بادشاہ نے اسے اپنی مدح میں لکھنے کے لئے کہا تو اس نے ایک مرثیہ لکھا اور بادشاہ کے نام معنون کر دیا۔ اس نے مرثیہ گوئی کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا، اور آخر میں تو اپنا مذہبی فرض تصور کرنے لگا، اس کے انہماک کی حالت ملاحظہ ہو کہ ایک مرثیہ کا عنوان لکھتے لکھتے اس نے انتقال کیا چنانچہ اس کو شہید کا رتبہ دیا جاتا ہے۔

اس کی تصانیف کا کچھ پتہ نہیں، ایڈن برا میں مرثیوں کے مجموعہ' میں مرزا نامی ایک شاعر کے ۵ مرثیے دستیاب ہوتے ہیں جن میں ۱۲۵ شعر ہیں لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ فی الحقیقت بیجاپور کے مرثیہ گو مرزا کے ہیں یا گولکنڈہ والے مرزا کے کیونکہ موخرالذکر سلطنت گولکنڈہ کی زوال کے بعد بھی زندہ تھا۔

ایڈن برا میں مرزا کے جو مرثیہ پائے جاتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس مرزا نے لکھے ہیں جو سنہ ۱۰۵۱ھ میں زندہ تھا کیونکہ ان میں شاعر نے ایک دوسرے مرثیہ گو قادر کی موت پر اظہار رنج و الم کیا ہے اور قادر سنہ ۱۰۵۱ھ میں زندہ تھا، اس بات کا ثبوت اس کے ایک اور مرثیہ کی تاریخ تصنیف سے بھی ملتا ہے جو اسی مجموعہ میں موجود ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علی عادل شاہ کی عہد حکومت کا مرزا نہیں ہے کیونکہ اس کا انتقال سنہ ۱۰۸۳ھ کے قبل ہی ہوا ہے، نیز یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمام مرثیے ایک ہی مرزا کے لکھے ہوئے ہیں یا ان دونو مرزا کے مرثیوں کے انتخابات ہیں؟

ایاغیؔ

(۱۰۶۷-۱۰۸۴ھ)

اس کا نام محمد امین تھا، احوال سلاطین کے مطابق یہ نصرتی کا ہمعصر تھا، اس نے ایک مثنوی "نجات نامہ" لکھی ہے۔ جس کا موضوع مذہبی ہے کیونکہ خود اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔

شاہان اودھ کے توپ خانہ کے کتب خانہ میں اسپرنگر نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے، اسمیں تقریباً ۲۴۰ اشعار ہیں۔ اس شاعر کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔

سکندر عادل شاہ

(۱۰۸۳-۹۷)

بیجاپور کے اس آخری تاجدار کی زندگی شروع سے آخر تک تکلیف اور مصیبت میں گذری ہے۔ پہلے تو وہ سلطنت کے نظم ونسق پر اپنا اثر قائم نہ رکھ سکا اور جب مغل فوجوں نے حملہ کیا تو اورنگ زیب نے اس کو قید کرکے اس کے مقبوضات کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اگرچہ اس نے چودہ سال حکومت کی لیکن تکالیف اور مصائب کے باعث اس کے عہد میں کوئی اعلیٰ معیار کا ادیب پیدا نہ ہوا اور نہ اس زمانہ کی ادبی چل پہل کا ہمارے یہاں کوئی تاریخی مواد ہے۔ اسمیں شک نہیں سیوا اور مومن جیسے معمولی شاعر موجود تھے لیکن ان کے متعلق بھی ہمیں کچھ زیادہ باتیں معلوم نہیں ہیں۔

سیوا (۱۰۹۲ھ)

گلبرگہ کا باشندہ تھا، اور علی عادل شاہ کے زمانہ میں بیجاپور پہونچا، ۱۰۶۸ھ میں اس نے فارسی روضۃ الشہدا کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جس کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں تھا، اس نے بہت سے مرثیے لکھے، جو اس زمانہ میں بہت مقبول تھے لیکن اُن کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس مصنف کے نسبت بھی ہم کو شبہ ہے

مومن (۱۰۹۲ھ)

سنیا پٹن کا باشندہ تھا جو عادل شاہی سلطنت میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، شاید یہ بیجاپور نہیں آیا۔ اسلام کے مہدوی فرقہ سے اسکا تعلق تھا اور اس نے اس فرقہ کے بانی حضرت سید محمد جونپوری کی حیات اور تعلیمات پر ایک طویل نظم لکھی ہے ۱۰۶۹ھ میں ختم ہوئی اسکا نام اسرار عشق رکھا گیا۔ اسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔

باب سوم

اُردو ادب گولکنڈہ میں

۱۵۰۸-۱۶۸۷ء

۹۱۶-۱۰۹۸

فہرست

(الف)۔ ابتدائی تحریکات پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۰۰-۱۵۸۰ء م ۹۱۶-۹۸۸ھ

۱۔ سلطان قلی قطب شاہ۔ ۱۵۰۸-۱۵۴۳ء - ۹۱۶-۹۵۰ھ

۲۔ جمشید قلی قطب شاہ اور سبحان قلی۔ ۱۵۴۳-۱۵۵۰ء - ۹۵۰-۹۵۷ھ

۳۔ ابراہیم قلی قطب شاہ۔ ۱۵۵۰-۱۵۸۰ء - ۹۵۷-۹۸۸ھ

۱۔ فیروز۔ (۲) محمود۔

(ب)۔ اُردو ادب کا سنہری دور۔ آخری چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۸۰-۱۶۸۷ء - ۹۸۸-۱۰۹۸ھ

۱۔ محمد قلی قطب شاہ۔ ۱۵۸۰-۱۶۱۱ء ۹۸۸-۱۰۲۰ھ

۱۔ وجہی (۲) احمد (۳) خدا نما

۲۔ محمد قطب شاہ ۱۶۱۱-۱۶۲۴ء - ۱۰۲۰-۱۰۳۵ھ

(۱) شوقی (۲) خیالی

۳۔ عبد اللہ قطب شاہ ۱۶۲۴-۱۶۷۲ء - ۱۰۳۵-۱۰۸۳ھ

(۱) غواصی - (۲) قطبی (۳) سلطان (۴) جنیدی - (۵) ابن نشاطی (۶) میراں یعقوب۔

(۷) طبعی (۸) امین۔

۴۔ ابو الحسن تانا شاہ ۱۶۷۲-۱۶۸۷ء - ۱۰۸۳-۱۰۹۸ھ

(۱) فائز (۲) لطیف (۳) نوری (۴) شاہی (۵) مرزا۔

(۶) غلام علی

ابتدائی تحریکات

پہلے چار تاجداروں کے عہد میں

۱۵۰۸ - ۱۵۸۰ء
۹۱۶ - ۹۸۸ھ

سلطنت بیجاپور کے قیام کے اٹھارہ سال بعد سلطنت گولکنڈہ کی بنیاد رکھی گئی۔ گولکنڈہ، گلبرگہ اور دولت آباد سے جو اس زمانہ میں دو ادبی مرکز بنے ہوئے تھے بیجاپور کی بہ نسبت زیادہ فاصلہ پر واقع ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان دونوں سلطنتوں میں اردو کا سنہری دور ایک ہی وقت شروع ہوتا ہے اور [illegible] کے بعد سے تو ان سلطنتوں کی سیاسی، معاشرتی اور ادبی جدوجہد ایک ساتھ اور یکساں رفتار سے جاری رہتی ہے اور لطف یہ کہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں یہ دونوں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے کہ سلطنت بیجاپور کے زوال کے ساتھ ہی وہاں سے علم و ادب بھی ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔ لیکن سلطنت گولکنڈہ کے زوال کے بعد ادبی پیداوار بالکل مفقود نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادل شاہی خاندان کے زوال کے بعد بیجاپور کے درباری شاعر اور ادیب گولکنڈہ میں پناہ کی خاطر بھاگ آئے اور اس طرح سے بیجاپور کی ادبی فضا میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ برخلاف اس کے گولکنڈہ کے ادیب خاندان قطب شاہیہ کے زوال کے بعد شہر حیدرآباد ہی میں رہنے پر مجبور تھے اس لئے کہ کہیں بھی انہیں کسی قسم کی سرپرستی کی اُمید نہ تھی دوری کے باعث وہ دہلی کو بھی اپنا مامن نہیں بنا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں ایسے شہر میں اُن کی سرپرستی کی کیا توقع ہوسکتی تھی

یہاں کی عام زبان فارسی ہو اس لحاظ سے اُردو شاعری کا ایسے ماحول میں مقبول ہونا ایک خیال خام تھا۔
ایک اور وجہ جس نے بالواسطہ قطب شاہی پایۂ تخت حیدرآباد کی ادبی فضا کو تباہ ہونے سے بچایا
یہی کہ بالآخر حیدرآباد مغلوں کی فتوحات کا دارالحکومت بن گیا اور اس طرح اگرچہ اس نے اپنی مقامی
اور قدیم حکومت کھو دی تھی تاہم وہ اجنبیوں کا پایۂ تخت تھا جنہوں نے اُردو ادب کی بزرگداشت نہیں کی
لیکن اُن کے قیام کی وجہ سے شہر کی رونق ایک حد تک باقی رہ گئی۔
اس کے برخلاف اورنگ زیب نے جب بیجاپور کو فتح کیا تو اُس کو بالکل تباہ و برباد کر کے چھوڑا وہ کسی
ضلع کا مستقر نہیں بنایا گیا وہاں کی پوری مقبوضات کو دکن کے صوبہ میں شامل کر دیا ان کے نظم و نسق کا تعلق
پہلے تو اورنگ آباد سے تھا پھر حیدرآباد سے ہو گیا جو نظام الملک کے اعلان خودمختاری کے بعد تمام دکن کا
دارالسلطنت قرار دیا گیا اور پھر اسی طرح سے صوبۂ دکن دوبارہ ایک سلطنت میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح
سے دن بدن بیجاپور کی شہرت گھٹتی گئی اور اس وقت اس کی حیثیت ایک گاؤں سے زیادہ نہیں ہے،
حال ہی میں حکومت برطانیہ نے قدیم محلات اور عالیشان عمارتوں کو محفوظ کرنا شروع کیا ہے اور اسی
سلسلہ میں اس کو ایک تعلقہ کا مستقر بھی بنا دیا گیا ہے۔
بیجاپور اور گولکنڈہ کی اُردو پیداوار کے مقابلہ کے لئے اور چند واقعات کا بیان کر دینا ضروری ہے
اگرچہ دونوں جگہوں پر اُردو ادب کی پیداوار ایک ساتھ ہوئی اور دونوں نے ایک ہی زمانہ میں اُردو مصنفین
پیدا کئے لیکن بلحاظ مقدار و نوعیت گولکنڈہ کی پیداوار کو بیجاپور کے کارناموں پر فوقیت حاصل ہے۔
۱۔ موجودہ زمانہ میں ہم کو بیجاپور کے بیس اور گولکنڈہ کے بیس مصنفین کا حال معلوم ہے۔
۲۔ بلحاظ نوعیت گولکنڈہ نے بہت سی اوریجنل (یا بِکی) چیزیں پیش کی ہیں۔
۳۔ اس میں شک نہیں کہ بیجاپور نے بہت سی رزمیہ نظمیں پیش کیں اور اس لحاظ سے گولکنڈہ پر
اس کو فوقیت حاصل ہے لیکن جہاں تک بزمیہ مثنویوں کا تعلق ہے گولکنڈہ کی ادبی پیداوار بیجاپور سے
زیادہ اہم ہے۔
۴۔ دونوں سلطنتوں میں نثر لکھی گئی لیکن گولکنڈہ کی نثر بلحاظ اسلوب بیان اور موضوع بیجاپور کے
مقابلہ میں بہتر ہے۔
۵۔ بیجاپور کے دو تین بادشاہوں نے اُردو میں لکھا ہے لیکن بدقسمتی سے اُن کے کارنامے اِس وقت

مفقود ہیں۔ برخلاف اس کے گولکنڈہ کے چار بادشاہ اچھے شاعر تھے اور اب بھی ان کی شاعری کے نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو ختم کریں یہ بتلا دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ مواد کی بنا پر ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بیجاپور کی پیداوار بہت اچھی ہوگی لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ زمانہ کے ستم شعار ہاتھوں نے اُسے تباہ و برباد کر دیا اور اب ہمارے پاس ثبوت میں کوئی مواد موجود نہیں ہے۔

سلطان قلی قطب شاہ

(۹۱۶ھ۔۹۵۰ھ)

سلطان قلی ان پانچ بہمنی امیروں میں سے ہے جنہوں نے اپنے آقاؤں کے زوال کے بعد اپنی اپنی علیحدہ سلطنت قائم کرلی۔ عادل شاہیوں کے بانی کی طرح اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق بھی قسم قسم کے بیانات ہیں، بہرحال یہ اسقدر طاقتور نہ تھا کہ یوسف کے ساتھ ۸۹۵ھ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا۔ ۹۱۶ھ میں اس نے اس وقت اپنی خود مختاری کا اعلان کیا جبکہ یوسف کا انتقال ہوچکا تھا۔

اپنے مد مقابل یوسف سے کہیں زیادہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ اپنی قوت کے بڑھانے اور وقار قائم رکھنے کے لئے میدان جنگ ہی میں گزرا۔ اسی وجہ سے اس کے عہد میں ادب کی طرف بہت کم توجہ کی گئی چنانچہ اس زمانہ میں گولکنڈہ میں اردو کی کچھ ایسی زیادہ نشوونما نہیں ہوئی۔ یوں بھی اسکا دارالخلافہ ان علمی مرکزوں سے فاصلہ پر واقع تھا جہاں ادب کی سرپرستی کی جاتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اُس نے آتش خانہ کے نام سے ایک مقام مقرر کر رکھا تھا جہاں شاعر اور ادیب جمع ہوا کرتے تھے لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا اُنہوں نے اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ وہ بذات خود ایک قابل آدمی تھا۔ اس نے ۳۴ سال تک حکومت کی اور آخر کار اس کے بیٹے جمشید نے اس کی طویل حکومت سے تنگ آکر ایک غلام کے ذریعہ اس کو مروا ڈالا۔

جمشید اور سبحان (۹۵۰۔۹۵۷ھ)

باپ کو قتل کرانے کے بعد اُس نے اپنے بڑے بھائی ملک قطب الدین کو جو تخت کا حقیقی وارث

اندھا کرادیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اُس نے سات سال تک حکومت کی اور اس کا سارا وقت میدان
ے ہی میں گذر گیا، چونکہ وہ زیادہ نیک نام نہیں تھا اِس لئے مورخین نے اس کے زمانہ کی ادبی فضا
متعلق بہت ہی کم لکھا ہے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود شاعر تھا گولکنڈہ کے قدیم مخطوطات میں
ی کے فارسی قصیدوں اور غزلوں کے چند نمونے ملتے ہیں۔*

اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سبحان جو ابھی بچہ تھا تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن جمشید کا ایک دوسرا
ی ابراہیم جو اپنے باپ اور بڑے بھائی کا حال سنکر بیجانگر بھاگ گیا تھا، سات برس اس ہندوانی
شہر میں رہکر، بیجانگر کی فوج کے ساتھ گولکنڈہ آیا۔ چنانچہ سبحان چچا کے حق میں تخت سے سبکدوش ہوگیا۔

ابراہیم قلی قطب شاہ

(۹۵۷-۹۸۸)

اس بادشاہ کی تیس سالہ حکومت کے دوران میں سلطنت گولکنڈہ میں خاصی سیاسی اور ادبی
لانیاں دکھلائی گئیں، یہ بادشاہ بہت چست و چالاک اور عقلمند تھا لیکن ساتھ ہی بے حد سخت
بھی تھا۔ اس نے بے شمار مشہور و معروف ہستیوں کو جمع کیا اور اُن کی کافی ہمت افزائی کی۔

عرصہ دراز تک ہندو علاقہ میں رہنے کی وجہ سے ان لوگوں سے اس کے دوستانہ تعلقات
گئے تھے۔ وہ اُنہیں کی مدد سے تخت پر بیٹھا اس وجہ سے بہت سے ہندوؤں کو اس نے اعلیٰ خدمات پر
مور کیا اور اس کے دور میں اُردو کو بھی خاصی ترقی ہوئی۔

اس کی ادبی دلچسپیوں کے متعلق بہت سے مستند بیانات ملتے ہیں، دکن کی تاریخوں میں اور خصوصاً
پور کی تاریخ تذکرۃ الملوک میں جسکا ایک عمدہ مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، اس کی علم پروری کے
کرے پائے جاتے ہیں چونکہ اُس کا مصنف رفیع الدین ابراہیم شیرازی ابراہیم عادل شاہ کا درباری
رخ تھا اور دو دفعہ گولکنڈہ گیا تھا۔ ایک دفعہ ایرانی تاجر کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ دربار عادل شاہی

---

* ملاحظہ ہو برٹش میوزیم کا مخطوطہ اڈیشنل نمبر ۲۲۰۶۵-۱، ورق ۸۸۔

...غیر کی حیثیت سے۔ اس لئے گولکنڈہ کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا اس نے
...لغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے اس لئے کہ کسی کی خوشامد منظور نہیں تھی، مزید برآن اس مصنف نے سوائے
...ل شاہیوں کے باقی دوسرے بادشاہوں کے حالات خواہ وہ اچھے ہوں یا برے من وعن بیان کئے ہیں۔

ذیل میں ہم ابراہیم کے ادبی اور علمی کارناموں کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اس نے مدرسے قائم کئے جہاں مفت تعلیم کے علاوہ وظائف اور انعامات بھی دئے جاتے تھے
...ہمت افزائی ہو اور تعلیم عام ہو جائے۔

۲۔ وہ شاعروں اور عالموں کی اسقدر قدر کرتا تھا کہ جب کبھی اس کے باغ سے میوہ آتا، اس میں سے
...حصہ وہ ان کے لیے ضرور روانہ کر دیا کرتا تھا۔

۳۔ اس نے لنگر خانہ کی امداد میں اضافہ کر دیا جہاں علما اور شعرا مع اپنے اہل وعیال کے رہا کرتے۔

۴۔ بیرونی [illegible] سے اس نے [illegible] تیسرے حصہ میں نقاش، سنگ تراش
[illegible] رہا کرتے تھے [illegible] بادشاہ کے [illegible] چوتھے حصہ میں درباری شعراء
[illegible] رہا کرتے تھے۔ ان کا کام [illegible] تھے اور فسانوں کو [illegible]
[illegible] امرا کے لئے وقف تھا جہاں وہ لوگ ادبی مباحثوں میں مشغول رہا کرتے
[illegible] نظمیں وغیرہ [illegible] کیا کرتے تھے۔

اس عہد کے اردو شعرا میں صرف محمود اور فیروز کے نام معلوم ہیں۔ البتہ قطب مشتری کے دیباچہ
کے دیکھنے سے [illegible] اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ اس عہد میں بہت سے اردو شاعر تھے۔

فیروز اور محمود

(تقریباً ۹۰۰ھ)

گولکنڈہ کے شاعروں وجہی اور ابن نشاطی کے بیانات سے ہمیں ان دو شاعروں کا حال معلوم
...ہوتا ہے۔ وجہی ابراہیم کے عہد میں پیدا ہوا، اس نے ان دونوں کو اپنا پیشرو بتایا ہے۔ لیکن چونکہ سلطان
...ی اور جمشید کے دور میں علمی اور ادبی میدان بالکل خشک تھا اس لئے اگر ان کو ابراہیم کا ہمعصر کہا جائے تو

بیجانہ ہوگا۔

وجہی کے قول کے مطابق یہ دونوا اپنے زمانہ کے بہترین شاعر ہیں اور اُن کی شاعری قابل یادگار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ اس کے زمانہ تک زندہ رہتے تو اُردو شاعری میں معتد بہ اضافہ ہوجاتا۔

ابن نشاطی کے بیان کے مطابق محمود کا پورا نام سید محمود ہے۔ اس کا شاعرانہ مذاق نہایت اچھا تھا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو ابن نشاطی کی کتاب جو پھول بن کی قدر شناسی میں نہایت درجہ انصاف سے کام لیتا۔ ابن نشاطی فیروز کو اُستاد مانتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ اسوقت موجود ہوتا تو اس کی شاعری کی کما حقہٗ تعریف کرتا۔

اِن دونوں میں فیروز کا رتبہ بڑا ہوا معلوم ہوتا ہے' اِس لئے نہیں کہ ابن نشاطی نے اُس کو اُستاد کہا ہے بلکہ وجہی نے بھی قطب مشتری کے دیباچہ میں اس کو اُردو شاعری کا اُستاد بتایا ہے۔ وجہی اپنی شاعری کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کا بیان ہے کہ فیروز نے خواب میں آکر اس کی شاعری کو تسلیم کیا اور اس کی حقیقی شاعری سے خاصہ اثر لیا۔ وجہی جیسے مغرور شاعر کا جب یہ خیال ہو تو ظاہر ہے کہ فیروز بہت بڑا شاعر تھا۔ لیکن یہ نہایت بدقسمتی ہے کہ ان دونوں شعراء کے حالات اور اُن کے کارناموں کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں۔

اُردو کا سُنہری دور

آخری چار تاجداروں کے عہد میں

(۹۸۸-۱۰۹۸ھ)

محمد قلی قطب شاہ

(۹۸۸-۱۰۲۰ھ)

یہ گولکنڈہ کا سب سے بہتر بالشان بادشاہ تھا جس نے ۳۱ سال تک نہایت کامیاب حکومت کی اُس نے پہلے اپنے ہمسایوں سے صلح کرلی اور پھر معاشرتی اور اصلاحی کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ ساتھ ہی ادب کے ارتقاء کے طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی۔ اس زمانہ میں گولکنڈہ کی آبادی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ اسے دوسرا شہر قائم کرنیکی ضرورت درپیش ہوئی جس میں پہلے تو بادشاہ، اس کے درباری اور دیگر امراء رہا کرتے تھے لیکن بالآخر وہ سلطنت کا پایۂ تخت ہوگیا۔ بیرونی سیاحوں کے روزنامچوں اور ہمعصر تاریخوں میں اس خوبصورت شہر یعنی حیدرآباد کے محلوں، باغوں اور سڑکوں کا نہایت دلچسپ اور قابل قدر حال درج ہے۔

محمد قلی ایک فیاض، رحمدل اور صلح پسند بادشاہ تھا وہ ایک فاتح حکمران سے زیادہ ایک شاعر اور ادیب تھا، اُس نے نہ صرف شاعروں کی سرپرستی ہی کی بلکہ خود بھی ایک بہت اچھا شاعر تھا، دکنی میں اسکا تخلص معانی اور فارسی میں قطب شاہ تھا۔



قطعہ دوم - روز عید

حضور نظام کے خانگی کتب خانے میں ان کے کلام کا ایک مجموعہ مخطوط موجود ہے۔ اس کے علاوہ آغا حیدر حسن صاحب اور دیگر خانگی کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے محفوظ ہیں۔ محمد قلی کے جانشین اور بھتیجے سلطان محمد قطب شاہ نے اس مجموعہ کو ایک جگہ کیا ہے۔ اس نے دکنی زبان میں ایک خطبہ بھی لکھا ہے۔ حضور نظام کا نسخہ جو کہ شاہی کتب خانے کے لیے اعلیٰ درجہ کے بڑی تقطیع کے کاغذ پر لکھوایا گیا تھا اس میں اٹھارہ سو صفحات ہیں جو خط نسخ میں کافی صحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

اس کے بھتیجے محمد قطب شاہ کے دکنی دیباچے سے نظموں کی ترتیب کا حال معلوم ہوتا ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور تلنگی میں بھی لکھا کرتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام لوگ اس کی کس قدر پرستش کرتے ہوں گے۔ اور وہ لوگوں سے کس قدر محبت کرتا ہوگا اس کے خیالات میں مذہبیت بھی پائی جاتی ہے۔ اس دیباچہ کی مدد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی نے پچاس شعر لکھے اور اس کے کلام کو چھ حصوں میں اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مثنوی ۲۔ قصیدہ ۳۔ ترجیع بند ۴۔ مرثیے (فارسی، دکنی)

۵۔ غزل (فارسی، دکنی)

قلی کی شاعری کا اسلوب بیان نہایت سادہ ہے۔ زبان کی ارتقائی حالت کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ دکنی شاعروں کی اولین پیداوار سے ہوگی۔ اس کی قادر الکلامی کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ اس نے ان خیالات کو بھی نہایت روانی اور خوبی کے ساتھ دکنی میں ادا کیا ہے جو فارسی میں اسی وقت پیش کیے گئے تھے جبکہ اس کا خاصا لسانی ارتقا ہو چکا تھا۔

قلی کی غزلیں سادگی اور لطافت کے اعتبار سے حافظ کی غزلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ خیالات میں عاشقانہ اور صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے انسانی زندگی اور قدرت کی گلکاریوں کے بیان میں وہ سودا اور نظیر پر بھی سبقت لے گیا ہے اس کا موضوع بالکل ہندوستانی ہے اس نے اپنے ملک کے میووں ترکاریوں پرندوں اور رسم و رواج کے متعلق بھی نظمیں لکھی ہیں اس نے نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو اور مسلمانوں کی شادی بیاہ کی رسومات کو بیان کیا ہے۔ ہندی شاعری کا اس پر گہرا اثر ہے۔

چونکہ اس کے مخطوط کلام تک کسی نے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اس لیے وہ اس وقت صرف سرسری معلومات پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ قلی کے کلام کے متعلق تفصیلی تبصرہ لکھنا اس وقت ایک غیر امکانی امر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس کے دربار میں بہت سے دکنی شاعر موجود تھے لیکن بدقسمتی سے اکثروں کے حالات تاریکی میں ہیں۔ فی الحال وجہی اور احمد ہی دو شاعر ہیں جن کے کلام اور حالات زندگی کے متعلق ہمیں کچھ علم ہے اور ان پر کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

وجہی

وجہی گولکنڈہ کے نہایت قدیم اور اول درجہ کے ادیبوں اور شاعروں میں سے ہیں۔ دکنی ادب کے قدردان ان سے ضرور واقف ہوں گے، کیونکہ ان کی نثر سب رس کے متعلق دو تین دفعہ مضمون شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن شاید ہی کوئی ہو جنہوں نے ان کی مثنوی "قطب مشتری" کا ذکر سنا ہو۔ اس کو اردو زبان کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ یہ اہم شعری کارنامہ زمانہ کی دست برد سے بچ گیا اور اس طرح اب ہم اس قابل ہیں کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین سو برس پہلے کی اردو کی ایک سے زیادہ تصنیفوں پر زبان اور ادب دونوں کے لحاظ سے تحقیقی اور تقابلی نظر ڈال سکیں۔

سب رس اور قطب مشتری کا مصنف

قطب مشتری جیسا کہ مثنوی کے آخری شعروں سے ظاہر ہے ۱۰۱۸ھ کی تصنیف ہے اور سب رس اس کے تقریباً ۲۷ سال بعد یعنی ۱۰۴۵ھ میں لکھی گئی۔ دو کتابوں کی تصنیف کے زمانوں میں اس قدر زیادہ فرق کا پایا جانا مصنف کے ایک ہی ہونے کے متعلق شبہ پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ

(۱) "سب رس" کا وجہی "غواصی" کا ہمعصر تھا کیونکہ "سب رس" کا سن تصنیف ۱۰۴۵ھ ہے اور "طوطی نامہ" اور "سیف الملوک" کے سنین تصنیف ۱۰۴۹ھ اور ۱۰۳۵ھ ہیں۔

(۲) "قطب مشتری" کا وجہی بھی اندرونی شہادتوں کے لحاظ سے غواصی کا ہمعصر تھا۔ "قطب مشتری" کے حسب ذیل اشعار اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ کس طرح اس کا مصنف اپنے ایک ہمعصر غواصی کی طرف اشارے کرتا ہے۔

جو لگ برس کوئی سر لیوے رنج کون　　نپاوے کدہیں اس پچھے گنج کون
ہوا جیو جب شعر یو بولنے　　خزینے لگیا غیب کے کھولنے

اگر غوطے لاک برس غواص کھاے تو یک گوہر اس دھات تے او نکا نہ پائے
یو موتی نہیں وو جو غواص پائیں یو موتی نہیں وو جو کس ہات آئیں
غواصاں کئی غوطے کھا کھا کے کر موے ہیں سو اس سمد میں آکے کر
اپنے ہوکے لیا اسو ہے جھوٹ سب خدا غیب تے دیوے تو کیا عجب
کہیں تم نے بیچ سمد یک جائے تو مرے ڈوب مل سیر اپر پایو لا ہو (ورق ۱۹ ا)

(۳) سنہ ۱۰۴۱ھ میں ایک شخص وجہی زندہ تھا جو شاعر کی حیثیت سے مشہور تھا اور جو غواصی کے ساتھ کا درباری شاعر تھا۔ اس کا ثبوت نظام الدین احمد کی اس اہم تاریخ سے ملتا ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے عہد حکومت پر لکھی گئی ہے اور جس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس میں سنہ ۱۰۴۱ھ میں بادشاہ کو لڑکا پیدا ہونے کے ذکر کو ذیل میں لکھا ہے:

وجہی از شعرا تاریخے کہ یافتہ بودند بہ مسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند از آں جملہ این سہ تاریخ مرقوم گردید۔ اول تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است ع
"آفتاب از آفتاب آمد پدید" (۱۰۴۱) و ملا غواصی کہ در شعر دکنی از مثال خود ممتاز است این حکم را مادہ تاریخ ساختہ است "محفوظ باد" (۱۰۴۱)" ورق ۲۵۴ ب) یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مورخ وجہی کو شاعر لکھتا ہے نہ صرف انشا پرداز "سب رس" کا وجہی شاعر بھی تھا۔

(۴) "سب رس" کے لکھے جانے کے پینتیس سال بعد یعنی ۱۰۸۱ھ میں گولکنڈہ کا ایک شاعر طبعی اپنی مثنوی "بہرام و گل اندام" کے دیباچہ میں ایک شاعر وجہی کا ذکر کرتا ہے جس کی اندرونی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ قطب مشتری کا وجہی ہے کیونکہ طبعی نے وجہی کے حسب ذیل اشعار

کہ فیروز آ خواب میں رات کوں دعا دے کہ جو تے مرے ہوت کوں
کہا ہے توں یو شعر ایسا مسدس کہ پڑنے کوں عالم کرے سب ہوس
(کہیا) تو یوں کر کہ خصلت یو تج آے نا کہ توں خوش رہے ہور کسے بھاے تا
توں ایسی طرز دل (دیتے) (بیچا؟) نوی کہ دوسرے کریں سب تری پیروی
وجہی ترا ذہن جوں برق ہے تجے ہور بعضیاں میں کئی فرق ہے
ترا شعر دل یوں نگلتا ہے دل کہ پانی (پیتے) ابلوس گلتا ہے جیوں

تون وجہی کہیا شعر کئی دھات کا — ہوا زیارت تجہ تے مزا بات کا

شعر بون اگرچہ (دِکھا) اپر و سب ہے — ولے جاننا کہنے تے خوب [illegible] ہے (ورق ۶۶۹)

کی تقلید میں اپنی مثنوی میں اس طرح انہی مطالب کو ادا کیا ہے۔

لگیا میں جو یو مثنوی بولنے — یو موتیاں تخیل ڈھال یو رو [illegible] لنے

یو وجہی مرے خواب میں آئے کر — نکر اپنا سورج [illegible] دکھلائے کر

سراسر سنیا جو مری مثنوی — کیا بات طبعی ہے تری نوی

ہو خوش حال (دِسنا) سن کر یو باتاں مرے — (دکھایا) اپس کے [illegible] ہاتاں میں ہاتاں مرے

بڑے پیار سو آ [illegible] یو مثل — سنیا (ننا) سو پڑیا خواب میں تے اچھل

پھر اسی سلسلہ میں وجہی کے حسب ذیل اشعار بعینہ اپنے ہاں نقل کر لیے ہیں۔

کتا ہوں سنو کان دہر لوگ ہو — کہاوت منے بات ہوئے آئے سو

اگر شعر کوئی خوش کہہ کر جو لائے — تو خوباں کو وہ من رنگ البتہ آئے

کیس کوں سو [illegible] سکتے نہیں — کیس کوں سو [illegible] ان رکتے نہیں

اگر کچھ کہے تو کدہر کا کدہر — کہے تو کتے ہیں اسے ہنس کر

[illegible] میں اکوں جیو [illegible] دھیر تھے — فضیحت کریں پانو لگ سر تے

اگر خوب جو بولے تو دوں رہتے — دگر جو برا بولے تو یوں اسے

اگر وجہی نام کے دو ادبی آدمی گزرے ہوتے تو طبعی اس قدر سادگی اور بے پروائی کے ساتھ اپنے منظور نظر شاعر کا ذکر نہ کرتا وہ سب رس کے وجہی اور قطب مشتری کے وجہی میں امتیاز کرنے کا ضرور خیال کرتا۔

۵۔ یوں بھی اس بات کو عقل نہیں مانتی کہ اتنے قریب کے زمانے میں ایک ہی دربار کے دو شاعر ایسے گزر سکتے ہیں جن کا تخلص ایک ہی ہو۔

۱؎ قطب مشتری میں یہاں [illegible] ہے ۔ ۲؎ قطب مشتری میں یہاں "اس میں اپنے" ہے

۳؎ [illegible] کہہ تو اگر ہے ۔ ۴؎ [illegible] کا ہے۔

۵؎ [illegible] پیچ ہا کچہ کدہر [illegible] ہے

ان دلیلوں پر غور کرنے سے یہ نتیجے نکلتے ہیں کہ:-

۱۔ سب رس اور قطب مشتری دونوں کا مصنف ایک ہی شخص تھا جس کا تخلص وجہی تھا۔

۲۔ وجہی نے ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) کا زمانہ دیکھا تھا اور ممکن ہے کہ اسی وقت سے شاعری بھی شروع کر دی ہو کیونکہ قطب مشتری بالکل وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ اس کا مصنف ایک مشاق اور مشہور شاعر ہے اگر ابراہیم کی وفات اور محمد قلی کی تخت نشینی کے وقت (یعنی ۹۸۸ھ میں) اس کی عمر ۔ سال کی فرض کی جائے تو قطب مشتری کی تصنیف کے وقت (یعنی ۱۰۱۸ھ میں وہ سال کا اور سب رس کی تصنیف کے وقت (یعنی ۱۰۴۵ھ) میں ۷۲ سال کا تھا۔

۳۔ غواصی نے بھی محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ ہی سے شاعر کی حیثیت سے چلنا شروع کر دیا تھا اور اس کا زمانہ پیدائش بھی وجہی کے قریب ہی ہوگا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ غواصی وجہی سے عمر میں بہت چھوٹا ہو کیونکہ اگر اس کی بھی عمر ۱۰۴۵ھ میں ۷۲ سال کی ہوتی تو وہ غالباً اس قدر ضعیف العمری میں قطب شاہی دربار کے ایلچی کی حیثیت سے بیجا پور کا سفر نہ کر سکتا جس کی نسبت آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

۴۔ وجہی نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ اس کی وفات کے شاید پچیس برس بعد بھی ایک شاعر اس کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے خواب میں آکر تعریف کرنے کو اپنی شاعری کی خوش شعرگی کے لیے سند سمجھتا ہے۔

وجہی کی زندگی

وہ غالباً ابراہیم قطب شاہ کے عہد حکومت میں پیدا ہوا اور کم عمری ہی سے شاعری شروع کر دی اس کی نشوونما اس زمانے میں ہوئی جب کہ گولکنڈہ میں اردو ادبیات کا آغاز ہو چکا تھا اور غالباً چند اچھے شاعر بھی پیدا ہو چکے تھے۔ خصوصاً جب اس نے قطب مشتری لکھی عام طور پر اردو شعر و شاعری کا چرچا ہو چکا تھا اور کئی شاعروں سے وجہی کو چشمک بھی تھی جن کے متعلق اس کے ان شعروں سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جن کو طبعی نے اپنی مثنوی کے دیباچہ میں داخل کر لیا تھا اور جو اوپر پیش کیے جا چکے ہیں لیکن اس زمانہ کی علمی و ادبی فضا کے متعلق وجہی کے کلام سے اور جو روشنی پڑتی ہے اس کے ظاہر کرنے کے لیے ہم قطب مشتری سے چند اور انتخابات یہاں پیش کرتے ہیں۔

اپنے ہمعصر شاعروں کی نسبت وجہی کی یہ رائے تھی کہ :-

یو سب شعر کہتے یو سب شعر نین (نہیں) کہ بولان کدھر ہور معنی کہیں
شعر گرچہ اپے، لوگ جوڑے اہیں (نہیں) بُرے بھوت ہور خوب تھوڑے اہیں

ایک جگہ اپنے کلام کا دوسرے شاعروں کی شاعری سے مقابلہ کرتے ہیں اور اس میں اپنی خوبیاں بیان کرتے وقت اس بات پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں کہ خود ان کی شاعری انچھا ہے انھوں نے کسی اور جگہ سے اپنا مضمون اور خیالات اخذ نہیں کیے اس کے برخلاف ان کے ہم عصر دوسرے لوگ کے ممنونِ منت تھے وہ اپنی ذات سے کچھ نہیں کہتے تھے اس بات سے ان کا اشارہ غالباً فارسی کے ترجموں کی طرف ہوگا وجہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر اب آگے کوئی شاعر ایسی کتاب لکھے بھی تو اس کو کوئی فخر نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ ایسے کام کی ابتدا کا سہرا تو صرف انہی کے سر رہے گا بعض شعر یہ ہیں۔

دو جگ جس اتم ہیرے کا مول ہے وو ہیرا سو ہر اک مرا بول ہے
رتن بے بدل یو مرے جاں بکائیں وہاں (دوہ) چاند سورج ولائی نہ پائیں
بچن موتی یو دیک منے (جہاں) لاجتے سمد پانی گل کر ہو اللج لیے (سے)
جکوئی جوہری کا ہے سو پچھان کر (دیکھ کر) منگے کار تن کوں قدر جان کر
پرکھ کوئی ایک توں کانچ ہور پانچ کون برابر نہ کر دود ہور چھاچ کوں
بہا اک نین کانچ ہور پانچ کون لذت دیک نا دود ہور چھاچ کوں
جہاں پانچ اچھے گا وہاں کانچ کیا جہاں دود اچھے گا وہاں چھاچ کیا
نہ یو بات ہر ایک کے سات ہے جکوئی عارف ہے اس سوں یو بات ہے
تو پھل چاک دیک ہور لذت کوں فام نکر مول سب کا نکٹ تین دام
جو کرتا ہے کس کا ہنر دیک کر (سمجھ کر) ہنروند اسے تین کہتے ہیں نہر
نو اول تے لیانا ہے مشکل کہتا (دیکھ) کہ آسان ہے دیکھ کر بولنا (نہیں کہنے)
جو کوئی یوں کرے اس میں کچ فام نین (کہتا) ہنر دیک سکتا بڑا کام میں
ہنروند اسی کوں ہا جانے گا (فہم میں) جو کوئی اپنے دل تے نوا لیا کہے گا (دہاہے)
فرق ہے اول اور اخیر میں تفاوت اہے نیر ہور شیر میں

ہنر دیک سکتا ہے استاد کا ‏ فہم چور ہے آدمی زاد کا

اسی سلسلہ میں وہ اس کا بھی اظہار کر دیتے ہیں کہ میں اپنے کلام کو ناحق ترجیح نہیں دے رہا ہوں بلکہ میں اپنے ہنر کی باریکیاں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ لوگ انصاف سے کام لیں اور کسی کی تعریف یا شرافت ادا کی خواہ مخواہ نہ کریں۔

ہنر بیان میں یو باریکیاں لاف نین ‏ دوادمی نہیں جس میں انصاف نین
کہ انصاف تو یو سب (نہیں) بات سبتے ‏ کہ انصاف طاعت تے بی زیاست ہے
نکر بات توں نا سمجھ انسنے ‏ بہوت مشکل ہے بات کوں (بھی) فامنا

اسی سلسلہ میں حسب ذیل شعر بھی آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں کی ذاتی کش مکشیں کہاں تک انھیں پریشان رکھتی تھیں نیز یہ کہ انھیں بعض وقت سرے سے شاعری ہی ترک کر دینے کا خیال پیدا ہوتا تھا وہ کہتے ہیں کہ

ہوا شعر کا اس و ضیا کام جب ‏ ثواب شعر کہنا جہتی کیا سبب
منے جیو ر مضامین (دسمع) کہے باج یو ‏ عجب سرکش ہے انجو وہی راج یو
شعر خوب کہہ کر جو (نہیں) لیا نا اہے ‏ اپس پر بلا ایک لیانا اہے
ہنر میں ہنر کوئی جو تا یقن ‏ ترک کرنے گئے تو بھی ہوتا نین
لوہو ند بچن اس میں بل بہوت ہے ‏ سمجھے تھوڑسی لوگاں میں جہل بہوت ہے

وجہی نے غالباً کسی شاعر کی شاگردی نہیں کی۔ کیونکہ انھوں نے اپنے ہمعصروں پر جو چوٹ کی ہے اس سے کچھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ شاعری میں کسی کو استاد نہیں مانتے تھے۔ تاہم انھوں نے اپنے دیباچہ میں دو اردو شاعروں کے نام پیش کئے ہیں جو اس وقت زندہ نہیں تھے لیکن ان کی وہ عزت کرتے تھے اور انھیں اس قابل سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعہ سے اردو شاعری کو بہت رواج ہوتا نیز یہ کہ صرف وہ دو نو ہی ان کی نظروں میں بڑے شاعر تھے اور ان کے علاوہ جتنے شاعروں کو وہ جانتے تھے یا جو اس وقت موجود تھے وہ ان کے ہاں بالکل ہیچ تھے وہ کہتے ہیں۔

کہ فیروز محمود اچھتے جو آج ‏ تو اس شعر کوں بہوت ہوتا رواج

کرنا در تھے دونو کی اس کام میں | رکھیا میں کرتے (اکسی بنی) بول اچھول بن نام میں

فیروز اور محمود کی شہرت اور ان کے اردو ذوق ادب کی نسبت ہمیں ایک اور دکھنی شاعر کے ذریعہ سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ ابن نشاطی نے پھول بن کے خاتمہ میں جہاں چند متوفی اردو شعراء اور قدردانوں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کا نام سب سے پہلے آتا ہے پھول بن کے حسب ذیل شعروں سے فیروز اور محمود کے اوصاف کے متعلق ناظرین کی معلومات میں مزید کچھ اضافہ ہوگا۔

ہیں وہ کیا کروں فیروز استاد | جو دیتے شاعراں [illegible] کج پر کی داد
ہے بہت حیف جو نہیں سید محمود | کہنے پانی کوں پانی [illegible] کوں دود

(مخطوطہ انڈیا آفس ورق ۱۳)

قطب مشتری میں وجہی نے ابراہیم قطب شاہ کی اس طرح تعریف کی ہے کہ گویا وہ تصنیف کے وقت زندہ تھا چنانچہ وہ کہتا ہے۔

ابراہیم قطب شاہ راجا دھراج | شہنشاہ ہے شاہ شاہاں میں آج
عدل بخشش ہور داد اس تے اچھے | سدا خلق سب شاد اس تے اچھے
جتنے بادشاہاں ہیں سنسار کے | بھکاری اہیں سب اس کے دربار کے
جتنیاں تے فاضل ہے اس بخت بل | پڑے دیو جن [illegible] ہیں اس حکم تل
اسی شاہ عادل کے غصہ تے ڈر | لیا ہے گگن کوں چرن پیٹ پر
تیابل ہے (آتا بسکہ) اس عدل کے فن منے | کہ بجلیاں کھڑیاں سو بتیاں بن منے

لیکن اس کو دیکھ کر یہ سمجھ لینا فی الحال خلاف تحقیق ہوگا کہ وجہی نے ابراہیم کی زندگی ہی میں مثنوی کہنی شروع کر دی تھی۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ محمد قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی چمکنے لگا ہوگا اور چونکہ بادشاہ خود دکھنی زبان کا شاعر تھا اس کی رسائی بھی دربار میں بہت جلد ہو گئی ہوگی۔ مثنوی قطب مشتری جس موضوع پر لکھی گئی ہے خود وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ کوئی شاعر بادشاہ سلامت کو ہیرو بنا کر اس وقت تک کوئی عشقیہ قصہ نہیں لکھ سکتا جب تک کہ بادشاہ اس سے غایت درجہ مانوس ہو گیا ہو۔

قطب مشتری کی تصنیف کے وقت وجہی کی شہرت اور مقبولیت یقیناً عروج حاصل کر چکی تھی

، وقت کئی شاعر موجود تھے، اُن میں سے بہت سوں نے متعدد قصے بھی نظم کئے، لیکن ان سب کا وجہی
، حقارت سے ذکر کرتا ہے۔ وہ شاہد ہے کہ دربار میں کوئی اس کے پلے کا نہ تھا اگر اس کے سوا ایک بھی
شاہ کا منظور رہتا تو وجہی تمام شاعروں کی اس طرح بے دھڑک مذمت کرنے کی ہرگز جرارت نہ کرتا۔
اور غالباً یہی غیر معمولی قدر و منزلت اور احساس یکتائی ہوگا جس نے اسے ایک حد تک خود ستا
، مغرور بھی بنا دیا تھا۔ اگرچہ اکثر جگہ اس کی خود ستائی حق بہ جانب بھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس قسم کے شعر
ب مشتری کے دیباچہ میں اس کثرت سے پاسے جاتے ہیں کہ ایک سرسری مطالعہ کرنے والا ان کو پڑھ
نے کے بعد وجہی کے اخلاق کے متعلق اول اول کوئی اچھی رائے نہیں قائم کرسکیگا اس کی خود ستائیوں کے
ض نمونے یہ ہیں۔

(۱) نہ پچھے نہ پہنچیا ہے کن گیاں میں — سو طوطی منج ایسا ہندوستان میں
کہ باتاں یو سن کر مرے گیان گیان — رحیاں تھک ہو قرباں خراسنگیان
جتے شاعران شاعر ہو آئیں گے — سو منج تے طرز شعر کا پائیں گے
(۲) نہ منج کچھ بڑائی نہ منج لاف ہے — دلے عارفاں پاس انصاف ہے
دکھن میں اتھا کئی طرح ہور ریختا — دیا یوں سلاست کو بھی زور میں
(۳) جتے عقل وو ڑاے انداز سوں — کیا میں سکھنے بات اس ناز سوں
نہ کیں ویک کر کس تے پایا ہوں میں — تو تار طرح دل تے لیا یا ہوں میں
جکوی فہم میں ٹک فہمیاں رہیں — سو دو سرباں کے وہ خوشہ چنیاں ہیں
اگر ٹک جو دوڑ یوں بلند دھانوں کوں — اڑون جگ کوں سب باندر پانوں کوں
(۴) اگر کس تے تل خاص کچھ جانتا — اسے دل میں استاد کر مانتا
ہنر سے ہنر اس وضیا کس ستے — نکرے قدم کوئی اگے اس تے
اگر کوئی گیانی چتر گیان ہے — یدنے پانچ گو پانچ میدان ہے
دکھن میں جو دکھنی مٹھی بات کا — ادا نیں کیا کوئی اس دھات کا
اد یوں اتال ہوے تو کیا عجب — کہ عالم سنیا ہے یو چو چیر سب
جو عاقل ہے یو بات مانے رہی — قدر اس ادا کی پچھانے وہی

دیوانہ ہوں میں اس رنگی بات کا — کہ ہر دل میں جیو ہو کرے ٹھار آ
کہاں بات دو چنچل ہوا چلبلی — کہ دل کوں نہوا اس سوں کرے گدگلی
مری بات سن بات اس معانی بول — کہ جیو کوں خوشی ہور دل کوں کلول
یو تہ مول ہے بات اسے بول نین — ہر یک بول ہے وحی یو بول نین
سخن گو وہی جس کی گفتار تھے — او چھل کر پڑے آدمی ٹھار تھے
یو بولیا ہوں سب گنج نارنج ہے — اچھوں میرے دل میں بہت گنج ہے
جو لک برس کوئی سد لیوے سنج کوں — نپائے کدھیں اس چھپے گنج کوں

اظہار خودنمائی اور ہمعصر شاعروں کی عام تحقیر کے باوجود یہ ضرور ہے کہ وجہی غواصی کی بڑھتی ہوئی شہرت اور شاعری سے غافل نہ تھے وہ جانتے تھے کہ اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ زمانہ تک ٹکے رہنا آسان کام نہیں ہے اگرچہ انھوں نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ اپنے ملامتی تیروں کے اصل کا نشانہ غواصی ہی کو بنائیں لیکن ان کی ہمت نہ ہوئی کہ صاف صاف ان کا اور ان کے کارنامے کا (جو غالباً کسی فارسی قصہ کا منظوم ترجمہ ہوگا) مضحکہ اڑائیں انھوں نے غواصی کی نسبت جن اشعار میں اشارہ کیا ہے وہ پیش کیے جا چکے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وجہی کی قدر و منزلت کی معراج اور ملک الشعرائی محمد قلی ہی کے دم کے ساتھ تھی محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) کے پندرہ سالہ زمانہ کی درباری قدردانیاں ابھی تک نامعلوم ہیں لیکن عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے عہد کے حالات ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت غواصی نے وجہی کو پیچھے ہٹا کر خود ان کی جگہ حاصل کر لی تھی اگرچہ وجہی بھی دربار میں موجود تھے تاریخی قطعے اور قصیدے لکھا کرتے تھے اور موقع بہ موقع بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوا کرتے تھے لیکن ان کے کم عمر مد مقابل غواصی کی شہرت اور شاعری نے ان کی قدیم عظمت پر نقاب ڈال دیا تھا۔ اس کے ثبوت میں اس زمانہ کے مورخ نظام الدین احمد کا وہ بیان پیش کیا جا سکتا ہے جس میں ایک ہی جگہ وجہی اور غواصی دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن غواصی کی زیادہ تعریف کی گئی ہے اس بارے میں خود نظام الدین کے الفاظ پیش کیے جا چکے ہیں۔ اس امر کا ایک اور ثبوت نظام الدین احمد ہی کے بیان کردہ ایک دوسرے واقعہ سے ملتا ہے یہ واقعہ ملا غواصی کو بیجاپور کے دربار میں ۱۰۶۶ھ میں ایلچی بنا کر روانہ کرنے سے متعلق ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے ۱۰۶۶ھ میں عادل شاہ نے اپنے دربار کے ایک مشہور شاعر ملک خوشنود کو دکنی مثنوی کا میں نے مکتبہ ہی کے ایک مضمون میں

گولکنڈہ روانہ کیا تھا تاکہ عبداللہ قطب شاہ کی اس مدد کا محمد عادل شاہ کی جانب سے شکریہ ادا کرے جو خواص خاں کو بیجاپور کی حکومت سے بے اقتدار کرنے کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ ملک خوشنود کی عبداللہ نے خاصی قدر و منزلت کی اور جب وہ واپس ہونے لگا تو اُس کے ساتھ غواصی کو بھی بیجاپور تک روانہ کیا۔ جس کا ذکر خود مورخ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"بعد از یک چندے ملا غواصی، شاعر دکنی را رفیق او ساختہ باتحفہ و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں . . . . حضرت عادل شاہ میرزین العابدین پسر شاہ ابوالحسن حاجب تعلیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ، دو زنجیر فیل بزرگ و شش راس اسپ عراقی و دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشار الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز شدند۔"

(دیکھو حدیقۃ السلاطین مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۲۶۹ ب)

ان دونوں تاریخی بیانات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت غواصی کی زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی حالانکہ وجہی زندہ تھا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ غواصی کی ترقی اور وجہی کی کم قدری کرنے میں موخر الذکر کی طویل عمری نے بھی کوئی حصہ لیا ہو۔

وجہی کی شاعری

وجہی کئی باتوں کے لحاظ سے دکن کا ایک واحد ادیب ہے اُس کا موضوع خود اسی کی دماغی پیداوار ہے اس کو اس بات پر فخر تھا کہ اس نے اور شاعروں کی طرح دوسروں سے مضمون اخذ نہیں کیا۔ دوسری زبانوں سے ترجمہ کرنا یا دوسرے مضمون کو ناقد قرار دینا اس کی نظروں میں چوری اور دغا بازی جیسا جرم تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے موضوع کے اپجی ہونے اور دوسروں کی تصنیفات کے ماخوذ ہونے کی نسبت جو خیالات ظاہر کئے ہیں ان کو اوپر نقل کر دیا گیا ہے

وجہی وہ خوش قسمت شاعر ہے جس کے کلام سے نثر اور نظم دونوں کا نمونہ اس وقت موجود ہے اور حسن اتفاق سے دونوں اس کی ادبی قوتوں کے بہترین ثبوت ہیں اُس کی نثر "سب رس" کی خوبیوں سے اہل ذوق ناواقف نہیں، اور اس نظم "قطب مشتری" کی خصوصیات کی نسبت اگرچہ یہاں کوئی تفصیلی بحث نہیں کی جا سکتی تاہم جو کچھ لکھا گیا ہے اور اس کے جتنے شعر پیش کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے ایک حد تک ضرور اندازہ کیا جا سکتا ہے

وہ اِس لحاظ سے بھی گولکنڈہ کا ایک واحد بڑے شاعر ہے کہ اقسام نظم میں سے اس کی صرف مثنوی ہی نہیں بلکہ غزل اور رباعیوں کے بھی چند نمونے قطب مشتری میں موجود ہیں جن کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ وہ دراصل دکھن کا ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا اُس کی اکثر غزلیں شروع سے آخر تک ایک ہی مضمون پر لکھی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ ان میں بالعموم جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے اور اُن کا اسلوب نہایت پاکیزہ اور فطری ہے۔ اُن میں تکلف اور رسمی خیالات کو کوئی دخل نہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول اُردو شاعروں نے ہندی شاعری کی تقلید شروع کی تھی۔ اور یہ کہ اگر وہ اسی پر قائم رہتے تو شاید ان کی شاعری آج کسی دوسرے ہی رنگ میں ہوتی۔ وجہی کی غزلوں کے نمونے تو شہ پاروں کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں یہاں انکی رباعیاں درج کی جاتی ہیں

رباعیوں کے نمونے

(۱) خوشحال ہو بیو آج خوشی پاتا نہیں — پیتا ہوں شراب ہور اثر آتا نہیں
کا نئیاں لکے سب ڈستے ہیں پھول سب — تج باج سکی باغ منجے بھاتا نہیں

(ل-۹۶)

(۲) تج یاد بنا ہور منجے کام نہیں — نس جاگتے جاتی ہے دن آرام نہیں
میں تو تجے منگتی اوکر جیو دلے — توں کیوں منجے منگتا ہے سو کچ فام نہیں

(ل-۱۰۸)

دنیا کے سو لوگاں میں وفادستا نیں — دھنڈ دیکھے جفا باج جفادستا نیں
سب بہر ہنی آرم ہے اس سوں اسکی — دل باندنے میں کچ نفا دستا نیں

(ل-۱۱۱)

وجہی کی شاعری کے نمونوں کے سلسلہ میں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر شعر و شاعری کے متعلق اس کے ذاتی خیالات بھی پیش کر دیئے جائیں۔ ذیل کے شعروں سے نہ صرف یہ معلوم ہوگا کہ وجہی کا معیار شاعری کیا تھا بلکہ یہ بھی کہ آج کے اور آج سے ساڑھے تین سو برس پہلے کے اُردو شاعروں کے ذوق میں متعدد سیاسی اور لسانی تبدیلیوں کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

کہتا ہوں تجے پند کی ایک بات ۔۔۔ کہ ہے فائدہ اس تے دھات دھات

جو بے ربط بولے تو بیتاں پچیس ۔۔۔ بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس

سلاست نہیں جس گھڑی بات میں ۔۔۔ پڑیا جانے کیوں جز نبیکرات میں

جسے بات کے ربط کا فام نیں ۔۔۔ اسے شعر کہنے سوں کچھ کام نیں

نکو کر توں بے بولنے کا ہوس ۔۔۔ اگر خوب بولے تو یک بیت بس

دو پیچ شعر کے فن میں مشکل اچھے ۔۔۔ کہ لفظ ہور معنی یو سب مل اچھے

اسی لفظ کوں شعر میں لیائیں توں ۔۔۔ کہ دیا ہے استاد جس لفظ کوں

اگر خام سے شعر کا تج کوں چھند ۔۔۔ چنے لفظ لیا ہور معنی بلند

رکھیا ایک معنی اگر زور ہے ۔۔۔ ولے بھی مزا بات کا اور ہے

اگر خوب محبوب جیوں سور ہے ۔۔۔ سنوارے تو نورٌ علیٰ نور ہے

اگر لاکھ عیباں اچھے نار میں ۔۔۔ ہنر ہور دے خوب سنگار میں

ہنر مشکل اُس شعر میں بوج ہے ۔۔۔ کہ تھوڑے اچھیں حرف معنی سوئے

دیوانا ہوں میں اس رنگی بات کا ۔۔۔ کہ ہر دل میں جیو ہو کرے ٹھارا

کہاں بات وہ چنچل ہور چلبلی ۔۔۔ کہ دل کوں تمواں سوں کرے گدگلی

سخن گو وہی جس کی گفتار تھے ۔۔۔ اچھل کر پڑے آدمی ٹھار تھے

نکو بول مضموں توں ہور کا ۔۔۔ کہ کالے دو جگ میں موں چور کا

جتا چوری کر چور اپسے سا وہوئے ۔۔۔ وفا باز چلے کوں مانے نکوئے

چرا کر چرا تا نہ دکھے چور کوئی ۔۔۔ یو باتاں سمجھتے سو میں ہور کوئی

"قطب مشتری" کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ پاکیزہ نسخی قلم سے لکھا گیا ہے مثنوی تقریباً دو ہزار شعر پر ختم ہوتی ہے۔ اور اس کے آخری شعر جن میں تاریخ تصنیف اور اس کا نام وغیرہ بیان کیے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

قطب مشتری میں جو بولیا کتاب ۔۔۔ سو ہوی جگ میں روشن کہ جیوں آفتاب

لعل ہور آخر کے کاماں پچھان ۔۔۔ دنیا میں رکھیا ہوں میں اپنا نشان

نشانی رکھے یاں چار اہیں
کہ دائم کوئی رہنے ہار انھیں

شمار ہو کے سنے کے نقطان کھڑیا
تن معنی چن چن ان پر جڑیا

جنے شعر بولیا اسے کیا ہے غم
کہ بیتا رہے ناؤں اس جگ میں جم

تمام اس کیا دیس بارہ منے
سنہ یک ہزار ہور اٹھار اسنے

(ورق ۱۲۱ ل)

مثنوی کے قصہ کا پلاٹ طوالت کے خوف سے یہاں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ انڈیا آفس کے مرتب کیٹلاگ نے جنہیں مثنوی اور اس کے مصنف کے ناموں کا پتہ نہیں چل سکا اس کا مختصر سا پلاٹ نقل کیا ہے جس کے دیکھنے سے اس ادبی شہ کار کی کم از کم نوعیت معلوم ہو سکتی ہے۔

آخر میں وہ چار شعر بھی لکھے دیے جاتے ہیں جو اپنے وطن مالوف کی تعریف میں وجہی کے قلم سے نکل پڑے ہیں۔

دکھن سا نہیں ٹھار سنسار میں
پنچ فاضلاں کا ہے اس ٹھار میں

دکھن ہے نگینا انگوٹھی ہے جگ
انگوٹھی کوں حرمت نگینا ہی لگ

دکھن ملک کوں دھن عجب ساج ہے
کہ سب ملک سر ہور دکھن تاج ہے

دکھن ملک بھوت خاصا اہے
تلنگانہ اس کا خلاصہ اہے

(ورق ۱۰۵ ب)

احمد

سلطان محمد قلی کے زمانے کا یہ دوسرا مشہور شاعر ہے سب سے پہلے ابن نشاطی نے اپنی کتاب پھول بن میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کو گولکنڈہ کے بہترین شاعروں کے طبقے میں شمار کیا ہے۔ اس کی زندگی اور کلام کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں، بہرحال یہ یقینی ہے کہ وہ ایک درباری شاعر تھا اور اس نے محمد قلی کی فرمائش پر لیلیٰ مجنوں کو نظم کیا ہے احمد کے لیلیٰ مجنوں کا ایک نامکمل مخطوطہ پروفیسر محمود شیرانی، مصنف "پنجاب میں اردو" کے ہاں محفوظ ہے۔

موجودہ حصہ صرف ۰۰ ۵ اشعار پر مشتمل ہے اور وہ بھی شکستہ خط نسخ میں تحریر ہے۔ تمہید سے کوئی مفید معلومات

حاصل نہیں ہوئیں سوائے اس کے کہ یہ کام بادشاہ کی خواہش پر شروع کیا گیا تھا۔ زبان کم و بیش دکھنی سے مشابہت رکھتی ہے اور ہندی الفاظ اور جملوں سے مالا مال ہے۔

(۳) میراں جی خدانما

شاہ میراں جی حسن عام طور پر میراں صاحب اور خدانما کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے پہل عبداللہ قطب شاہ کے دربار کے محکمۂ عالم روزگار میں ملازم تھے ایک مرتبہ جبکہ وہ کسی کام سے بیجاپور بھیجے گئے تھے تو ان کی ملاقات شاہ امین الدین اعلیٰ سے ہوی (جو زبان اردو کے ایک ادیب تھے) اور وہ ان کے مرید ہو گئے۔ حیدرآباد واپس ہونے پر صوفیانہ زندگی اختیار کی اور جب سنہ ۱۰۹۷ ہجری میں وفات پائی تو وہ ایک ولی مانے گئے۔

میراں جی نے بہت سے مقالے اردو نثر میں لکھے ہیں جن میں سے ایک "شرح شرح تمہید" ہے جس کے دو مخطوطے اب تک موجود ہیں۔ اور جو ایک قدیم صوفیانہ فارسی تصنیف تمہیدات عین القضات مصنفہ عبداللہ بن محمد ہمدانی جو عام طور پر عین الغزالی کے نام سے مشہور ہے کی شرح ہے وہ شیخ احمد غزالی کے شاگرد تھے (جو مشہور امام غزالی رح کے بھائی تھے) اور انھوں نے بہت سی فارسی اور عربی تصانیف چھوڑی ہیں۔

میراں جی کی شرح کم و بیش اصل فارسی تصنیف کا ایک ترجمہ ہے اور دس ابواب پر منقسم ہے۔ اس کے مسودے انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہیں۔

وہ اقتباسات جو "رسالہ اردو" (جلد ۸ شمارہ ۳۰) میں دیے گئے ہیں بتلاتے ہیں کہ میراں جی کا اسلوب نہایت سادہ اور اعلیٰ تھا یہ کتاب بہ نسبت سب رس کے جو پینتیس ۳۵ سال بعد تصنیف ہوی زیادہ حقیقی اور سلیس ہے۔

محمد قطب شاہ

(۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ)

محمد نے جو محمد قلی کا بھتیجا، داماد اور جانشین تھا، سترہ سال تک حکومت کی۔ یہ اپنے چچا کا حقیقی پیرو اور سچا متقلد تھا۔ اس نے اپنے عہد میں نہایت شاندار عمارتیں بنوا کر چچا کے عہد کی شان و شوکت میں اور چار چاند لگا دیے۔ اس نے اپنے چچا کے پیدا کیے ہوئے اس ادبی اور لسانی مذاق سے بھی بے حد استفادہ کیا۔ اور ان تمام شاعروں اور ادیبوں کی جو دربار حیدرآباد سے تعلق رکھتے تھے سرپرستی کی وہ خود ایک اچھا شاعر تھا اور دو دیوان چھوڑ رہے ہیں جن میں سے ایک دکنی زبان میں اور دوسرا زبان فارسی میں ہے۔ یہ دونوں دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ اردو دیوان آغا حیدر حسن صاحب کے کتب خانہ میں بھی نظر سے گذرا ہے۔ محمد قطب شاہ زبان دکنی میں "قطب شاہ" اور فارسی میں ظل اللہ تخلص کرتا تھا۔

محمد قطب شاہ کا کلام محمد قلی کے اشعار سے اسلوب کی خوبی اور سادگی میں کسی طرح کم نہیں ہے۔

اپنے چچا کی مانند محمد قطب شاہ نے بھی نظم کی مختلف شکلوں یعنی رباعی، غزل، ترکیب بند اور مرثیہ میں کمال حاصل کیا لیکن کسی شکل میں بھی وہ اپنے چچا کی برابری نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے کہ اسکے گہری علمی معلومات کی وجہ سے اسکو چچا پر سبقت حاصل ہے۔

اپنے کتب خانہ کی کتابوں کے سادہ اوراق پر خود اپنے اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشتیں کتابوں اور ان کے مصنفوں کے متعلق نہایت مفید معلومات اور عمدہ تنقیدیں ہیں۔

ایک ہمعصر مورخ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان تمام یادداشتوں کو جمع کرے تو وہ ادب کی ایک عجیب تاریخ ہوگی

دکنی ادب اُس کے عہد میں

یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اگرچہ محمد خود شاعر اور ادب کا قدر دان تھا، اگرچہ اُس کا عہد محمد قلی کے بعد ہی شروع ہوا لیکن اس کے عہد کی بہت کم دکنی نظمیں اس زمانہ میں موجود ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مشہور شاعر وجہی اور اس کے دوسرے ہم عصر خصوصاً غواصی اُس کے درباری شاعر تھے اور قطبی، جنیدی اور ابن نشاطی وغیرہ شعرا جن کا کلام اس کی وفات کے بعد لکھا گیا جو اب بھی موجود ہے) اُسی کے عہد میں تھے اور یقیناً اُسوقت بھی اُنہوں نے بہت کچھ لکھا ہوگا۔ لیکن اس کے دربار کے ادبی کارناموں کے متعلق بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں۔

یہ بہت ہی افسوسناک ہے کہ اس کے دربار کے مورخین جو اکثر اس کے مشاعروں، مبارکبادی کے قطعوں اور نظموں کا جو مختلف موقعوں پر لکھی گئی تھیں، اور اس کی داد و دہش کا ذکر کرتے ہیں، کبھی نہ تو شاعر کا نام ہی بیان کرتے ہیں اور نہ اُن کی نظموں ہی کو نقل کرتے ہیں۔

وجہی، غواصی، جنیدی اور ابن نشاطی کے علاوہ جو یقیناً اس کے درباری شاعر تھے، اور جن کا ذکر بادشاہ عبداللہ کے عہد میں ہوگا، راقم نے تین اور شاعروں کا پتہ چلایا ہے جو اُس کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نام احمد، شوقی اور خیالی ہیں۔

ابن نشاطی نے اُن کا ذکر دوسرے مرحوم شعرا یعنی محمود اور فیروز کے ساتھ اپنی پھول بن میں کیا ہے۔ اپنی تالیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ابن نشاطی افسوس ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی کتاب اُن مرحوم شعرا کو نہ بتا سکا جنکی قابلیتوں کے متعلق بدقسمتی سے وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھتا کہ (۱) احمد کا پورا نام شیخ احمد تھا اور اگر وہ زندہ ہوتا تو وہ اُسکی کتاب کی اعلیٰ ماہیت کا صحیح اندازہ لگاتا (۲) شوقی کا نام حسن تھا اور وہ ابن نشاطی کی کتاب کو نہایت پسندیدہ نظر سے دیکھتا۔ (۳) ملا خیالی اگر ہوتے تو وہ پھول بن کے کمال کو دیکھکر محظوظ ہوتے۔

حسن شوقی

یہ دکن کا ایک عجیب وغریب شاعر تھا۔ یہاں کی تقریباً ہر اسلامی سلطنت کے ساتھ اس کا تعلق رہا۔ کبھی وہ نظام شاہیوں کے دربار میں تھا تو کبھی عادل شاہیوں کے یہاں۔ کسی وقت محمد عادل شاہ نے سرفراز کیا تو کبھی قطب شاہیوں نے۔

اس کا نام حسن تھا۔ اور اپنی زندگی ہی میں کافی شہرت حاصل کرلی تھی۔ گولکنڈہ کے خوش مذاق شاعر ابن نشاطی نے اپنے قصہ پھولبن میں جہاں اور مشہور ومعروف شاعروں کا ذکر کیا ہے اس کا بھی نام لیا ہے۔ اور متوقع ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے کلام کی بہت داد دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوقی ۱۰۶۶ (پھولبن کی تاریخ تصنیف) سے پہلے انتقال کرچکا تھا۔

شوقی کی تصنیفات ہی سے اس وقت دو مکمل کتابیں اور چند غزلیں محفوظ ہیں۔ پہلی کتاب ظفرنامۂ نظام شاہ اس مشہور جنگ کی ایک شاعرانہ تاریخ ہے۔ جو والی وجیانگر رام راج اور دکن کے مسلمان حکمرانوں میں واقع ہوی تھی۔ اور جس کی فتح کا سہرا مصنف نے نظام شاہ ہی کے سر باندھا ہے۔ حالانکہ اس میں دوسرے شرکاء کا بھی خاصہ حصّہ تھا۔

اس کتاب سے نہ صرف اُس زمانہ کے تاریخی اور معاشرتی حالات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اُس دور کی ادبی ترقیوں کا خاصہ اندازہ قائم ہوتا ہے۔

شوقی کی دوسری مثنوی "میزبانی نامۂ سلطان محمد عادل شاہ" ہے۔ اس میں محمد عادل شاہ کی اسکے وزیر مصطفیٰ خان کی لڑکی سے شادی ہونے کا بڑا پرلطف اور ادبی بیان لکھا ہے۔ اس سے اصل تاریخی واقعات سے زیادہ معاشرتی حالات کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ عیش وعشرت کے جتنے لوازمے ہیں ان سب پر نہایت اُستادانہ طریقہ پر شاعری کی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن نشاطی شوقی سے داد کا خواہاں تھا۔ اس نے بھی شادی کی دُھوم دَھام اور عیش وعشرت کے بیانات نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں۔

بدقسمتی سے شوقی کے متعلق اسوقت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ اُردو کا ایک اچھا شاعر ہے۔ اس کے کلام کے مخطوطے انجمن ترقی اُردو میں بھی محفوظ ہیں۔

عبداللہ قطب شاہ

(۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ)

عبداللہ قطب شاہ اس خاندان کا ساتواں بادشاہ ہے۔ اُس نے تقریباً پچاس سال حکومت کی جو قطب شاہی تاریخ میں سب سے بڑا دورِ حکومت ہے۔ اگرچہ اس کو مغلوں کی وجہ سے بہت سی سیاسی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا تاہم اس نے ادبی ذوق اور دارالخلافہ کی آرائش میں کوتاہی نہ کی۔

اس کے عہدِ حکومت میں گولکنڈہ کے اردو ادب کا سنہری دور کمال عروج کو پہنچ چکا تھا۔ بہت سے زبردست ادبی کارنامے اس کے عہد میں پائے جاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ دکنی ایک مستند زبان بن گئی تھی۔

عبداللہ عالم اور شاعر بھی تھا۔ اُس نے اپنے پیشروکی مانند فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں دیوان چھوڑے۔ مصنف محبوب الزمن نے کئی ایک اشعار اس کے دکنی کلام سے نقل کئے ہیں۔ اسکا طرز محمد قطب شاہ کے طرز سے زیادہ صاف اور واضح ہے۔ اس کا تخلص عبداللہ تھا۔

عبداللہ کا عہدِ حکومت اس کے پیشرؤوں کی طرح گمنامی کا عہد نہیں ہے۔ اس کے دربار کے مورخ نظام الدین احمد نے تاجپوشی سے لیکر ۱۰۲۹ھ تک کے واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ اُس کی سوانحعمری حدیقۃ السلاطین میں بیان کئے ہیں جو اُس کے زمانہ کی معاشری زندگی پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ اور بتلاتی ہے کہ کس طرح اور کہاں دکنی اور فارسی زبان کے شعرا جمع ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات رات رات بھر محفل مشاعرہ گرم رہتی عیدوں اور خوشیوں کے موقعوں پر بادشاہ کی خدمت میں تہنیت اور مبارکبادی کے اشعار پیش کئے جاتے اس میں مشاعروں کے بہت سے نام درج ہیں۔ مثلاً رونقی، قیصر، خلقی، عبدالجبار گیلانی وغیرہ وہ آگے چلکر بتلاتا ہے

کہ بادشاہ اور اُس کے مصاحب محترم میں کس قسم کی گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔ جس سے اُس کے زمانے میں مرثیہ نویسی کی ترقی پر مفید روشنی پڑتی ہے۔

عبداللہ کی سوانح عمری اس لئے بھی مفید اور اہم ہے کہ اس سے ہمکو اُس کے عہد کے چند شعرا کے متعلق ضروری مواد حاصل ہوتا ہے جنکا ہم آگے ذکر کریں گے۔

غواصی

اسکے کلام، ہم عصر تاریخوں اور ادبی ذخیرہ کے معائنہ سے اس بڑے شاعر کے حالات کا پتہ چلتا ہے جو تمام دوسرے دکنی شاعروں کے مانند عوام کی نظروں میں اب تک گمنام ہے۔

یہ ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا اور عمر میں وجہی سے چھوٹا تھا۔ محمد قلی کے عہد میں اس کی شاعری نے اسوقت جبکہ وہ وجہی کا حریف بن چکا تھا اُس کو مشہور کیا۔

چونکہ محمد قطب شاہ کے زمانے کے ادبی کارنامے ابتک معلوم نہ ہو سکے اسلئے یہ کہنا مشکل ہے کہ دربار میں غواصی کا کیا رتبہ تھا لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ بادشاہ اس کی سرپرستی نہیں کرتا تھا کیونکہ جب اُس نے اپنی پہلی طویل مثنوی "سیف الملوک" عبداللہ قطب شاہ کی تاجپوشی کے بعد ہی لکھی تو وہ بہت غریب حالت میں تھا۔ اس مثنوی کے خاتمہ پر وہ اپنی اُمید کا اظہار کرتا ہے کہ اگر بادشاہ کو اسکا کلام پسند آجائے تو اس کی مصیبت زدہ حالت بدل جائیگی یہ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت دربار میں ملازم تھا لیکن جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ اگرچہ وہ ایک معمولی ملازم تھا لیکن سب سے بڑا شاعر تھا۔

وجہی کے مانند، باوجود غربت کے، غواصی بھی ایک مغرور شاعر تھا۔ خودستائی کے اظہار کے لحاظ سے اس کی پہلی مثنوی کسی طرح بھی قطب مشتری سے کم نہیں ہے اگرچہ وہ کسی خاص شاعر کی ہجو نہیں کرتا لیکن اُس کے حملے بہت زیادہ اور سخت ہیں۔ وہ خیال کرتا ہے کہ تمام دوسرے شاعروں کی شاعری کا انحصار اُسی پر ہے اور وہ اس کی شاعری سے مستفید ہوتے ہیں۔

یہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہی مغرور غواصی چودہ سال بعد اپنی دوسری مثنوی "طوطی نامہ" لکھتے وقت بالکل بدل گیا تھا۔

فی الحقیقت اس طویل مدت میں اُس میں خاصی تبدیلی ہوگئی تھی اسوقت اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا، وجہی غالباً

مرچکا تھا اور درباری شعراء میں سب سے بڑا شاعر ہی تھا اور بادشاہ کی بھی اُس پر خاص نظر عنایت تھی جسکا ذکر خود اس نے اس نظم کے دیباچہ میں کیا ہے۔

طوطی نامہ لکھنے کے چار سال بعد یعنی ۱۰۴۹ھ میں جبکہ وجہی نے سب رس لکھی تھی۔ غواصی کی شہرت انتہائی بلندی پر پہونچ چکی تھی، عبداللہ کی سوانح عمری میں غواصی کا دلچسپ حال تحریر ہے جس کا ایک سرسری خاکہ ہم نے ملک خوشنود کے بیان میں بھی پیش کردیا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح غواصی اپنے زمانہ میں تبدل ہوگیا تھا۔ اس کو ایک معتبر درباری کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی وہ بیجاپور کے دربار میں بحیثیت سفیر کے روانہ کیا گیا تھا۔ وہاں اس کی خاطر خواہ آؤ بھگت کی گئی تھی۔ اور جب وہ گولکنڈہ واپس ہونے لگا تو شاہ بیجاپور محمد عادل شاہ نے اس کے ساتھ ایک بڑا ہاتھی، پانچ عراقی گھوڑے اور رو و بیش بہا اشیا سے بھرے ہوئے صندوق بطور تحفہ کے روانہ کئے تھے۔

غواصی کو بالعموم شیعہ مسلمان تصور کیا جاتا ہے مگر اندرونی شہادت اس کے سنی ہونے کا علانیہ طور پر اظہار کرتی ہے۔ مثنوی "سیف الملوک" میں اس نے نہایت ہی جوش کے ساتھ صحابہ رسول اللہ، حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی اور خواجہ بندہ نوازؒ کی مدح لکھی ہے۔

اس مخطوطہ میں شاعر کی بھی ایک تصویر کھنچی ہوئی ہے اس طرح سے کہ ایک نوجوان آدمی مختصر مونچھ داڑھی کے ساتھ درباری لباس پہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بیاض لئے کھڑا ہوا ہے، اس کے پیچھے ایک سیاہ فام لڑکا، شاید غلام ہوگا، بغل میں کتاب دبائے کھڑا ہے۔

غواصی کی پہلی نظم "سیف الملوک و بدیع الجمال" غالباً محمد قطب شاہ کے عہد میں شروع ہوئی لیکن عبداللہ کے عہد حکومت کے پہلے سال یعنی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی۔ اس میں ... ۲ شعر ہیں شاعر کے قول کے مطابق یہ اشعار بلا کسی رکاوٹ کے لکھے گئے۔ قصہ اپنی نہیں ہے بلکہ الف لیلیٰ کے قصے شاہ مصر سیف الملوک اور چین کی شہزادی بدیع الجمال سے ماخوذ ہے۔ اس مثنوی کا اسلوب بیان قطب مشتری کی طرح سادہ اور دلکش نہیں ہے اور نہ گلشن عشق کی طرح صاف اور پسندیدہ ہی ہے اگرچہ نہ تو اسمیں زیادہ پیچیدگیاں ہی ہیں اور نہ تصنع ہی پایا جاتا ہے۔ غواصی بالعموم ہندی ترکیبیں، خیالات اور محاورے استعمال کرتا ہے مگر اس کے ہمعصر نصرتی اور ابن نشاطی ایسا نہیں کرتے تھے۔

غواصی نے اپنی دوسری نظم طوطی نامہ کو پہلی نظم کے ختم ہونے کے چار سال بعد ہی لکھنا شروع کیا تھا لیکن

جب اس کے دوستوں اور پرستاروں نے مجبور کیا تو اس نے اس نظم کو آخر کار سنہ ۱۰۴۹ھ میں ختم کیا اس نے پورے قصہ کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ چند واقعات کو جن کو انہیں چار ہزار اشعار میں نظم کیا ہے۔

اختتام پر اس نے اور ستر اشعار کا اضافہ کیا ہے جس میں صوفیانہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان میں وہ اپنے آپ کو دنیادار ہونے کی حیثیت سے لعنت ملامت کرتا ہے اور تصفیہ کر لیتا ہے کہ آئندہ سے نظم نہ لکھا کریگا، اور اختتام پر دنیوی معاملات میں دخل دینے سے توبہ کرتا ہے۔

طوطی نامہ کا اسلوب بیان سادہ اور دلکش ہے، اس سے غواصی کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے اظہار محبت اور جذبات کے لحاظ سے یہ سیف الملوک کے ہم پلہ ہے لیکن موخر الذکر شاعرانہ خصوصیات کے لحاظ سے مقابلتہً برتر ہے۔

قطبی

یہ بھی گولکنڈہ کا شاعر تھا، اس نے دہلی کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ نصیر الدینؒ کے مرید شیخ یوسف دہلوی کی مذہبی کتاب تحفۃ النصائح کا ۱۰۸۱ھ میں بزبان دکھنی ترجمہ کیا ہے۔

دکھنی تحفۃ النصائح میں ... کے قریب اشعار ہیں، قصیدہ کی طرز پر لکھی گئی ہے اور ردیف و قافیہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ فارسی میں کتاب کو ۴۵ ابواب پر منقسم کیا گیا ہے، اور ہر باب میں ایک علیحدہ مذہبی موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ مولوی عبد الغنی صاحب کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نسخہ جو ۱۱۰۶ھ میں لکھا گیا ہے راقم کے ایک دوست کے یہاں ہے ۔ ان دونوں نسخوں کے آخری اشعار ادبی تحقیقات کرنے والوں میں مصنف اور اس کے ممدوح کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا کر دیتے ہیں جن کی نسبت کسی اور جگہ بحث کی جائے گی۔

فی الحال قطبی کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، شمالی ہند میں ایک اور شاعر تھا جس کا تخلص بھی قطبی تھا اس کی کتاب تیرہ ماسہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے اس کتب خانہ کے کیٹلاگ اور ان تمام تحریرات میں جو دکھنی مصنفات کے متعلق ہیں تیرہ ماسہ کو تحفۃ النصائح کے مصنف کی دماغی پیداوار تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں کچھ بھی تعلق نہیں۔

راقم نے قطبی کے اس مخطوطہ کا بھی شروع سے آخر تک مطالعہ کیا جو انڈیا آفس میں موجود ہے (نمبر ۵۱ تا ۳۵۹ب) اور جس سے یہ نتیجہ نکالا کہ۔

۱۔ تحفۃ النصائح کے مصنف قطبی کا مصنفِ تیرہ ماسہ سے کوئی تعلق نہیں دونو بالکل علیحدہ شخصیتیں ہیں ایک شمالی ہند کا

باشندہ ہے اور دوسرا دکھن کا۔
۲۔ شمالی ہند کا قطبی دکھنی شاعر کی وفات سے ایک صدی بعد پیدا ہوا تھا۔
۳۔ شمالی ہند کا قطبی مرزا جان جاناں مظہر کا مرید تھا چنانچہ اُس نے اپنی کتاب بارہ ماسہ میں مظہر کے لئے حد درجہ تعریف اور اعتقاد کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے صوفی شاعر، جان جاناں مظہر کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

جنیدی

"اُردوئے قدیم" کے مصنف کی نظروں سے جنیدی کی کتاب "ماہ پیکر" کا کوئی مخطوطہ نہیں گزرا ہے اُنہوں نے صرف اسٹیوارٹ کی ذمہ داری پر جنیدی کا نام شیخ احمد بتلایا ہے۔ لیکن اسٹیوارٹ نے نہ تو ماہ پیکر کے مصنف کا نام لکھا ہے اور نہ اس کے متعلق کچھ حالات درج کئے ہیں، اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تاریخ یعنی شاہ عبداللہ کی سوانح عمری (دیکھو ضمیمہ) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام علی اکبر جنیدی دکھنی تھا، اگرچہ مخطوطہ میں یہ نہیں لکھا ہے کہ عبداللہ قطب شاہ کا زیر بحث درباری جنیدی مہ پیکر کا مصنف تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ماہ پیکر کا مصنف جنیدی، عبداللہ کے عہد حکومت کا شاعر تھا ونیز اس کے متعلق کوئی ثبوت اور سند نہیں ہے کہ اس کا نام شیخ احمد تھا پس اس صورت میں ہمیں اس کا نام علی اکبر تسلیم کرنے میں شبہ کی بہت کم گنجائش نظر آتی ہے۔

مثنوی ماہ پیکر کی نسبت بھی بہت کم معلومات اِس وقت حاصل ہیں اتنا ضرور علم ہے کہ وہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۶۱ھ میں لکھی گئی تھی اور یہ کہ اس کا ایک قلمی نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں محفوظ تھا۔

ابن نشاطی

ابن نشاطی بھی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا شاعر ہے۔ رستمی بیجاپوری کی طرح یہ بھی دربار شاہی سے غالباً بہ حیثیت مصنف وابستہ تھا اور اس کی شخصیت کسی طرح گمنام نہیں تھی۔

وہ جیسا کہ اپنی واحد مثنوی پھول بن کی تمہید میں لکھتا ہے نثر نویس تھا اور اس سے قبل شعر گوئی کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کہتا ہے "میں غزلیں نہیں کہتا لیکن یہ میری کامیابی میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ نظامی اور سعدی جیسے اکابر شعرا نے بھی غزل گوئی نہیں کی اور میں بھی ان کی طرح محض مثنوی ہی کی بدولت شہرت ومقبولیت حاصل کروں گا۔"

ایک اور جگہ وہ کہتا ہے "اگر میں بادشاہ کے درباریوں اور شاعروں میں ہوتا یا فکر معاش کے جھمیلوں سے بالکل فارغ ہوتا تو یقیناً نہایت عظیم الشان کارنامہ اپنی یادگار چھوڑ جاتا"۔

دوسرے شاعروں کے برخلاف وہ کسی شاعر پر اعتراض کرتا ہے نہ کسی کا شاکی ہے وہ اس سے خوش ہے کہ وہ بڑا آدمی نہیں تاہم سب لوگ اس کو مانتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت کرتے ہیں وہ اپنی قسمت پر شاکر نظر آتا ہے اور اپنی تصنیف کی خلاف توقع کامیابی پر اس کو فخر و ناز ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے زندہ شاعروں کی توصیف و تعریف کا خواہشمند نہیں۔ وہ ان کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ صرف فیروز، محمود، خیالی، احمد، اور شوقی کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ یہ لوگ اس کی شوقیہ تصنیف کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھینگے۔ اُس نے مثنوی کے اختتام پر ایک غزل بھی لکھی ہے جس میں اپنی اس سعی کی بڑی تعریف کی ہے اور غالباً اس کا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ وہ چاہے تو غزل بھی لکھ سکتا ہے۔ تمہید میں وہ لکھتا ہے کہ اس کا ارادہ کسی اصل تصنیف و تالیف سے اپنا نام دنیا میں یادگار چھوڑ جانا تھا اور جب اس نے ایک فارسی قصہ موسوم بہ "بساتین" پڑھا تو اس کو ترجمہ کرنے کے قابل پایا۔ اس خیال کو اس لئے بھی تقویت ہوئی کہ اصل فارسی کتاب میں اس کو متعدد اشکال نظر آئے اُس کو دکھنی میں منتقل کرنے اور الفاظ اور معنی کے تمام اشکال اور الجھنوں کو دور کر کے سلیس و سادہ بنانے کے لئے اس نے اپنے آپ کو اہل پایا اور چنانچہ ۱۰۶۶ھ میں تین ماہ میں سترہ سو شعر لکھکر اس کو مکمل کر دیا۔

پھول بن بلا شبہ ان چند نظموں میں سے ہے جو حقیقی معنوں میں سخت کد و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس کے مصنف کا اصل مقصد ایک خالص ادبی اور دلچسپ کتاب تحریر کرنا تھا نہ کہ فارسی قصے کا خشک اور لفظی ترجمہ کرنا۔ جیسا کہ اُس نے خاتمہ پر بتایا ہے، اس امر کی کوشش کی ہے کہ علم معانی کے اصول و قواعد کے موافق انتالیس قسم کی مصنوعی خوبیاں پیدا کرے۔ اس پر بھی یہ نظم اس قسم کی محض مشق نہیں رہی۔

زبان و طرز بیان کے لحاظ سے یہ دکھنی کی بہترین مثنویوں میں سے ہے۔ اس کی بحر بھی خاص اور دلکش ہے مصنف اپنی طبیعت کی اپج اور اصلی جوش کو قدم قدم پر ظاہر کرنے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ تقاریب اور شادی کی رسومات کے جو بیانات اس میں پیش کئے گئے ہیں بالکل نیچرل اور حیات انسانی کے بالکل مطابق ہیں۔ وہ سلطنت قطب شاہیہ کی معاشرت اور رسم و رواج کی اعلیٰ تصویریں ہیں۔

پھول بن کا خاتمۃ البیان گولکنڈہ کی اردو شاعری اور مصنف کی زندگی کی نہایت اہم تاریخی دستاویزوں میں سے ہے۔ یہ اصل کتاب کی تکمیل کے کئی برس بعد شریک کیا گیا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اِس

تصنیف کے بعد سے کیسی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک طرف بادشاہ نے اس کو شایانِ شان سرفراز کیا تو دوسری جانب موضوعِ کتاب کے ادیبانہ طرزِ بیان نے پبلک کو بھی اس کا گرویدہ بنا لیا۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ قلعہ سدھوٹ میں ایک دولتمند جاگیردارنی تھی جو معہ اپنے شوہر و دست ارکین خاندان کے (جن کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے) ادبیات سے بحد لگاؤ رکھتی تھی۔ وہ ابن نشاطی کی تصنیف سے بہت محظوظ ہوئی اور چاہا کہ اس کو عمدہ تصاویر کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔ اس نے شادی کے بیان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا۔ یہ بتا دینا خالی از دلچسپی نہیں کہ انڈیا آفس کا مخطوطہ خوش قسمتی سے وہی نسخہ ہے جو اس خاتون کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد خوشنما اور اعلیٰ درجہ کی تصاویر ہیں اور نفیس خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔

خود مصنف کی بھی ایک پاکیزہ اور چھوٹی تصویر ہے جو خواسی کی تصویر سے جو اس کے سیف الملوک کے مخطوطے میں ہے، زیادہ اصلی اور فن کارانہ ہے۔ اس میں ابن نشاطی ایک ادھیڑ شخص دکھایا گیا ہے جو اپنے دیوان خانے میں ہاتھ میں بیاض لئے بیٹھا ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ابن نشاطی ایک اور نظم طوطی نامہ کا بھی مصنف ہے مگر راقم الحروف کو اس کے ماننے میں تردد ہے اور کوئی ثبوت ایسا نہیں جس سے طوطی نامہ کو ابن نشاطی کی تصنیف تسلیم کیا جائے۔ اس کے برخلاف مندرجہ ذیل وجوہ سے راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ ابن نشاطی نے ایسی کوئی نظم نہیں لکھی۔

۱۔ جن لوگوں نے طوطی نامہ کو ابن نشاطی کی تصنیف بتایا ہے وہ سب اپنا ماخذ اسٹیورٹ کو بتاتے ہیں مگر خود اسٹیوارٹ نے ابن نشاطی کا نام نہیں لکھا ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ایک ہی جگہ پھول بن اور طوطی نامہ دو کتابوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا مصنف آواری (؟) ہے مگر اس سے کافی طور پر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ آواری ہی ان دونوں نظموں کا مصنف ہے یا یہ کہ آواری ابن نشاطی کا تخلص ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اسٹیوارٹ پھول بن کے مصنف کا نام معلوم نہ کر سکا ہو اور طوطی نامہ کے مصنف کا نام اس کو مل گیا ہو اور چونکہ یہ دونوں نظمیں ایک ہی سلسلہ میں لکھی گئی تھیں اس نے یہ خیال کر لیا کہ یہ دونوں ایک ہی مصنف کی کتابیں ہیں اور یہ کہ آواری پھول بن کا مصنف ہے۔

۲۔ دوسرا مصنف جس نے ابن نشاطی کے طوطی نامہ کا ذکر کیا ہے وہ گارساں دی تاسی ہے جس نے خود آواری کا طوطی نامہ دیکھا تھا مگر وہ کسی طرح یہ ثابت نہیں کرتا کہ ابن نشاطی اور آواری ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

راقم الحروف نے پھول بن کے مخطوطے میں آزاری کا نام تلاش کرنے میں امکانی کوشش کی مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

۳۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ پھول بن ابن نشاطی کی پہلی نظم ہے۔ اس نے ۱۰۶۵ھ سے قبل کوئی نظم نہیں لکھی حالانکہ دی تاسی کا کہنا ہے کہ آزاری کا طوطی نامہ ۱۰۶۱ھ میں لکھا گیا۔ اس طرح واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ طوطی نامہ کو ابن نشاطی نے نہیں لکھا۔

۴۔ آزاری کے طوطی نامہ کی تاریخ تصنیف جو دی تاسی نے دی ہے وہی ہے جو غواصی کے طوطی نامہ کی ہے۔ گمان ہو سکتا ہے کہ دی تاسی نے جو طوطی نامہ دیکھا تھا وہ غواصی ہی کا ہوگا لیکن دی تاسی نے دونوں کے طوطی نامے دیکھے تھے اور ایک دوسرے میں امتیاز بھی کیا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں کہ دوسرا طوطی نامہ کسی گمنام شاعر آزاری نے ترجمہ کیا ہو جس کو ابن نشاطی سے کوئی تعلق نہیں۔

میراں یعقوب

میراں یعقوب کی زندگی کے متعلق بہت کم علم ہے۔ ان کا کارنامہ قدیم دکھنی نثری کتابوں میں شمار کیا جا سکتا ہے وہ ایک تصوف کی فارسی کتاب شمائل الاتقیا مصنفہ شیخ رکن الدین عماد کاشانی مرید شیخ برہان الدین کا ترجمہ ہے۔ رکن الدین نے اپنی کتاب میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے مضامین سو سے زیادہ فارسی اور عربی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ ایک ایسی کتاب کا اس خوبی سے ترجمہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ میراں یعقوب ایک معمولی درجہ کے انشا پرداز نہیں تھے۔

میراں یعقوب نے اپنی کتاب ۱۰۸۱ھ کے قریب ختم کی۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اس کی ترکیب بالکل فارسی کتاب کی طرح ہے۔ یہ کتاب اسلوب کے لحاظ سے ایک ٹھیٹ دکھنی ترجمہ کہلائی جا سکتی ہے۔

طبعی

طبعی کی "بہرام و گل اندام" کا ایک سرسری مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دکھنی زبان کے بہترین کارناموں میں سے ہے۔ اس کی زبان، اسلوب بیان، شاعرانہ نزاکتوں اور ادبی حلاوتوں پر اس مختصر سے تذکرہ میں تفصیلی نظر نہیں ڈالی جا سکتی۔

طبعی کی تصنیف ظاہر کرتی ہے کہ اس کا لکھنے والا نہ صرف ایک شاعر ہے بلکہ ایک سلیقہ مند مصنف بھی۔ اس نے اشعار کی تعداد اور عنوانات کی تقسیم اس قدر باضابطہ طریقے پر کی ہے۔ کہ یہ مثنوی بجائے ایک فسانہ کے

ایک علمی اور سائنٹفک کتاب معلوم ہوتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ساری کتاب یعنے ۴۴۰ شعر صرف چالیس ہی دن میں لکھ ڈالے۔

کیا ہوں میں چالیس دن میں کتاب | بہوت فکر کر رات دن بے حساب
یو نامہ پڑیں گے تو ہر نامدار | پڑو فاتحہ نام لیسے لر مرا
گنا بیت بیتاں کوں میں ایک جو دل | ہزار اور ہے تین سو پر چہل
اتھا سال تاریخ کا خوب نیک | سنہ یکہزار اور ہشتا د ایک
یو نامے کو لطبی کیا ہے تمام | بحق محمد علیہ السلام

زیر نظر مخطوطے میں تقریباً ۱۲۵۰ شعر ہیں۔ نہ معلوم دو ہزار ایک سو شعروں کا کیا حشر ہوا۔

لطبی قطب شاہیہ دور کا آخری بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو اپنی شاعری کی خوبیوں کا احساس بھی تھا۔ ملک خشنود دولت اور ابن کے برخلاف اُس نے اپنے کارنامہ کی تعریف بھی کی ہے۔ اور اپنے مخالفوں اور معترضوں پر سخت سے سخت چوٹیں کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی موضوع پر لکھنے والے دوسرے شاعروں کی طرح محمد د شہرت کا نہیں تھا۔ اُس کی شہرت پھیل چکی تھی اور اُس کی شاعری پر لوگوں کی نظریں اُٹھتی تھیں۔ اظہار خود اعتمادی کے ساتھ ہی لطبی دوسرے بڑے شاعروں کی عزت بھی کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دکنی بہت زیادہ مقبول ہوگیا تھا۔ چنانچہ لطبی خواب میں اُس سے اپنی اس مثنوی کی داد حاصل کرتا ہے اور اس خواب کو بھی اپنے کلام کے بہتر ہونے کا ایک ثبوت قرار دیتا ہے۔ بعض اشعار یہ ہیں۔

گیا میں جو یو مثنوی بولنے | یو موتیاں پچھال ڈھال یوں رولنے
یو دتھی میرے خواب میں آئے کر | کچھ اپنا سورج کا د دکھلائے کر
سرا سر سنیا جو میری مثنوی | کیا بات لطبی ہے تیری نوی
ہو خوشحال سن کر یو باتاں مری | اپس کے لئے ہاتاں میں ہاتاں مری
ہڑے پیار سوں اپنا پوشل دی | سنیا سو پڑیا خواب سے میں اچھل

کہتا ہوں سنو کان دھر لوگ ہو — کہا دت نے بات ہو آئے سو
اگر شعر کوئی خوب کہہ کر جو لائے — تو خوباں کوں سن رشک البتہ آئے
یکس کوں سو یک دیکھ سکتے نہیں — یکس کوں سو یک مان رکھتے نہیں
اگر کچ کہے تو کد ہر کا کد ہر — کہے تو سکتے ہیں اُسے ہیچ کر
اگر خوب جو لوے تو دوں لہے — اگر جو بُرا بولے تو یوں اہے
طبعی توں او کام کر اختیار — کہ رہے تا قیامت ترا یادگار

(زیر نظر مخطوطہ میں بعض مصرعے یا اشعار چھوڑ دیئے گئے جن سے مطلب مسلسل نہیں سمجھ میں آتا)

بزرگ شاعروں کے علاوہ طبعی شاہ راجو اور ابوالحسن تانا شاہ دونو کا خاص طور پر عقیدت مند ہے۔ اُس کی بادشاہ کے ساتھ وفاداری نہ صرف اُن اشعار سے ظاہر ہوتی ہے جو تانا شاہ کی مدح میں ایک مستقل عنوان سے لکھے گئے ہیں اور جنکا انتخاب آگے نقل کیا جائیگا بلکہ دوران نظم میں بھی اپنی بادشاہ پرستی کا اظہار کرتا ہے مثلاً ایک جگہ کہتا ہے۔

جگت کے شہاں سارے اُمراء کے — وہے نا و مداح تھے شاہ کے

ساتھ ہی اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ اس کتاب کے لکھنے سے قبل بادشاہ کے یہاں طبعی کی غالباً زیادہ قدر نہیں کی گئی تھی جیسا کہ مدح کے آخری اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

قصہ کے اثنار میں ایک غزل بھی آگئی ہے جو بہرام کی زبان سے اُس کے والد کی مدح میں کہلوائی گئی ہے۔ اس کی صفائی بیان وغیرہ کے متعلق کچھ لکھنے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُسی کو یہاں نقل کر دیا جائے۔

غـــزل طبعی

ترے ہات میں شاہ جم جام اچھو — ہمیشہ بغل میں دلارام اچھو
جگت کے شہاں میں تو اچہ نیکنام — کہ دشمن ترا ہے سو بدنام اچھو
چندر سور کے جام تے آسماں — تجے غسل کرنے کوں حمام اچھو

اچھو سب سلامت عزیزان ترے ۔۔۔ جہاں لگ عدو ہیں سو گمنام اچھو
اچھے لگ گگن ہور زمین پنڑواں ۔۔۔ ترے یگ پر قسر بان بہرام اچھو

طبعی کی طبیعت کی باسنابطگی کی ایک دو مثالیں یہ ہیں کہ

۱۔ اُس نے ہر عنوان کے تحت ایک ہی تعداد کے اشعار لکھے ہیں مثلاً مدح ابوالحسن میں جتنے شعر لکھے گئے ہیں اتنے ہی مدح شاہ راجو کے لیے لکھے ہیں وغیرہ۔

۲۔ قصہ کے دوران میں ایک موقع ایسا آتا ہے کہ بہرام کا باپ اس کو سات مختلف امُور کی نصیحت کرتا ہے بن میں سے ہر نصیحت کو طبعی نے بالالتزام سات سات شعروں ہی میں ختم کیا ہے۔

طبعی کا قصہ آئین و دولت کے قصہ بہرام سے اُصولی باتوں میں بہت کم مختلف ہے۔ تاہم سب سے بڑا فرق اس بات کا ہے کہ طبعی نے فارسی قصوں کی غلامانہ تقلید نہیں کی۔ اس کا مقصد صرف قصہ گوئی ہی نہیں بلکہ وہ صحیح طور پر شاعری کرنا چاہتا تھا۔ اس کے قصہ میں جگہ جگہ اُس کی شان نمایاں ہے۔

۲۔ زاویہ نگاہ کے اِس فرق کے علاوہ دونوں میں زبان اور اسلوب بیان کا بھی بیحد فرق ہے جس کا ثبوت ایک ہی مطالب کی حسب ذیل دو مثالوں سے بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

(ا) مثنوی بہرام و بانوحسن از آئین و دولت۔

بانوحسن کی تعریف میں چند منتخب اشعار۔

عجب سیس پر اس لینے بال تھے ۔۔۔ بجنگ شاخ صندل پر رکھوال تھے
جبین دیکھ اُس کی چھپے آفتاب ۔۔۔ لے مکھ پر اپس کے رین کا نقاب
بھواں پر اُسی کے نظر کر ہلال ۔۔۔ کیا تن کوں لاغر اپس کے کمال
نین دیکھ آہو پریشان ہو ۔۔۔ چمن بیچ نرگس سو حیران ہو
عجب اُس کی آنکھوں میں ڈورے تھے لال ۔۔۔ بکھن نین کارن بنائی جو جال
دو گالاں صفا کی ثنا کی نہ جائے ۔۔۔ دیکھت آشنا اُس کے رنگت لیائے
سیہ خال نادر تھا اُس گال پر ۔۔۔ بھور ہو کے بیٹھا ہے گل لال پر
دو لب آب حیوان لبسریز تھے ۔۔۔ کہ با شہد شکر سوں آمیز تھے

اتھے دانت کمہ بیچ ہیرے جڑے — دہن کے صدف بیچ موتی جڑے
جہاں وہ خوشی ساتھ ہنس بولتی — گلاں اور موتیاں گئی رولتی
سینے پر دو پستان انار تھے — یا دو برج مشکیں تاتا رتھے
شکم موج دریائے سیاب ہے — اگے ناف تس بیچ گرداب ہے
چمن دیکھ چنپا کھلا باغ باغ — وہ رخ دیکھ لالا ہوا داغ داغ

ب۔ مثنوی بہرام و گل اندام از طبعی۔
گل اندام کی تعریف میں چند شعر۔

او زلفاں دلاں کو ہند وے اہیں — غلط میں کیا دو سپنو لے اہیں
بھنواں باگ نک ہور انکھیاں ہرن — کہ او سوہنی ہے عجب من ہرن
او گالاں کی سرخی سولالے میں نیں — او بالاں کی خوشبوی بالے میں نیں
دیے پہول دو سیوتی کے دو کان — چنبے کی کلی ناک ہے درمیان
عجایب او چاہ زنخدان ہے — کہ غرق اس منے دین ایمان ہے
دو جوبن سو چولی کے دوہات میں — جو امریت پھل چھپ رہے پات میں
اتھا پیٹ جوں آرسی نا وصاف — کہوں کیا جھمکتا اتھا جیوں لطاف

۳۔ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ امین کی مثنوی ۲۰ سال کی عمر سے بہرام کو پیش کرتی ہے اور طبعی اس کی پیدائش سے پہلے ہی قصہ کا آغاز کرتا ہے اور پیدائش تک کے واقعات بیان کرنے کے بعد جب بہرام گورخر کے پیچھے نکل پڑتا ہے وہاں سے ان دونوں کے قصوں میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ جزوی اختلافات کے ساتھ۔

۴۔ طبعی کی مثنوی زیادہ موافق فطرت باتوں کو پیش کرتی ہے فوق فطری باتیں امین کے قصہ کو غیر دلچسپ بنا دیتی ہیں۔ گل اندام امین کی بانو حسن کی طرح ایک پری نہیں ہے بلکہ بادشاہ چین کی بیٹی وغیرہ

اس موقعہ پر اس غلط فہمی کا ازالہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ طبعی کی گل اندام کو بادشاہ ہندوستان



حضرت سید شاہ راجو

کی بیٹی بتایا گیا ہے حالانکہ زیرِ نظر مخطوطے سے اس کا دختر شاہ چین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ؎

ولایت منے چین کے شاہ تھا　　　　وہ بہو تیج مقبول جوں ماہ تھا
اُسے ایک بیٹی تھی جوں مشتری　　　　نہیں آدمی زاد، تھی او پری　　　　وغیرہ

مدحِ شاہ راجو

طبعی نے شاہ راجو کی مدح میں جو اشعار لکھے تھے ان کا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

ولی تو بڑا ہے مگر شاہ راجو　　چل آیا ہے شہ تیر دگھر شاہ راجو　　فلک پہ توں اڑتا ہے شہباز نمنے　　کرامت کی لا شاہ اپر شاہ راجو
خبر تیری معلوم نیں بے خبر کون　　خبردار جانے خبر شاہ راجو　　توں مخدوم سید محمدؐ کی کھن کا　　بجوت بے بدل ہے شہنشاہ راجو
کرامت ہوا سب کوں معلوم یو ظاہر　　توں باطن میں کریک نظر شاہ راجو　　دکن کا کیا بادشاہ بوالحسن کوں　　ترا تخت دیکر چھتر شاہ راجو
کھڑا ہو کو خدمت منے تیری سورج　　اڑاتا اگر ہی جینور شاہ راجو　　کسی کا نہیں عیب جیتا توں ہرگز　　بڑا تجھ میں ہے یو ہنر شاہ راجو
تیرے عشق کا چوٹ کھایا سو جڑکر　　اترتا نہیں ہے اثر شاہ راجو　　قدم تیرے پکڑیا ہوں امید لیکر　　میرے بخت تیرے نظر شاہ راجو
خدا پاس اجابات کرتا ہے طبعی　　دعا تجکوں شام و سحر شاہ راجو

امین

اگرچہ امین کی نظم قصہ ابوشحمہ تاناشاہ کے عہد کے کسی نامعلوم شاعر کے ہاتھوں تکمیل پائی تاہم یہ عبداللہ کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کا آخری حصہ بہت اہم ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے ہمیں مختلف باتوں کے متعلق مواد ملتا ہے۔ اس کا حقیقی مصنف ایک درباری شاعر تھا چنانچہ وہ کہتا ہے "بادشاہ اس قصہ کو سنکر اگر خوش ہو جائے تو میری نظم بہت مقبول ہو جائیگی"۔ اس نے اصحاب رسولؐ اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی مدح لکھی ہے رمضان کے مہینے میں اس نے یہ نظم لکھی سنہ درج کی تھی تاتمتہ البیان سے یہ صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا اصل مصنف مشہور و معروف شاعر امین تھا۔ اس نے سولہ سال کی عمر میں اس نظم کو لکھنا شروع کیا لیکن بدقسمتی سے اس کام کو پورا نہ کر سکا ایک دوسرے شاعر نے یہ نظم پڑھی اور اس کی خصوصیات سے واقف ہو کر اس کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۰۹۰ھ میں اس نے یہ کام ختم کیا اور اس پر وہ اپنے آپ کو ایک خوش قسمت آدمی تصور کرتا ہے۔ اس نظم میں کل ۲۰۷۰ اشعار ہیں، اسلوب بیان نہایت سادہ اور شاعرانہ خصوصیات سے مالامال ہے۔ نظم کو ردیف و قافیہ کی بندشوں میں نہیں جکڑا گیا بلکہ اکثر جگہ تو یہ نثر ایسی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ابوالحسن تاناشاہ

(۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ)

یہ بدبخت بادشاہ خاندان قطب شاہیہ کا آخری حکمران تھا بادشاہت سے زیادہ اس کے خیالات میں تصوف کی روح پہونچی ہوئی تھی چنانچہ اب تک حیدرآباد میں اس کو صاحب دل صوفی اور نیک خلق بادشاہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس نے پندرہ سال حکومت کی، اس زمانہ میں اردو ابھی اور نشو و نما پا رہی تھی، ہمیں اس زمانہ کے چند شعرا کا پتہ ملتا ہے، وہ خود بھی ایک شاعر تھا، لیکن اس کی معزولی اور پھر قید کی تکالیف نے اس کی شاعری کو نہ تو ابھرنے ہی دیا اور نہ اس کی کچھ شہرت ہی ہوئی۔

چونکہ قید سخت تھی اس لئے یہ ممکن ہے کہ لوگوں کو اسکی نظموں کو ضبط تحریر میں لانے کا موقع نہ ملا ہو اسی لئے ہمیں اس کا کوئی منظوم مخطوطہ نہیں ملتا۔ البتہ کہیں کہیں تذکروں میں اس کے کچھ اشعار مل جاتے ہیں۔

فائز

دکھنی زبان کا بلند پایہ شاعر اور قطب شاہی دور کا آخری مصنف تھا، وہ اہل تشیع سے تھا چنانچہ اس نے اپنے دیباچہ میں "عیدغدیر" کا ذکر کیا ہے جو ایک خالص شیعی تقریب ہے۔ اگرچہ وہ اکثر فسانے اور نظمیں پڑھا کرتا اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا لیکن وہ پیشہ ور شاعر نہ تھا بلکہ ادب سے اسے بے حد دلچسپی تھی، یہی وہ ادبی ذوق تھا جس نے اس کے دل میں خود کچھ لکھنے کی تحریک دلائی۔



ابو الحسن بادشاہ

وہ موضوع کا متلاشی تھا، بالآخر ایک بڑی مدت کے بعد اُس نے ایک فارسی کہانی موسوم بہ رضوان شاہ و روح افزا کو منتخب کیا۔

اس کام کو اس نے خاندان قطب شاہیہ کے زوال سے چار سال قبل یعنی ۱۰۹۳ھ میں ختم کیا اور ۲۵۰۰ شعر نظم کئے فائز نے اپنے دیباچہ میں اس بات کا صاف طور پر اقرار کیا ہے کہ وہ نہ تو اچھا شاعر تھا اور نہ نظم لکھنے کی اسے مشق تھی، بنابریں وہ اپنے بچکانی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ یہ بھی بتلایا ہے کہ اُس نے نہ تو کسی کو خوش کرنے لکھا اور نہ اُسے شہرت کی خواہش تھی بلکہ اس کے طبعی ذوق اور چند احباب کی مسلسل فرمائشوں نے اسے اس نظم کے لکھنے پر مجبور کیا۔ اپنے روزگار کی تلاش سے وہ بالکل بے نیاز تھا اس لئے اُس نے کسی شخص کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

برٹش میوزیم میں اس مثنوی کا جو نسخہ ہے اس کے ساتھ دو مطبوعہ صفحات بھی ہیں، پہلا صفحہ کتاب کا سرِ ورق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مثنوی کو مدراس اسٹاف کور کے میجر ایم ڈبلیو کار نے سرسری اُردو لغت کے ساتھ اڈیٹ کیا ہے، طباعت ۱۸۶۷ء میں شروع ہوئی تھی لیکن میجر مذکور کے ۱۳ جنوری ۱۸۶۸ء کو گوا کے قریب ڈوب مرنے کی وجہ سے طباعت کا کام ملتوی رہ گیا اس کے پچھلے صفحہ پر تحریر ہے کہ "ہندوستانی زبانوں میں دکھنی زبان کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اگر ہمت افزائی کی جائے تو اڈیٹر کا خیال ہے کہ دکھنی شعرا کے کلام کو ایک سلسلہ کی شکل میں طبع کرا دے" ان میں سے ذیل کے چند نام پیش کئے جاتے ہیں۔

گلشن عشق ——— از نصرتی   پھول بن ——— از ابن نشاطی   قصہ بی بی مریم

اس کے علاوہ خود نظم کا کچھ حصہ بھی بطور نمونہ دیا گیا ہے میجر موصوف نے اس پر جو نوٹس لکھے ہیں اور جس انداز میں اسکا شرح لکھی ہے اس سے ان کی قابلیت اور جانفشانی کا پتہ چلتا ہے، افسوس کہ ان کی بے وقت موت نے اس اہم اور کارآمد کام کو ادھورا چھوڑ دیا۔

"رضوان شاہ و روح افزا" اسلوب بیان کے لحاظ سے بے حد دلچسپ ہے، اس کا انداز بیان دوسری دکھنی نظموں سے بالکل جداگانہ ہے، بجائے ہندی کے آمیس عربی اور فارسی الفاظ و ترکیبیں نہایت فیاضی کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں اس کتاب کو پڑھتے وقت شبہ ہوتا ہے کہ یہ قطب شاہی دور کی پیداوار ہو نہیں سکتی لیکن اس کے اندر تاریخ معلوم موجود ہے اس لئے شبہ درست نہیں ہوسکتا ورنہ اس کو ضرور فتوحات مغلیہ کے زمانہ کی دکھنی پیداوار گردانا جاتا اِس سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ تانا شاہ کے زمانہ میں فارسی الفاظ کو دکھنی زبان میں شامل کرنے کی خاصی کوشش کی گئی اور اُس وقت غالباً وجہی اور غواصی کے اسلوب بیان کو پرانی چیز تصور کیا جاتا ہوگا۔

لطیف

ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کا ایک تو لباشش میر تھا جس کو اپنے حیدرآبادی ہونے پر بے حد فخر تھا، یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح دیگر شعرا نے اپنی شاعری کی آپ تعریف کر لی ہے یہ اپنی شرافت، امارت اور کردار کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔

یہ پیشہ ور شاعر نہ تھا، اور دیگر شعرا کی طرح اس کو نہ تو کسی کی سرپرستی کی آرزو تھی اور نہ شہرت کی خواہش۔ وہ بہت مذہبی آدمی تھا اور اسی بنا پر اس نے ۳۰۰۰ اشعار کی اس قدر طویل اور خشک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کا نام "ظفر نامہ" ہے، اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے دشمنوں کی لڑائیوں کا تذکرہ ہے، کتاب حسب دستور خدا کی اور آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کی تعریف سے شروع ہوتی ہے اس کا خاتمۃ البیان بہت ہی طویل اور دلچسپ ہے۔ اس سے کہ شاعر نے اسمیں اپنی نظم کو فردوسی کے شاہ نامہ پر ترجیح دی ہے کیونکہ وہ ایک بناوٹی قصہ ہے اور یہ کتاب حقیقی اور عمدہ واقعات پر مبنی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں حضرت علی کے خاندان کے کارنامے درج ہیں۔

ایک سال کی مستقل کوشش کے بعد لطیف نے اس نظم کو ۱۰۹۵ھ میں مکمل کیا۔ اس میں اس نے گیارہ مرثیوں کا اضافہ کیا ہے جو مثنوی کی شکل ہی میں لکھے ہوئے ہیں، یہ مرثیے حضرت امام حسینؑ آپ کے خاندان اور رفقا کی شہادت پر لکھے گئے ہیں۔ لطیف کوئی اچھا شاعر نہیں تھا، اس کا اسلوب بیان نہ تو پسندیدہ ہے اور نہ صاف ستھرا۔ اس کے مخطوطہ کی کتابت بھونڈی ہے چنانچہ اس کے اشعار کو پڑھنا مشکل کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرثیے ضرور پڑھنے کے قابل ہیں لیکن ادبی حیثیت سے انہیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ شاعر کا مقصد ایک خالص مذہبی نظم لکھنا تھا نہ کہ کوئی ادبی شہ کار۔

نوری

گذشتہ باب میں ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس شاعر کے متعلق چند اختلافات ہیں۔ فیضی کے دوست نوری سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ بیجاپور کا شاعر بھی نہیں بر خلاف اس کے اس نے ایک صدی بعد شہرت پائی اور اس کا نام شجاع الدین تھا، گجرات کے سید خاندان سے اس کا تعلق تھا اور دیگر گجراتی ادیبوں کی طرح یہ بھی اپنا وطن چھوڑ کر دکن پہونچا۔ حیدرآباد میں وہ وزیر اعظم سید مظفر کے لڑکوں کا اتالیق مقرر ہوا اور ایک طویل عرصہ تک خدمت انجام دی، حیدرآباد چھوڑنے کے بعد اس نے اورنگ آباد کے کسی گاؤں میں سکونت اختیار کی اور وہیں اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے اردو شاعری کی طرف اپنی توجہ ضرور کی ہوگی کیونکہ اس وقت گولکنڈہ میں اردو شاعری کا گھر گھر چرچا ہو چکا تھا اس کے بعض اشعار تذکروں میں دستیاب ہوتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اچھا شاعر تھا، جن مرثیوں کو نوری اول سے متعلق کیا جاتا ہے ان کی زبان کی ارتقائی صورت ہمیں یہ ماننے کیلئے دلائل پیش کرتی ہے کہ یہ اسی نوری کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ کہ بعد میں چلکر ان کو ماقبل کے نوری سے متعلق کر دیا گیا ہوگا۔

نوری کے اردو شاعر ہونے کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ اس کا مربی سید مظفر خود ایک اردو شاعر تھا۔ چنانچہ اس کی مثنوی مہر و ماہ اور غزلوں اور رباعیوں کے نمونے راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

شاہی

شاہ قلی خاں، حیدرآباد کا باشندہ، اپنی اعلیٰ قابلیت اور علم کے باعث حد درجہ مشہور تھا، پہلے تو اس کو گولکنڈہ کی فوج میں جگہ ملی لیکن بہت جلد بادشاہ کا درباری ہوگیا اور زوال سلطنت تک اسی عہدہ پر مامور رہا۔ تانا شاہ نے اس سے مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی، اس کام کو اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کے مرثیوں نے کافی شہرت حاصل کر لی چنانچہ اورنگ زیب کی فوج کے سپاہیوں نے ان کو زبانی یاد کر لیا تھا وہ شمالی ہند میں بھی پھیل گئے اور اٹھارویں صدی کے اوائل تک بھی وہ برابر پڑھے جاتے تھے۔

راقم نے شاہی کے دو مرثیوں کو جامعہ ازہر کے کتب خانہ کی بیاض میں دیکھا ہے، اگرچہ ان میں تیس سے زیادہ شعر موجود نہیں ہیں تاہم ادبی خصوصیات کے لحاظ ان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ شاہی ایک متعصب شاعر تھا اس نے بعض صحابہ کی شان میں بہت کچھ گستاخی کی ہے۔ ایک مرثیہ واقعی لاجواب ہے، اس میں اس سفر کا ذکر کیا ہے جب کہ حضرت حسین کے شہید ہونے کے بعد آپ کا خاندان قید ہو کر کربلا سے دمشق کو جاتا ہے اس میں حالات کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ اس کا طرز بیان اس واقعہ کی حد تک انیس کے انداز بیان کے مماثل ہے، زبان بھی اعلیٰ اور شاعرانہ ہے۔

مرزا

ابوالقاسم مرزا، ابوالحسن تاناشاہ کا بہت ہی وفادار درباری تھا، چنانچہ اس کے نظربند ہونے کے بعد اسقدر مردہ دل ہوگیا کہ اس نے حیدرآباد کے ایک کوچہ عبداللہ گنج میں گمنامی کی زندگی گذاری اور وہیں بحیثیت ایک فقیر کے انتقال بھی کیا۔ وہ اُردو زبان کا شاعر تھا، اس کے چند اشعار بعض تذکروں میں پائے جاتے ہیں، اگرچہ اس کو مرثیہ گو نہیں کہا جاتا لیکن راقم اسکو مرثیہ گو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

اڈنبرا کی بیاض میں جسکا آئندہ باب میں ذکر کیا جائیگا ہے مرزا کے ۱۵ مرثیے پائے جاتے ہیں جن میں ۲۰۰ سے زیادہ اشعار موجود ہیں۔ لیکن یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مرثیے اسی مرزا کے لکھے ہوئے ہونگے۔ اندرونی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مصنف ۱۱۵۵ھ تک زندہ تھا اور یہ قرین قیاس نہیں ہوسکتا کہ تاناشاہ (۱۰۸۳ھ — ۱۰۹۸ھ) کا ایک درباری اتنے عرصہ تک زندہ رہا ہو بنابریں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مرثیے اسی مرزا کے لکھے ہوئے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے چند اس مرزا کی دماغی پیداوار ہوں۔

غلام علی

یہ تانا شاہی دور کا شاعر ہے اُس نے ملک محمد جائسی کی ہندی نظم "پدماوت" کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں البتہ اس کی کتاب کے دیباچہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ مذہبی آدمی ہوگا کیونکہ اکثر جگہوں پر اُس نے اصحابہؓ کی تعریف لکھی ہے، بادشاہ سے بھی اسے بہت قربت حاصل تھی کیونکہ اس نے اس کی بھی کافی مدح لکھی ہے۔ نظم میں اکثر جگہ اس کا نام "غلام علی" لکھا ہوا ہے۔

اختتام پر اُس نے پدماوت کو ترجمہ کرنے کے وجوہات بیان کئے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ یہ قصہ اس کے زمانہ میں بہت عام پسند اور مشہور تھا جس کی وجہ سے اس کو بھی اس کے ترجمہ کا شوق ہوا۔ اس کی کتاب کے موجودہ مخطوطہ میں تقریباً ۶۵۰ اشعار پائے جاتے ہیں۔ اس کے آخری اوراق گم ہیں اور یہ نسخہ نامکمل رہ گیا ہے۔

غلام علی ایک اچھا شاعر تھا، لیکن کوئی ایسا اچھا مترجم نہ تھا، ہر قصہ پر اُس نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا ہے جس سے اس کی شاعرانہ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی نظم اچھی طرح لکھ سکتا تھا اس کو غزل یا نظموں کے لکھنے کی کافی مشق تھی، بہرحال قطب شاہی شعرا میں اس کو اعلیٰ رتبہ تو نہیں دیا جا سکتا البتہ تانا شاہی دور کا بہترین شاعر کہا جا سکتا ہے۔

ترجمہ کی خاطر غلام علی نے بعض دفعہ اصل خیالات ہی کو سرے سے بدل دیا ہے لیکن اس کی مثنوی گولکنڈہ کی مثنویوں میں خاصی اہمیت رکھتی ہے صرف اس لئے کہ وہ فارسی کے برخلاف ایک دوسری زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ مثنوی ہندی کا ترجمہ ہے لیکن اس میں ہندی الفاظ بہت کم پائے جاتے ہیں، اس کے اور اس کے ہمعصروں کے مستعملہ الفاظ میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔

باب چہارم

اُردو ادب مغلوں کی حکومت میں

فہرست

ا۔ شمالی ہند میں

۱۔ افضل ۲۔ جیون ۳۔ جعفر

ب۔ دکن اور گجرات میں

۱۔ عاجز ۔ ۲۔ ضعیفی۔ ۳۔ امین ۴۔ ذوقی ۵۔ بحری ۶۔ مجرمی ۔
۷۔ احمد ۸۔ ولی ویلوری ۹۔ اشرف۔ ۱۰۔ عشرتی۔ ۱۱۔ ولی اورنگ آبادی
۱۲۔ شاہ محمد۔ ۱۳۔ وجدی۔

ج۔ مرثیہ نگار

۱۔ امامی۔ ۲۔ رضا ۳۔ سید ۴۔ غلامی ۵۔ قادر
۶۔ ہاشم علی۔

د۔ نثر نگار

۱۔ شاہ محمد قادری۔ ۲۔ شاہ میر۔

بابِ چہارم

اُردو ادب مغلوں کی حکومت میں

اِس باب میں وہ تمام اُردو انشا پرداز شامل ہیں جن کی نشو ونما دکن میں مغلوں کے قبضہ کے بعد یا شمالی ہند کے شہروں میں ہوئی ۔ اور جنہیں مغل حکومت کی جانب سے کسی قسم کی مدد نہیں دی گئی۔

اِس باب کے دکھنی حصہ میں ان شاعروں اور مصنفوں کو پیش کیا گیا ہے جو ۱۰۹۸ھ (یعنے اورنگ زیب کی فتح دکن کی تکمیل کے وقت) سے آصفجاہی سلطنت کے قیام کے زمانہ تک گزرے شمالی حصہ میں زیادہ شاعر نہیں ہیں اور اِس لئے وہ بالکل مختصر ہو گیا ہے ۔ ایک شاعر افضل اس دور سے بہت پہلے کا ہے اور اس لئے یہاں پیش کیا گیا ہے کہ گزشتہ ابواب میں ذکر کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔

افضل

اس شاعر کی حیات اور اس کی تصنیفات کے متعلق بہت سے اختلافات ہیں، مصنف "پنجاب میں اردو" نے ان گتھیوں کو سلجھانے کی حتی الوسع کوشش کی ہے، یہ پہلا مصنف ہے جس نے افضل مصنف بارہ ماسہ کو شمالی ہند کا شاعر بتلایا ہے، لیکن مزید تحقیق کئے بغیر ہم اس دلیل کو تسلیم نہیں کر سکتے اس لئے کہ انہوں نے صرف علی قلی خاں والہ داغستانی کے واحد بیان پر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے، والہ نے فارسی شعراء کے تذکرہ ریاض الشعراء میں (دیکھو برٹش میوزیم کا مخطوطہ ایڈیشنل ۱۶۷۲۹ اوراق ۴۸، ۴۹) افضل نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے جو ہندی میں بھی نظمیں لکھا کرتا تھا، یہ بات قابل غور ہے کہ والہ نے اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے کہ افضل "بارہ ماسہ" یا "بکٹ کہانی" کا بھی مصنف تھا۔ مزید برآں اس نے افضل کی شاعری کے جو نمونے دیئے ہیں وہ سب فارسی میں ہیں، اردو کا نام و نشان بھی نہیں، اور یہ بہت ممکن ہے کہ افضل، دیگر مسلم شعراء کی طرح جن کا ذکر آزاد بلگرامی نے کیا ہے، خالص برج بھاشا کا شاعر ہوگا نہ کہ اردو کا۔

ایک اور طرح سے بھی اس موضوع پر خاصی روشنی پڑتی ہے، راقم نے انڈیا آفس لائبریری میں محمد افضل قادری کی ایک طویل نظم دیکھی ہے، یہ دکھنی شاعر تھا اور اس نے یہ نظم سنہ ۱۱۰۲ھ سے قبل لکھی ہے موجودہ مخطوطہ پر بھی یہی سنہ ۱۱۰۲ھ تحریر ہے، نہ صرف یہی بلکہ مصنف نے جامعہ اڈنبرا کے کتب خانہ میں افضل کا ایک مرثیہ دیکھا ہے جس کا اسلوب بیان اس "بارہ ماسہ" سے بالکل مشابہ ہے، جس کے دو قدیم مخطوطات انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔

باوجود اس کے راقم اس معاملہ میں کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتا اور اسی لئے افضل کو

فی الوقت شمالی ہند کے مصنفین کی فہرست ہی میں شامل کرلیا جاتا ہے انڈیا آفس لائبریری میں بارہ ما کا جو مخطوطہ ہے اس کی زبان دکھنی زبان کی اور دوسری کتابوں سے مختلف نہیں ہے مگر فعل ماضی کے استعمال کے لحاظ سے اُس کے دکھنی ہونے میں شبہ ہوتا ہے، قدیم دکھنی مصنفین فعل کے ماضی میں حرف ی لگاتے ہیں جیسے دھریا (دھرا) سنیا (سنا)، چلیا (چلا) لکھیا (لکھا) وغیرہ وغیرہ برخلاف اس کے بارہ ماسہ میں دھرا، سنا، چلا، لکھا تحریر ہے۔

نظم کا پلاٹ اوریجنل نہیں ہے۔ دیگر ہندی نظموں کی طرح اس میں بھی بیوی کی محبت کا حال بیان کیا گیا ہے شوہر کی سال بھر کی جدائی پر اس کی بیوی اپنے سہیلیوں سے اپنے فراق کی تکالیف کا حال بیان کرتی ہے۔ یہ نظم ہندی بارہ ماسہ کی تقلید میں لکھی گئی ہے، اس میں ۲۰۰ اشعار ہیں اور جابجا فارسی الفاظ اور محاورے استعمال کئے گئے ہیں، جامعہ اذہرا کے کتب خانہ میں افضل کے جو مرثیے ہیں اُنکی بھی یہی خصوصیات ہیں۔

دوسری مثنوی جس کو افضل نامی ایک شاعر نے لکھا ہے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے اس میں ۲۲۵ اشعار ہیں اور اُس کا موضوع 'محبوب سبحانی کی حیات اور آپ کے معجزات ہے'، اندرونی شہادت کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مصنف محمد افضل قادری ہے جو میراں شاہ معروف کا مرید تھا۔ دیباچہ میں اس نے خواجہ بندہ نوازؒ کی مدح لکھی ہے۔ جس سے اس کے دکھنی ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ نظم چونکہ بہت ہی مذہبی ہے اس لئے دلچسپ نہیں، البتہ اسکا اسلوب بیان سادہ ہے۔

شیخ جیون

محمود شیرانی مصنف "پنجاب میں اردو" نے اپنے اس بیان کی تائید میں کہ شمالی ہند میں اردو دلی سے پہلے لکھی گئی شیخ جیون کو بھی شمالی ہند کے اردو مصنفین کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔ ہم اس شاعر کی حد تک تو ان کے بیان کو غیر تشفی بخش سمجھتے ہیں انہوں نے یہ ثابت نہیں کیا کہ شیخ جیون دکھن کا باشندہ نہیں تھا اور بغیر اس کے انہوں نے اس کو شمالی ہند کے مصنفین کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

اس شاعر کے متعلق معلومات کے صرف دو ذرائع ہیں۔

۱۔ اسپرنگر نے اپنے کیٹلاگ میں شیخ جیون نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ شیرانی نے شاہ میران بھیک چشتی کے مریدوں کی فہرست میں کسی جگہ شیخ جیون نامی ایک شخص کا نام دیکھا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اس پر کچھ بحث کریں یہ واضح کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ شیرانی نے شاہ میران بھیک اور ان کے معتقدین کی فہرست کے متعلق کوئی حوالہ نہیں پیش کیا ہے اس لئے اس پر بحث کرنا مشکل ہے۔

مذکورہ بالا دو حوالوں میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو محمود شیرانی نے شیخ جیون مصنف "وزرنامہ" ہی بتلایا ہے حالانکہ ہمیں اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کا

ثبوت نہیں دیا ہے کہ یہ دو حوالے ایک ہی شخص سے متعلق ہیں، پس اگر کوئی ان دو نوں کو دو علیحدہ شخص تسلیم کرے تو کوئی جواب نہیں ہے، مزید برآں اگر یہ دونوں حوالے ایک ہی شخص سے متعلق ہیں تو وہ شخص دکھنی ہو سکتا ہے، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ دردنامہ کا مصنف حقیقت میں شاہ میراں بھیک کا مرید تھا اور شاہ میراں بھیک شمالی ہند کے بزرگ تھے شیخ جیون کو دکھنی نہ کہنا کچھ ٹھیک بات نہیں معلوم ہوتی۔

شیرانی کا ایک اور قول قابل غور ہے، انہوں نے شیخ جیون کے لئے محبوب عالم کا نام استعمال کیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ محبوب عالم اور شیخ جیون ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، اس میں شک نہیں کہ انہوں نے محبوب عالم کے دو غزل نما دوہروں کو حوالہ کے طور پر لکھا ہے لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دوہرے شیخ جیون کے لکھے ہوئے ہیں یا شیخ جیون نے بجائے اپنے نام کے محبوب عالم لکھا ہے۔

شیرانی نے دردنامہ کے متعلق کوئی معلومات تحریر نہیں کیئے ہیں کہ انہوں نے اسے کہاں دیکھا اور اس کا کیسے پتہ چلایا۔

میر جعفر علی

اگرچہ اس کے ہمعصر اور بعد کے تذکرہ نویس اس کو شاعر نہیں مانتے لیکن اس کی موجودہ نظموں میں سے چند اشعار کو چھوڑ کر اگر غور کیا جائے تو شاعری کی حیثیت سے اُن کو اچھی جگہ دی جا سکتی ہے، اورنگ زیب کی تخت نشینی کے سال یعنی [illegible] میں وہ پیدا ہوا، اپنے باپ کا تیسرا لڑکا تھا، اس کے باپ کا نام سید عباس تھا وہ نارنول میں دوکاندار تھا ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اپنے چچا سرور کی زیر نگرانی اس نے پرورش پائی اور مکتب میں تھوڑی بہت تعلیم پا کر نوکری کے لئے نکلا خوش قسمتی سے شہزادہ کام بخش کی فوج میں آ گیا جو اپنے باپ اورنگ زیب کے ہمراہ دکن آیا ہوا تھا، پس اس طرح سے میر جعفر کو کچھ عرصہ تک دکن میں رہنے اور یہاں کے شعراء سے ملنے یا کم از کم اُن کے کلام کو پڑھنے کا موقع ملا۔

بلاشبہ اس اثر کی وجہ سے میر جعفر کو اُردو نظم لکھنے کا خیال پیدا ہو گیا لیکن جب وہ دہلی گیا تو کسی نے بھی اُس کے کلام کی طرف توجہ نہ کی، اس پر اسے ایسی فضا پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا کم از کم اس کے کلام کو جس میں سننے والے پیدا ہو جائیں، اس خیال نے اس کی شاعری کے مستقبل کو امید افزا بنانے میں بڑی مدد دی پہلے پہل اس نے اُردو اشعار میں فارسی الفاظ اور محاورات استعمال کئے لیکن پھر بھی وہ مشہور نہ ہو سکا، اس کے بعد اس نے ہجو لکھنا شروع کیا جس کی وجہ سے نوابوں اور سوداگروں سے اسے خوب روپیہ ملنے لگا اور سب اس کی اُردو اور فارسی ہجو سے ڈرنے لگے۔ قدیم تذکروں میں ہمیں اس کی فارسی اور اُردو کی مخلوط نظموں کے کئی نمونے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ہجو نگاری کو کس طرح اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا، برٹش میوزیم میں اس کی اکثر مخلوط نظموں کو اُردو مخطوطات کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔

بیدل اور حزیں جیسی ادبی شخصیتیں بھی اس سے گھبراتی تھیں۔

باوجود ان تمام کامیابیوں کے اس ہجو نگاری اور معمولی کلام سے اسے بہت نقصان پہونچا، چنانچہ کئی ایک دفعہ اُسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا اور بالآخر ۱۱۲۵ھ میں شاہ فرخ سیر کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

میر جعفر کی شاعری کا مجموعہ فصیح اور غیر فصیح دونوں کا آمیزہ ہے، غیر فصیح شاعری کو علیحدہ کر کے اگر اس کے کلام کا اندازہ لگائیں تو اُس کو اُردو کا ایک اچھا شاعر کہا جا سکتا ہے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کی نظموں کا جو مخطوطہ ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا "اخبارات سیاسیہ" ہے جس میں متفرق واقعات پر چار فارسی کہانیاں ہیں جو اورنگ زیب کے سامنے بیان کی گئی تھیں، اُردو میں اس کا جواب بھی ہے اگرچہ جواب صرف ۱۴ سطر کا ہی ہے لیکن وہ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ شہنشاہ بھی اپنی خانگی گفتگو میں اُردو زبان استعمال کرتا تھا۔

دوسرا حصہ "اخبارات دربار معلی" ہے جس میں پانچ قصے ہیں جن میں سے چار خود شاعر سے متعلق ہیں اس میں بتلایا ہے کہ وہ درباریوں سے کس طرح روپیہ کھینچتا تھا اور ان کو سُنکر بادشاہ نے کیا جواب دیا۔

تیسرا حصہ بہت طویل ہے۔ اس میں اردو اور فارسی کی مختلف موضوع پر لکھی ہوئی ۵۴ نظمیں ہیں، اُردو کے بہترین نمونوں کے طور پر ذیل کی نظموں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سلوک ۲۔ جوبن نامہ ۳۔ اختلاف زمان ۴۔ مرثیہ عالمگیر۔

فال نامہ کو چھوڑ کر سلوک اس کی ۱۰۰ اشعار والی سب سے طویل نظم ہے، اس سے شاعر کی دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دل میں اپنے غیر فصیح کلام پر کسقدر شرمندہ تھا، اس کا دل دکھتا تھا کہ اس نے کسقدر غلیظ فضا پیدا کر دی اور اپنی تمام زندگی رائگاں کر دی ہے۔ اُس نے وہی بحر استعمال کی ہے جو عام طور پر دکھنی شعراء استعمال کرتے تھے، اُس کا کلام بڑی حد تک فارسی ترکیبوں سے معرا ہے اور دکھنی کلام سے اسقدر ملتا جلتا ہے کہ اگر اس کو میر جعفر کی تصنیفات سے علیحدہ رکھکر غور کریں تو اسکے دکھنی ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

اُس کی دوسری قابل ذکر نظم "مرثیہ عالمگیر" ہے جو اورنگ زیب کی وفات پر لکھی گئی تھی، یہ خاص طور پر غور کرنے کے قابل بات ہے کہ میر جعفر جس نے ہر امیر و غریب کی ہجو لکھی اورنگ زیب کے خلاف زبان تک نہیں ہلا سکتا حتیٰ کہ اُس کی موت کے بعد بھی وہ خاموش نظر آتا ہے، برخلاف اس کے اس نے اسکی تعریف میں ایک لمبی چوڑی نظم لکھی ہے اسکی تمام مصنفات میں یہی ایک مدحیہ نظم ہے اُس سے نہ صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ شہنشاہ اورنگ زیب کی شخصیت سے مرعوب تھا بلکہ اسکا بھی کہ وہ بذات خود سنجیدہ اور شریف آدمی تھا، اس مدحیہ نظم میں اگرچہ چند غلط فارسی ترکیبیں موجود ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اس سے اسکے زاویہ نگاہ کی وسعت اور شاعرانہ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اشیا کی حقیقت سے واقف ہوتا تھا اور نہایت صحیح اور فطری پیرایہ میں ادا کرتا تھا۔

دکھن اور گجرات میں

عاجز

دکھنی شعراء میں اکثروں کا تخلص عاجز ہے جس کی وجہ سے مصنفین بسا اوقات پیچیدگیوں میں پڑجاتے ہیں۔ یہاں صرف "لیلےٰ مجنوں" کے مصنف عاجز کا ذکر کیا جائیگا۔ اس شاعر کا نام سید محمد علی ہے اور یہ عاجز تخلص والے شعراء میں سب سے پہلا شاعر ہے۔

محمد علی عاجز کی مثنوی کا ایک مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں تقریباً ۴۰۰ شعر ہیں۔ یہ مثنوی جیسا کہ اس کے آخری حصے سے ظاہر ہوتا ہے ۱۰۹۹ھ میں ختم ہوئی، یہ دراصل فارسی کا ترجمہ ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ فیروز شاہ ملک مصر کا بادشاہ تھا جس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی تخت نشین ہوئی گئی۔ دو سال حکومت کرنے کے بعد اس نے یہ اعلان کیا کہ میں اس شخص سے شادی کروں گی جو میرے ستر سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیگا۔ بہت سے پرستاروں نے قسمت آزمائی کی لیکن کسی کو بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس پر سب کو یا تو قتل کر دیا گیا یا سولی دیدی گئی، بالآخر ہندوستان سے عبد عالم نامی ایک عالم اس کے دربار میں آیا۔ نظم کا بیشتر حصہ ملکہ کے سوالات کائنات کی تخلیق کے متعلق اسلامی اعتقاد، قرآن اور اس کے احکامات اور مذہبی فرائض وغیرہ پر مشتمل ہے، عبد عالم نے ان سوالات کا تشفی بخش جواب دیا جس پر ملکہ نے اس سے شادی کر لی اور وہ بادشاہ بن گیا۔

رسمی طور پر خدا اور اُس کے پیغمبر کی حمد و ثنا کے بعد شاعر نے اپنے پیر سید اخوند میر شاہ کی تعریف کی ہے اور امید کرتا ہے کہ ان کے طفیل میں اُسے نجات ملیگی وہ اُن کی درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔

عاجز نے جب اصل فارسی قصہ کو پڑھا تھا تو اس کا ترجمہ کرنے کے لئے اس نے اپنے پیر سے اجازت چاہی کیونکہ اس کا اعتقاد تھا کہ سوائے روحانی امداد کے یہ کام ختم نہ ہوگا۔

اسی اسکول کے دیگر مثنویوں کے مقابلہ میں یہ مثنوی بہت ہی سادہ ہے حتیٰ کہ غلام علی کی مثنوی پدماوت سے بھی کہیں بہتر ہے۔

ضعیفی

اس کا نام شیخ داؤد تھا، یہ عالم اور صوفی منش آدمی تھا، قطب شاہیوں کے دور میں اسکی پرورش ہوئی، اور اس کے سب سے زبردست کارنامہ "ہدایت ہندی" کی تکمیل اس خاندان کے زوال کے بالکل بعد ہی ہوئی۔

فی الوقت ضعیفی کی دو کتابیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ایک تو انڈیا آفس لائبریری میں ہے جس پر نہ تو تاریخ ہی درج ہے اور نہ کتاب کا عنوان۔ اس میں ایک عورت کا قصہ ہے جو حضرت محمد صلعم کی محبت میں بیتاب ہو کر جل گئی۔ اس میں ۳۶۰ شعر ہیں، نہ تو دیباچہ ہی ہے اور نہ خدا کی حمد۔

اس کا خاتمہ بھی کچھ ایسا اہم نہیں ہے البتہ شاعر نے یہ بتلایا ہے کہ اس نے بڑی محنت سے اس کا دکھنی میں ترجمہ کیا اس لئے کہ اصل خیالات کے سمجھنے میں اسے بڑی دقت ہوئی اس تصنیف سے شاعر کا مقصد اپنے ہم مذہبوں کے دل میں آنحضرت کی محبت پیدا کرنا تھا۔

یہ مثنوی اگرچہ مذہبی موضوع پر لکھی گئی ہے تاہم ادبی خوبیوں سے معرا نہیں ہے اس قصہ کی ہیروین کو بہت ہی مذہبی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اس میں باریک باریک اور چھوٹی چھوٹی باتیں تک بتلائی گئی ہیں، جس کی بنا پر یہ قصہ آنحضرت کے زمانہ کا حقیقی واقعہ معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ ایک بالکل خیالی قصہ ہے

قصہ کی ہیروین کی زبان سے ہندی الفاظ اور محاورات کہلوائے گئے ہیں اس خصوصیت سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کی زبان مردوں سے مختلف تھی۔

ضعیفی کی دوسری مثنوی "ہدایت ہندی" مولوی عبد الغنی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، یہ بہت ضخیم اور ۲۲ ابواب پر منقسم ہے، سنہ ۱۰۹۶ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اسلام کے فرقہ حنفیہ کے مذہبی اعتقادات قوانین اور اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔

دیباچہ میں کوئی خاص اور اہم بات نہیں ہے صرف رسمی طور پر خدا اور رسول کی حمد و ثنا کی گئی ہے خاتمہ کسیقدر اہم ہے، اس میں شاعر نے خود اپنا حال لکھا ہے اور اس زمانہ کے حکمران بادشاہ اورنگ زیب کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔

یہ کارنامہ مذہبی رنگ کا ہے اور چونکہ راقم کو اس کے تحقیقی مطالعہ کا موقع نہیں ملا اس لئے وہ اس پر اس سے زیادہ لکھنے سے قاصر ہے۔

امین

یہ گولکنڈہ کا دوسرا شاعر امین ہے (پہلا شاعر عبداللہ کے زمانہ کا ہے جس نے قصہ "ابو شحمہ" کو منظوم کیا، اور جو نامکمل رہا) اس کا نام شیخ محمد امین تھا اس کی کتاب یوسف زلیخا اورنگ زیب کے عہد میں ۱۱۰۹ھ میں ختم ہوئی۔

ڈاکٹر اسپرنگر نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے مخطوطہ کا ذکر کیا ہے جس میں ۴۰۰ صفحات اور ۴۵۰۰ شعار ہیں۔ راقم نے اس کتاب کا ایک نسخہ "ببلیوتھک نیشنل" پیرس میں دیکھا ہے جس میں ۴۰۰۰ سے زیادہ اشعار نہیں ہیں اور غالباً اس کو ایک انگریز کپتان شرائیر د ا نے ۱۸۳۱ء میں نقل کیا ہے۔ یہ دراصل گارساں د تاسی کی ملک تھی جس کے انتقال کے بعد اس کو ببلیوتھک میں بطور تحفہ داخل کر دیا گیا۔

امین نے ممالاً ایک بہت بڑا کام کیا ہے لیکن وہ بڑا شاعر نہ تھا، غالباً یہ دراصل خسرو کی یوسف زلیخا کا ترجمہ ہے لیکن فارسی اثر سے بالکل آزاد ہے اور بالکل اوپجی معلوم ہوتی ہے، اسلوب بیان بہت ہی سادہ ہے لیکن جب شاعر اپنے آپ کو ایک بہت بڑا صوفی بتلانے کی کوشش کرتا ہے تو انداز بیان پیچیدہ ہو جاتا ہے دیباچہ اور اختتام سے کسی قسم کی مفید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ان سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاعر، شاعر نہیں بلکہ ایک مذہبی آدمی تھا۔

ذوقی

اس کا نام سید شاہ حسین ذوقی تھا، اس کے مرشد شاہ خان محمد نے اس کو بحرالعرفان کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھا اگرچہ وہ پیشہ ور شاعر نہ تھا تاہم اس نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ دکھن میں کوئی اس کی سرپرستی کرنے والا بادشاہ نہ تھا، لیکن ساتھ ہی وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اُسے اورنگ زیب جیسے ولی صفت اور مذہبی بادشاہ کے عہد میں پیدا کیا۔

"وصال العاشقین" میں اس نے تحریر کیا ہے کہ وہ ایسی دلچسپ نظم لکھنا چاہتا تھا جس سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہ سکے، اس مقصد کے لئے اس کا ارادہ تھا کہ وجہی کی سب رس کو نظم کرے اگرچہ اس نے وجہی کے کارنامے کو گرانے کی کوشش کی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اُس کی نظم بھی سب رس جیسی دلچسپ اور اعلیٰ کتاب کے پلہ کو نہیں پہونچ سکی۔

ذوقی نے وصال العاشقین کی تصنیف سے قبل بھی کئی ایک نظمیں لکھی ہیں، یہ تمام کم و بیش مذہبی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "غوث اعظم محبوب سبحانی رضؓ کی شان میں لکھی گئی ہے دوسری نظم ایک مرثیہ ہے جو آنحضرتؐ کی وفات پر لکھا گیا ہے، تیسری مشہور و معروف صوفی منصور کی کہانی ہے اور آخری اور چوتھی نظم "ماں باپ نامہ" ہے جو نوجوانوں کے لئے لکھی گئی ہے اور والدین کی طرفداری میں ہے۔

علاوہ مثنویوں کے ذوقی نے غزلیں بھی لکھی ہیں چنانچہ انجمن ترقی اُردو کے معتمد کے پاس

اُن کی غزلوں کا مجموعہ موجود ہے جن کا حوالہ اُنہوں نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ رسالہ اُردو میں دیا ہے انڈیا آفس کے مخطوطے میں چند فارسی اور اُردو غزلیں موجود ہیں (دیکھو فارسی نمبر ۳۱۰۴) جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاعر کہنہ مشق تھا۔

راقم کو اس بات کا پتہ چلا ہے کہ ذوقی کا ایک دیوان حیدرآباد کے کسی خانگی کتب خانہ میں محفوظ ہے لیکن چونکہ اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا اِس لئے اس کے متعلق معلومات پیش کرنے سے مجبور رہے۔

بحری

اِس کا نام قاضی محمود تھا۔ بحرالدین کا بیٹا تھا جو گوگی کے قاضی دریا کے نام سے مشہور تھے گوگی سلطنت بیجاپور میں نصرت آباد کے قریب ایک گاؤں ہے، یہ وہاں کا قاضی اور ایک بڑے پایہ کا صوفی تھا، سنہ ۱۰۹۵ھ میں اپنے وطن کو خیرآباد کہکر بیجاپور پہونچا، سکندر عادل شاہ اُس کا معتقد ہوگیا۔ اور اُسے اپنے دربار میں ایک جگہ بھی عطا کی۔

سنہ ۱۰۹۷ھ میں جب سلطنت فتح ہوگئی اور اورنگ زیب نے سکندر کو قید کرلیا تو بحری نے حیدرآباد کا راستہ لیا جو اس وقت علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا، راستہ میں چوروں نے نہ صرف اس کے مال و زر ہی کو لوٹ لیا بلکہ اسکی ادبی دولت کو بھی غائب کر دیا۔

حیدرآباد میں بھی اسے پھولنا پھلنا نصیب نہ ہوا کیونکہ دو سال بعد ہی مغلوں نے اس شہر کو فتح کرلیا اُن ناخوشگوار حالات کے تحت بھی بحری نے اپنے ادبی کام کو برابر جاری رکھا اور اورنگ زیب کی وفات سے سات سال قبل یعنی سنہ ۱۱۱۱ھ میں اس نے ایک صوفیانہ مثنوی بعنوان "من لگن" پیش کی اِس کے کچھ سال بعد یعنی سنہ ۱۱۱۳ھ میں اپنے مریدوں کی خواہش اور اصرار پر اس نے اس نظم کو فارسی زبان میں عروس عرفان کے نام سے منتقل کیا۔

موخر الذکر کتاب "عروس عرفان" سے ہم کو شاعر کے متعلق چند مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں، اس کے آخری حصہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ بحری نے مرثیے، غزل، رباعی، اور قصیدہ وغیرہ سب ملاکر کل . . . . ہ شعر لکھے تھے لیکن بیجاپور سے حیدرآباد جاتے وقت چوروں نے

سب لوٹ کر غارت کر دیا۔

غالباً وہ بہت اچھا شاعر تھا، بدقسمتی سے راقم کی نظر سے اس کی اردو نظم من لگن نہیں گذری یہ کئی بار مدراس اور بنگلور میں چھپ چکی ہے اور شاید کہیں بھی نہیں ملتی، اس لئے راقم اس کی خصوصیات بیان کرنے سے قاصر ہے۔

عشرتی

سید محمد خاں عشرتی کے والد کا نام سید یوسف حسینی بن سید حسین تھا۔ اس کا سلسلہ خاندان سید حسین بن امام زین العابدین[۴] تک پہونچتا ہے۔ عشرتی کا گھرانہ عام طور پر سادات درویش کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے والد سید یوسف حسینی بصرہ کے راستے دکن پہونچے۔ باپ کے انتقال کے وقت عشرتی کی عمر (۲۰) سال کی تھی۔ عادل شاہی دربار میں عشرتی کی خاص قدر و منزلت کی گئی۔ انقراض سلطنت کے بعد عالمگیر نے بھی نجابت و لیاقت کے مدنظر اس کی سرپرستی اور ہمت افزائی کی۔ چنانچہ حضرت سید شاہ راجو کے جاگیرات وغیرہ سے متعلق اورنگ زیب اور سید محمد خان عشرتی کی مراسلت اس کی شاہد ہے۔ عشرتی کے پانچ بیٹے تھے۔ جو علمی ذوق سے بیگانہ نہ تھے۔ ان میں سے بعض تو صاحب تصنیف بھی تھے مثلاً۔ فدوی احمد خاں میر منشی ناصر جنگ شہید۔ اور سید محمد تقی خان منصبدار مصاحب شاہی دونوں کی تصنیفات موجود ہیں۔

عشرتی ایک پرگو شاعر تھا۔ اس کی مثنویوں سے دیپک تپنگ۔ چت لگن۔ نیہ درپن اور ایک دو ناقص مثنویاں راقم کی نظر سے گذر چکی ہیں۔ ان کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ عشرتی اس دور کا ایک بہت بڑا مصنف تھا۔ اس نے ابن نشاطی کے مقابلہ میں نہایت کامیابی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔

عشرتی کی قبر حیدر آباد میں شاہ راجو حسینی کی گنبد (بیرون دروازہ غازی بنڈہ) میں شمال کی طرف واقع ہے۔ اس کا خاندان حیدر آباد میں موجود ہے۔ اور علم و فضل و شعر و شاعری کا ذوق اب تک قایم ہے۔

عشرتی اور اس کی تصنیفات کے متعلق راقم نے ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ جو رسالہ مجلہ مکتبہ میں بالاقساط شایع ہوا ہے۔

مجرمی

اس کا نام شاہ بیر اللہ ہے اُس نے وجہی کی سب رس کو نظم کا جامہ پہنایا ہے، غالباً وہ بیجاپور کا باشندہ تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی نظم حمید الدین سامانی کے روضہ میں ختم کی جو بیجاپور میں واقع ہے۔

مجرمی نے اپنی نظم "گلشن حسن و دل" ۱۱۱۲ھ میں ختم کی، اس کا اسلوب بیان سادہ ہے، اور وہ مثنوی جس میں اس نے وجہی کے قصہ کا اختصار کیا ہے شاعرانہ نکات کے لحاظ سے معمولی ہے۔

اس شاعر کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں، اس کی مثنوی کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

احمد

اس شاعر کے نام کے متعلق تھوڑی سی پیچیدگی ہے میر حسن اور قائم نے احمد گجراتی لکھا ہے عمدہ منتخبہ اور عیار الشعراء میں اس کو برہان پور کا باشندہ بتلایا ہے اور اس کا نام غلام احمد علی لکھا ہے، لیکن شمالی ہند کے تذکرے دکنی شعراء اور دکنی ادب کے متعلق مستند معلومات بہم نہیں پہونچاتے اسی لئے ان بیانات کو بالکلیہ صحیح تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا تذکروں میں احمد کی شاعری کے چند نمونے درج ہیں جو شاعرانہ نقطۂ نظر سے تو بے حد دلچسپ ہیں لیکن ان سے اس کے حالات زندگی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

راقم نے جامعہ اڈنبرا کے کتب خانہ میں اس کے سات مرثیوں کا ایک مخطوطہ دیکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نام سید احمد تھا اور وہ برہان پور کا باشندہ تھا یہ باتیں ہر مرثیہ کے آخری اشعار میں درج ہیں۔ اس نے اپنے مرثیوں میں وہی ردیف اور قافیے استعمال کئے ہیں جن کو برہان پور کے مشہور مرثیہ گو ہاشم علی نے استعمال کیا تھا۔

احمد کے مرثیوں میں ۱۶۰ اشعار ہیں، علاوہ مرثیہ کے اُن میں اور بھی چند خصوصیات ہیں پہلا اور چھٹا مرثیہ حضرت حسین کی شان میں کم و بیش ایک قصیدہ ہے، اس میں آپ کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے اور ساتویں مرثیہ میں آپ کی شہادت کا نوحہ ہے تیسرا اور چوتھا حقیقت مرثیے ہیں۔ ان میں حضرت امام حسینؑ کے خاندان کی تکالیف اور بے سروسامانی

کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پانچواں مرثیہ سب سے اچھا ہے اسمیں حضرت علی اصغر ابن حضرت حسینؑ کی وفات کا واقعہ آپ کی والدہ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے، یہ مرثیہ جذبات اور احساسات سے مالامال ہے۔

ان مرثیوں کی زبان ہم عصروں کے مرثیوں کے مقابلہ میں سادہ اور سلیس نہیں ہے۔

ولی ویلور

دکھن میں دو شاعر گذرے ہیں جنکا تخلص ولی تھا جس کی وجہ سے اکثر غلط فہمیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں لیکن راقم نے حتی الوسع اس پیچیدگی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے، اس میں شک نہیں کہ دکھن میں ایک ہی زمانہ میں دو شاعر ایسے گذرے ہیں جن کا تخلص ولی تھا لیکن ایک شاعر شمال مغربی حصہ یعنی صوبہ اورنگ آباد کا باشندہ تھا اور دوسرا جنوب مشرق میں بمقام ویلور رہتا تھا جو اب علاقہ مدراس میں شامل ہو گیا ہے، اگرچہ دونوں کو ایک ہی زمانہ میں عروج ہوا لیکن خود وہ ایک دوسرے کے وجود سے ناواقف تھے، ویلور کا ولی بہت مذہبی آدمی تھا اور دوران زندگی میں بحیثیت شاعر کے اسے کوئی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے اورنگ آباد کا ولی اپنے زمانہ میں مدراس اور حیدرآباد سے زیادہ گجرات اور شمالی ہند میں مشہور تھا اور یہ اورنگ آبادی کا ولی ہے جس نے دہلی تک سفر کیا اور جو بحیثیت ایک اُردو شاعر کے بہت مشہور ہے۔

ویلور کے ولی کا نام سید محمد فیاض ہے دکھن میں سات گڈہ کے نواب سعادت خاں کا درباری تھا، اس کے بعد وہ یہ ملازمت ترک کر کے علاقہ مدراس میں کڑپا پہونچا اور وہاں کے صوبہ دار نواب عبدالحمید خان کا بے حد دوست ہو گیا، اس نے اس کی بے حد عزت کی اور سدھوٹ میں ایک عہدہ پر مامور کیا، سدھوٹ ایک قلعہ ہے جس کا ذکر ابن نشاطی کی پھول بن کے آخری حصہ میں کیا گیا ہے۔ ولی پرزنویس شاعر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے موجودہ تین نسخوں میں سے دو بہت ہی

ضخیم ہیں۔

۱۔ رتن پدم۔ یہ مثنوی اب تک کہیں دستیاب نہیں ہوئی، اسپرنگر نے شاہ اودھ کے کتب خانہ میں اس کو دیکھا تھا چنانچہ اس نے اپنے کیٹلاگ میں اس کا ذکر کیا ہے، اس میں رانی پدماوت اور چتوڑ کے راجہ رتن سین کی محبت کی داستان ہے غالباً اس قصہ کے لکھنے میں ملک محمدؒ جائیسی کے قصہ پدماوت سے مدد لی گئی ہے، اس نظم کو . . ۴ صفحات پر نقل کیا گیا جس میں . . . ۴ شعر تھے۔

۲۔ روضۃ الشہدا۔ اس کی دوسری نظم ہے یہ کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے، انڈیا آفس لائبریری میں اسکا ایک عمدہ مخطوطہ ہے مطبوعہ نسخوں میں سن تصنیف سنہ ۱۱۱۹ھ درج ہے لیکن انڈیا آفس لائبریری والے مخطوطہ میں سنہ ۱۱۳۴ھ ہے، فی الوقت یہ تصفیہ کرنا کہ فلاں صحیح ہے فلاں غلط قدرے مشکل ہے۔

ولی کی روضۃ الشہدا کا تعلق ملا حسین واعظ کاشفی کی اسی نام کی کتاب سے ہے جس کو "دہ مجلس" بھی کہا جاتا ہے۔ بوڈلین لائبریری کے مخطوطہ (دیکھو کیٹلاگ ورق ہ، ل) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ میں ہر باب کے عنوان کو "مجلس" قرار دیا گیا ہے اور چونکہ اس میں دس ابواب ہیں اسی لئے اس کا نام "دہ مجلس" بالکل درست ہے، اسکو ولی اورنگ آبادی کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے، لیکن راقم کی رائے میں دہ مجلس اس مشہور و معروف ولی کی تصنیف نہیں بلکہ یہی روضۃ الشہدا ہے جس کا نام "دہ مجلس" بھی ہے اور اورنگ آباد کے ولی نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی ہے، حال ہی میں ولی کا جو "کلیات" طبع ہوا ہے اس میں "دہ مجلس" کے جو چند اشعار درج ہیں وہ فی الحقیقت ویلور کے ولی کے ہیں۔ کہ اس مشہور و معروف ولی کے موخر الذکر فطری شاعر تھا اور وہ کسی مذہبی کتاب کا ترجمہ کرکے اپنی وقعت کو گھٹانا نہیں چاہتا تھا وہ مذہبی آدمی بھی نہ تھا اس لئے اس سے یہ توقع رکھنا کہ اسنے حضرت علی کے خاندان کے متعلق مرثیہ قصیدے لکھے ہونگے قطعاً قرین قیاس نہیں ہو سکتا، بہرحال اسی غلط فہمی کی وجہ سے بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس کا کیٹلاگ تیار کرتے وقت روضۃ الشہدا کے مصنف کے سلسلہ میں اورنگ آباد کے ولی کی سوانح عمری لکھدی ہے۔

دکھنی ترجمہ میں فارسی ترتیب کو برقرار نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پہلے دو ابواب اور آخری حصہ میں سے چند باتیں چھوٹ گئیں ہیں کتاب دس ابواب پر اس طرح سے منقسم ہے۔

۱۔ وفات حضرت محمدؐ۔ ۲۔ وفات حضرت فاطمہؓ۔ ۳۔ حضرت علیؓ کی شہادت۔ ۴۔ حضرت حسینؓ کی شہادت
(۵) حضرت حسینؓ کے چچا زاد بھائی مسلمؓ بن عقیل کی شہادت اور ہانی بن عروہ۔

اور محمد بن انس اور ان کے صاحبزادے کی شہادت کا حال درج ہے (۶) مسلمؑ کے لڑکوں کی شہادت (۷) حضرت حسینؑ کا سفر مکہ سے میدان کربلا تک اور حرؒ کی شہادت (۸) حضرت حسینؑ کے رفقاء اور ساتھیوں کی شہادت (۹) حضرت حسینؑ آپ کے فرزند و اقارب کی شہادت (۱۰) جنگ کربلا سے متعلق چند واقعات۔

بعض مصنفین کے خیال میں یہ کتاب مرثیوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے عنوانات کو دیکھنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب خاندان رسولؐ کی جنگوں اور شہادتوں کی ایک تاریخ ہے، دیگر دکھنی مرثیوں کی طرح اگرچہ یہ کتاب بالکل مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے تاہم شاعرانہ نکات اور خصوصیات سے معرا نہیں ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ اسقدر دلچسپ کتاب نہیں ہے، اسکے . . . ہ اشعار کے مطالعہ کے لئے صبر اور استقلال کی ضرورت ہے ایک دوسری کتاب . ہ شعر کی مناجات ہے جس کو ولی سے متعلق کیا جاتا ہے، اُردوئے قدیم کے مصنف نے اس کا حوالہ دیا ہے لیکن اپنے بیان کے ثبوت میں کوئی سند نہیں پیش کی اس لئے شبہ ہے کہ آیا وہ ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو ولی کی ہے یا کسی اور شاعر کی

اشرف

سید اشرف کو اس دور کے اچھے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے، وہ حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کا پرستار تھا جس سے اسکے شیعہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس کی تصانیف کے مخطوطات برٹش میوزیم اور اڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی تصانیف سے اس کی حیات پر روشنی نہیں پڑتی، البتہ اس کے مرثیوں میں چند اشارے ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت ہی مقبول اور استاد فن شاعر تھا، اسپرنگر کے کیٹلاگ میں ذکا کے تذکرہ کے سلسلہ میں اس کو ولی کا ہمعصر بتلایا گیا ہے اور کچھ نہیں؛ اسی قسم کے بیانات شفیق اور قائم کے تذکروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ موخرالذکر کا بیان ہے کہ وہ حاتم کے زمانہ میں بھی زندہ تھا اور اورنگ آباد والے ولی نے بھی اشرف کے ایک شعر کو تضمین کیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اسے بہت پسند تھا۔

برٹش میوزیم میں اشرف کی مثنوی کا جو مخطوطہ (ایڈیشنل ۱۵۹۰) ہے اس میں ۶۹۴ اشعار ہیں لیکن شاعر نے خود کتاب میں ۷۰۰ شعر کا ذکر کیا ہے، اس کا نام "جنگ نامہ" ہے اور اس میں حضرت علی اور بالخصوص جمل؟ سے جو جنگ ہوئی اس کا ذکر ہے، یہ اوریجنل تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے جسکا ذکر خود مصنف نے (ورق ۴) پر کیا ہے۔

مثنوی میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہیں بلکہ خود شاعر کی تخیلی پیداوار ہیں۔

اشرف نے دوران نظم میں کئی جگہ اپنا نام لکھا ہے (ملاحظہ ہو اوراق ۳ا، ۱۰ا، ۳۵ب، وغیرہ) اختتام پر بھی اس نے سن تصنیف ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء کے ساتھ اپنا نام درج کیا ہے، اس نے ہم عصر بادشاہوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً بہادر، جہاندار، اور فرخ سیر۔

یہ نظم رسمی طور پر خدا، رسولؐ، حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ، حسینؓ، اور حنیف کی مدح اور ثنا سے شروع ہوتی ہے، بہت کم مصنفین نے حضرت حنیف کا ذکر کیا ہے۔

دیباچہ میں اس نے فارسی "جنگ نامہ" کو ترجمہ کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں اور کہتا ہے کہ اگرچہ اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن اس کو پورا کرنے کی اس میں قابلیت موجود نہیں ہے حالانکہ دراصل وہ ایک اچھا شاعر تھا، اس کے مذہبی جوش نے دکنی زبان میں ایک اہم کارنامہ پیش کرنے میں، اس کی بڑی مدد کی۔

باوجود ایک مذہبی نظم ہونے کے اس میں شاعری کے دلچسپ نمونے پائے جاتے ہیں، اسلوب بیان غیر دلچسپ نہیں ہے، شاعرانہ حیثیت سے زبان بہت عمدہ ہے۔

اس کے مرثیوں کی تعداد ۱۲ ہے جو اڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، ان میں ۱۴۰ اشعار ہیں، اسلوب بیان کے لحاظ سے اس کے مرثیے اس کے ہمعصر احمد کے مرثیوں سے بہتر ہیں خصوصاً حضرت علی رضؓ پر جو مرثیہ لکھا گیا ہے بہت ہی لاجواب ہے مرثیوں کے اکثر اشعار غزل کے شعروں کی طرح ہیں اور یہ بہت ممکن ہے کہ اشرف اچھا غزل گو شاعر ہو۔

ولی اورنگ آبادی

اِس ولی کے نام کے متعلق ابتک کوئی قطعی تصفیہ نہیں ہوا اور بہتر یہی ہے کہ اسکو اورنگ آبادی ولی کے نام سے یاد کیا جائے۔ وہ اورنگ آباد کا باشندہ تھا نہ کہ احمد آباد یا گجرات کا۔ البتہ اس نے ان مقامات کا سفر کیا ہے اور تعلیم بھی وہیں پائی۔

یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ولی ۱۰۹۳ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۵۵ھ احمد آباد میں انتقال کیا، جہاں اس وقت وہ دفن ہے، لیکن راقم کو اس کے سن وفات سے اتفاق نہیں ہے اس لئے کہ "دہ مجلس" کے سن تصنیف کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے اور راقم نے پہلے ہی یہ ظاہر کیا ہے کہ "دہ مجلس ولی کی تصنیف نہیں ہے" اس کا انتقال ۱۱۴۳ھ سے قبل ہو اہوگا حکیم شمس اللہ قادری کا بیان اس کی تائید کرتا ہے جنہوں نے اس کے دیوان کا ایک مخطوطہ دیکھا ہے جس کا سن تصنیف ۱۱۴۳ھ ہے اور جس کے اختتام پر یہ جملہ لکھا ہوا ہے "تمام دیوان ولی رحمۃ اللہ علیہ"

ولی کے سفر دہلی کے متعلق بھی چند شبہات ہیں۔ اُردوے قدیم کے مصنف نے یہ ثابت نہیں کیا کہ ولی محمد شاہ کے عہد میں دہلی آیا تھا، ان کی رائے میں ولی نے اورنگ زیب کے زمانہ میں سفر کیا ہے کسی اور وقت ہم اس کے متعلق تفصیل وار بحث کرینگے۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ ولی اورنگ زیب اور محمد شاہ دونو کے عہد میں دہلی گیا تھا۔ اندرونی شہادت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ ولی ایک بڑا سیاح تھا، اس نے گجرات اور سورت پر جو دلچسپ اشعار اور نظمیں لکھی ہیں اور ان مقامات کے متعلق جن اثرات اور احساسات کو بیان کیا ہے وہ اس کے یادگار سفروں کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھینگے۔

مختلف مصنفین اور خاص طور پر اس کے دیوان (جو حال ہی میں انجمن ترقی اُردو سے شائع ہوا ہے) کے ایڈیٹر نے ولی کے مذہب پر غیر معمولی توجہ دی ہے، راقم نے ویلور کے ولی کے سلسلے میں اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ یہ اورنگ آبادی ولی مذہبی آدمی نہیں تھا، مشہور و معروف غزل گو حافظ اور غالب کی طرح اس کا کلام بھی ادنیٰ ادنیٰ تعصبات سے پاک ہے اور نیز اس نے انتہائی عاشقانہ زندگی گذاری ہے، ظاہر ہے کہ ایک شخص جس نے خاص طور پر خوبصورت لڑکوں اور شراب خواری کی آرزو کے متعلق غزلیں لکھی ہوں کس طرح مذہب کا پرستار تصور کیا جا سکتا ہے؟ وہ ایک دنیا دار آدمی اور شاعر تھا اور کبھی کبھی غالب کی طرح اس کے کلام میں صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے، یہ بالکل ایک فطری چیز تھی کیونکہ وہ مسلمان جو آزادانہ زندگی گذارنا چاہتے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کے طعنے تشنے سننا نہیں چاہتے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو روزمرہ کے مذہبی فرائض کا پابند نہیں گردانا جاتا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ولی دہریا تھا مسلمانوں کے دونو بڑے فرقے یعنی سنی اور شیعہ دونو میں سے ہر ایک ولی کو اپنے فرقہ کا گنتا ہے، ممکن ہے ولی کا تعلق سنی فرقہ سے ہو لیکن یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کسی خاص فرقہ کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔

ولی کی قابلیت کے متعلق موافقت اور مخالفت میں بعض عجیب وغریب دلائل پیش کئے گئے ہیں، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی عربی اور فارسی معلومات بہت ہی محدود تھیں اور اسی وجہ سے اس کی شاعری میں غیر صحیح عربی اور فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں، فی الحقیقت یہ اعتراض درست نہیں ہے، ولی اپنے عہد کا حقیقی نمائندہ تھا، اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ الفاظ اسی طرح استعمال کرے جیسا کہ آج کئے جاتے ہیں لغو ہے، لکھنؤ کے شاعروں نے اردو شاعری میں عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کرنے کے لئے جو غیر عالمانہ اصول بنائے تھے ولی کے زمانہ میں رائج نہیں تھے، ولی سے پہلے کے اور اس کے ہمعصر شاعر فطری شاعر تھے جو صرف شاعری سے لطف اندوز ہونے کے لئے شعر کہا کرتے تھے اُن کا مقصد الفاظ اور محاورات کو استعمال کر کے اپنی شاعری کو عربی اور فارسی لغتیات کی کتاب بنانا یا لغت پیش کرنا ہرگز نہیں تھا۔

مزید برآں وہ جو زبان استعمال کرتے تھے وہ اُنکے ہمعصروں کی بول چال کی زبان تھی، وہ عربی اور فارسی لغت سے الفاظ نہیں لیتے تھے بلکہ روزمرہ عام طور پر بول چال میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں انہیں کو استعمال کرتے تھے۔

غیر زبان کے الفاظ کے استعمال سے قطع نظر، بعض نقاد ولی کی معمولی اُردو پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اُس کی زبان بالکل متروک ہے اور وہ ایسے الفاظ اور محاورات استعمال کرتا ہے جن کو لوگ سمجھ نہیں سکتے لیکن کسی قدیم شاعر سے موجودہ زبان میں لکھنے کی توقع کرنا کس حد تک انصاف پر مبنی ہے! ولی کی شاعری اور اس کا اسلوب بیان

اس کے زمانہ میں اُسی قدر عام پسند خالص اور دلچسپ تھا جیسے آج کل حالی، اکبر اور اقبال کا ہے۔

ولی کے دیوان میں کئی قسم کی شاعری کے نمونے ہیں۔ ۵۴ غزلیں مختلف قسم کے ۲۵ ترکیب بند ۲ قصیدے، ۲ مثنویاں اور ۲۵ رباعیاں ہیں لیکن میر اور غالب کی طرح اس کی شہرت کا دارومدار غزلوں ہی پر ہے۔ ان میں شاعری کی اعلیٰ خصوصیات موجود ہیں۔ ادبی نقطۂ نظر سے اس کی مثنویوں اور قصیدوں کو جو مقابلتہً بہت تھوڑے ہیں کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ولی نے کوئی طویل نظم نہیں لکھی۔

اس کی شاعری کی خصوصیات میں علاوہ سادگی کے تسلسل، لطافت زبان، اظہار عشق، وسعت نگاہ اور حسن پرستی داخل ہیں۔ عشق و محبت میں اس کی غزلیں میر اور درد، آزاد خیالی میں غالب اور حافظ، اور جمالیاتی رنگ میں نظیر کی غزلوں سے ملتی جلتی ہیں۔

دکھنی مرثیے ایڈنبرا میں

کتب خانہ ایڈنبرا یونیورسٹی کے شعبہ مشرقی کے کٹلاگ میں "مراثی ہاشم علی" کے عنوان کے تحت ان کی دو جلدوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دراصل ان میں سے ایک تو ہاشم علی کے تقریباً ڈھائی سو مرثیوں کا مجموعہ ہے، جس کو مصنف نے "دیوان حسینی" کے نام سے موسوم کیا ہے، اور جس کے متعلق چند معلومات اس مضمون میں پیش کی جائیں گی۔ اور دوسری جلد ایک "بیاض" ہے جس میں قریب اسی (۸۰) شاعروں کے تین سو مرثیے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ بیاض ابتدائی اور آخری صفحوں کے لحاظ سے نامکمل ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حقیقت میں اس کا کیا حجم تھا۔ اور اس وقت اس میں اول اور آخر سے کتنے صفحے غائب ہیں۔

دکھنی مرثیوں کی ابتدا کے متعلق فی الحال کوئی تحقیقی بات نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں بہت قدیم زمانے ہی سے مرثیہ گوئی کا آغاز ہو چکا ہوگا، کیونکہ بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں حکومتیں تقریباً شروع ہی سے شیعہ مذہب کی پیرو تھیں۔

ہمارے زیر نظر مخطوطوں کو اردو مرثیہ گوئی کے آغاز سے کوئی تعلق نہیں یہ اس زمانے کے مرثیے ہیں جب دکھنی مرثیہ گوئی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ دکھن کی شیعہ سلطنتوں کے زوال کے ساتھ ہی اس کو بھی زوال نہیں شروع ہوا بلکہ اس کا سلسلہ باقی تھا۔ یہاں تک کہ بعد میں شمالی شاعروں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیکر اس میں اور بھی ترقی دی، اور آخرکار انیس، اور دبیر، جیسے استادوں نے تو اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔

یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ دکھن میں، اس گئے گزرے زمانے میں بھی، مرثیہ گوئی برابر جاری رہی، اور اس طرح ہاشمی، اور مرزا، اور انیس، اور دبیر کے درمیانی زمانے میں مرثیوں کی زمین بالکل بنجر نہیں پڑی رہی

زیر نظر مرثیوں کے مطالعہ کے بعد یہ خیال دور ہو جاتا ہے کہ اردو مرثیہ گوئی دکھن میں شروع ہو کر بالکل ختم بھی ہو گئی اور یہ کہ شمالی شاعروں کو از سر نو مرثیہ گوئی کا آغاز کرنا پڑا۔

دکھنی مرثیوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا مرثیہ پن ہے اور اس حیثیت سے وہ شمال کے مرثیوں سے متفرق ہیں۔ وہ مرثیہ گوئی کے اصلی مقصد کو مدنظر رکھکر لکھے گئے ہیں۔ ان کا مقصد رونے رلانے کے سوا کچھ نہیں شمال میں بھی ابتدا میں یہی رجحان تھا، لیکن انیس، اور دبیر نے اس کے رخ کو بالکل بدل دیا اور ان کے یہاں مرثیے اردو شاعری کے اہم ترجزو بن گئے۔ اس میں بہت کم شبہ کی گنجایش ہے کہ دکن میں بھی اس طرح کا رجحان شروع ہو چکا تھا کہ مرثیہ نگاروں میں رونے رلانے کے علاوہ شعریت کا بھی لحاظ رکھا جائے، جیسا کہ روحی، رضی، قادر، ندیم، اور نظر وغیرہ کے مرثیوں سے ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ بات عام طور پر مقبول نہیں ہوئی تھی۔ ایک دفعہ عزلت نے اپنے مرثیے کے آخر میں اشارہ کیا تھا کہ:۔

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا
پختہ درد آمیز عزلت نت توں احوالات بول

مگر اس کے ایک بڑے ہمعصر رضا نے مرثیے کے اصطلاحی معنوں اور مقصد کو دلیل بنا کر اس طرح اس کا جواب پڑھا کہ:۔

اے عزیزاں گرچہ عزلت مرثیہ میں یوں کہیا
خام مضمون مرثیے کہنے سوں چوپہ (کذا) رہنا بھلا
لیکن اس مظلوم بے سر کا بیاں کرنا روا
تا کہ سن کر یو بیاں ہو ویں محبا اشک بار

اگرچہ شمالی مرثیوں کی طرح دکھنی مرثیے موضوع کے لحاظ سے زیادہ مضمون خیز نہیں ہیں تاہم ان میں بھی امام زادہ علی اصغر کی شہادت اور امام قاسم اور بی بی سکینہ کی شادی اور پھر ہمیشہ کی جدائی پر بہت کچھ توجہ صرف کی گئی ہے خصوصاً علی اصغر کی شہادت پر دکھن کے قریب قریب ہر مرثیہ گو نے نئے نئے طریقہ سے ماتم کیا ہے۔

اس امر کا اظہار بھی شمال اور جنوب کے اردو مرثیوں کا مقابلی مطالعہ کرنے والوں کے لیے شاید غیر ضروری نہ ہوگا کہ دکھنی مرثیے بالعموم مربع بندوں کی شکل میں لکھے گئے ہیں ہر مرثیے کے پہلے بند کے چار مصرعے ہم قافیہ

و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ لیکن ہر بند کا چوتھا مصرعہ اسی ردیف اور قافیہ میں لکھا جاتا ہے جو ابتدائی بند کا ہوتا ہے۔ چند مرثیے مخمس کی شکل میں بھی ہیں اور سلام، درود، اور فاتحہ وغیرہ کے موضوع کے لئے عموماً غزل کی شکل استعمال کی گئی ہے۔

دکھنی مرثیوں کی ایک اور خصوصیت ان کی تاریخی معلومات ہیں اس بارے میں وہ شمالی مرثیوں سے زیادہ اہم ہیں۔ ان سے شاعروں کے نام ان کی زندگی، ان کے وطن، اور زمانے وغیرہ کے متعلق بھی معلومات ہوتے ہیں اور یہ باتیں اس لئے زیادہ اہم ہیں کہ ان مرثیہ نگاروں پر اس وقت کسی اور ذریعے سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

ہاشم علی

اس ہاشم علی کو نصرتی کے ہم عصر ہاشمی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات یہاں ضرور ملحوظ رہے کہ ہاشم علی کبھی مرثیے میں خود کو ہاشم یا ہاشمی نہیں لکھتا اس کے دیوان (یعنی مجموعہ مراثی) کے مطالعہ کے وقت میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ کہیں صرف لفظ ہاشمی کا استعمال دیکھوں مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے کسی مرثیے کے آخر میں ہاشم علی کے سوا کوئی اور تخلص نہیں پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیاض مراثی میں مجھے ایک ایسا مرثیہ ملا جس کے آخری شعر یہ ہیں۔

تھا اسے ہاشم مجھ کوں عظمت (عزم ؟) ترک اشعار جدید
بس کہ ہے دل میں ہجوم درد حسین شہید
اشک کے طفلاں ہو دامن گیر ماتم کر مزید
لوح دل سیں یو سطر غم کی مٹانے نیں دیئے

تو میں نے اس کو ہاشم علی کے مرثیوں کی فہرست میں نہیں داخل کیا بلکہ جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں فہرست ملاحظہ کرنے سے واضح ہوگا۔

ہاشم اور ہاشم علی دو علیحدہ علیحدہ نام لکھے ہیں۔ تاہم ہاشم پر استفہامیہ لگا دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خرق عادت کے طور پر ہاشم علی نے ایک دفعہ ہاشم تخلص بھی استعمال کر دیا ہو!

ہاشم علی، عادل شاہی ہاشمی سے تقریباً ایک صدی بعد کا شاعر ہے۔ وہ ولی اورنگ آبادی کا ہم عصر تھا۔ اس کے موجودہ دیوان میں ایک دو تاریخیں ایسی ملتی ہیں جن سے اس کے زمانے کا صحیح تعین ہو سکتا ہے۔

۱۔ مرثیہ نمبر ۲ کے عنوان کے طور پر اس نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

"از جملۂ تفضلات امام شہید کہ برین عاصی شدہ آنست کہ برادر ایمانی حافظ فضل الدین در عالم رویا بتاریخ بیستم ماہ مبارک رمضان سنہ ۱۱۴۸ھ یک ہزار (؟) و چہل ہشت مشاہدہ نمود کہ گویا پائے علاوہ (الاوہ۔ موجودہ) آنحضرت نشستہ ومحبان جمع شدہ اند کہ یکا یک از شکل ضریح سوز (؟) صدائے برآمد حاضران مجلس ہمگی بتعظیم آن برخاستہ، دست ہائے ادب برسینہ نہادہ، بجہتہ استماع ندائے روح افزا ہمہ سراپا گوش گشتند، کہ بار دیگر آواز برآمد، ونام قایل بیان عم برزبان راندند کہ کجاست چون این کمینہ را نیز در آن محفل حاضر دید کہ با نیز تمام سر را قدم ساختہ نزدیک ضریح مقدس آمدہ ایستاد بار سوم حکم عالی صادر شد کہ آن مرثیہ واویلا را بخوان۔ حسب فرمان وحی ترجمان شروع بخواندن نمود کہ از ان خواب بیدار شدہ این پایۂ علمی آنست کہ در بارگاہ سلیمانی وصول شدہ۔"

اس سے جہاں مصنف کے مذہبی معتقدات پر روشنی پڑتی ہے (جس پر آیندہ نظر ڈالی جائے گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم علی سنہ ۱۱۴۸ھ میں خاصا مشہور مرثیہ گو ہو چکا تھا۔ اور اس کے مرثیے اس قدر پر اثر سمجھے جا چکے تھے کہ اُن کی داد دینے اور سننے کے لئے اس کے اعتقاد کے مطابق حضرت امام حسین بھی اس کے ایک دوست کے خواب میں تشریف لائے تھے۔

۲۔ ایک جگہ (یعنے مرثیہ نمبر ۵، اکے آخر میں) مرثیے کی تاریخ تصنیف یوں بیان کی ہے۔

جب منجم نے کیا اس دردنامہ کا حساب　　غین وقاف وسین وطا آیا رقم اندر کتاب
سُن کے یو تاریخ کوں سینے میں دل ہوتا کباب　　ختم کر ہاشم علی قاسم کی شادی کے بین

گویا یہ مرثیہ سنہ ۱۱۶۹ھ میں لکھا گیا ہے۔

ان دو نوں شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی گیارہویں صدی ہجری کے آخر یا بارہویں کے اوائل میں پیدا ہوا ہو گا ۔ اور یہ کہ بارہویں کے آخر میں انتقال کیا۔

ایک اور طرح سے بھی ہاشم علی کے زمانہ پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیوں میں دکن کے مشہور شاعر 'قادر' کا دو دفعہ ذکر کیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ تو قادر کی زندگی میں اس کی طرف اشارہ کیا اور دوسری دفعہ اس کی وفات کے بعد۔

قادر، دکن کے بہترین مرثیہ گویوں میں سے ہے۔ گجرات اس کا وطن نہیں تھا بلکہ دکن کا کوئی حصہ۔ ایڈیٹر

ن کے ۱۱ اعلیٰ درجہ کے مرثیے موجود ہیں اس میں کل ۳۰۵ شعر ہیں اور بلحاظ مقدار خود ہاشم علی اور غلامی کے سوا یہاں سب سے زیادہ اسی کے مرثیے ہیں۔ اگرچہ خوبی کلام کے مد نظر فی الحال اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا غلامی بہتر ہے یا قادر؟

قادر، ہاشم علی کا ہم عصر تھا۔ اس کے مرثیوں میں سے ایک میں عجیب طرح سے تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

سن اگیارہ سو اوپر اونچاس سال ــــ سبز بانا قادر اکا لہو میں لال
ختم کریو مرثیہ پایا وصال ــــ اے کیا غم، غم پہ غم ہے متقیم

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادر سنہ ۱۱۴۹ھ میں زندہ تھا۔ اور چنانچہ جب ہاشم علی نے یہ شعر لکھا۔

ہاشم علی عجب نیں یو مرثیے کوں سن کر ــــ تجہ پر خلیفہ قادر تحسین کرے دکھن میں

وہ بقید حیات تھا لیکن اس کے بعد ہی (اور بہت ممکن ہے کہ ۱۱۶۹ھ سے پہلے) اس کا انتقال ہو گیا۔ کیوں کہ ایک دوسرے مرثیے میں ہاشم علی کہتا ہے۔

ہزار حیف نیں شاعران دکھن ــــ سو، روحی، و مرزا، و قادر نہیں

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں اس کے سامنے مرگئے تھے اور ان کی وفات پر ہاشم علی کو افسوس بھی ہوا تھا۔

اس تمام تفصیل سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ ۱۱۴۲ھ اور ۱۱۶۹ھ سے متعلق اس کی ذاتی شہادتوں کے علاوہ ۱۱۴۹ھ کی بھی اس کے زمانہ کے متعلق ایک بالواسطہ شہادت موجود ہے۔

اسی سلسلے میں ان شاعروں کی نسبت بھی کچھ لکھنا دلچسپی سے خالی نہیں جن کا ہاشم علی نے ذکر کیا ہے اور جس سے اس کا ماحول بھی معلوم ہوتا ہے۔

قادر کے ساتھ ایک ہی مصرع میں روحی، اور مرزا، کا تذکرہ کرنا ضرور قابل توجہ ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مرزا سے دکن کے ان دو شاعروں سے کوئی ایک مراد ہے جن میں سے ایک کا تعلق بیجاپور سے تھا اور دوسرے کا گولکنڈہ سے بیجاپور کے مرزا کو انتقال کئے ہوئے اس وقت تک غالباً بہت زمانہ گذر گیا ہوگا کیونکہ موجودہ معلومات کی بنا پر اس کا انتقال علی عادل شاہ ثانی ہی کے زمانہ میں یعنی ۱۰۸۳ھ سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہاشم علی جس مرزا کا ذکر کر رہے ہیں وہ یقیناً وہ مرزا ہے جو یا تو اس کا ہم عصر تھا یا جس نے اس کے قریبی زمانے میں انتقال کیا تھا۔

گولکنڈے کا مرزا ممکن ہے ہاشم علی کے زمانے تک زندہ ہو۔ کیونکہ ۱۰۱۰ھ کے بعد اس کا بقید حیات ہونا مسلّم ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ پچیس تیس سال اور بھی زندہ رہا ہو۔ لیکن یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ گولکنڈے کے مرزا سے عام طور پر مرثیے نہیں منسوب کئے جاتے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ صرف بیجاپور کا مرزا مرثیہ گو بھی تھا۔

یہ بحث اس لئے بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ اسی پر ان پندرہ مرثیوں کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہے جو یہاں "بیاض" میں مرزا کے نام سے موجود ہیں اور جن میں تقریباً ۱۲۰۵ شعر ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان مرثیوں کا مصنف گولکنڈے ہی کا مرزا ہے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ سنہ ۱۱۱۵ھ تک زندہ بھی تھا۔ کیونکہ مرزا کے جو مرثیے یہاں موجود ہیں اُن میں ایک جگہ قادر کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ گویا وہ اس وقت مر چکا تھا۔ مرزا لکھتا ہے:۔

یہ مرثیہ بوتراب سیتے قبول پاوے تو کچھ عجب نیں
کہ روح قادر کی زار رووے جو مرزا دکھن میں غم تھیں

یاد رہے کہ مرزا جیسا کہ اُس کے ایک تذکرہ شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۱۱۱۹ھ تک زندہ تھا۔

اِس میں بہت کم شک کی گنجائش ہے کہ 'مرزا' قادر' کی طرح دکن ہی کے شاعر تھے۔ وہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

در ملکِ ہند' پورب پچھم ہے سوگ میں
سب سے ادھک عزا ہے بہ دکھن جین کا

اِس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا کے مرثیے اس مجموعے کے بہترین مرثیوں میں سے ہیں۔ اُن کا مصنف یقیناً ایک اعلیٰ درجے کا اور پختہ شاعر ہوگا۔

پس یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہاشم علی نے جس مرزا کا ذکر کیا ہے وہ گولکنڈے کا مرزا ہے جس نے مرثیے بھی لکھے اور جو سنہ ۱۱۱۵ھ تک زندہ بھی تھا۔ یا یہ کہ وہ دکن کا کوئی اور بڑا مرثیہ گو شاعر تھا، جو ولی' ہاشم علی' اور قادر کا ہم عصر تھا اور جس نے قادر کے بعد اور ہاشم علی سے پہلے انتقال کیا۔

اِس بحث کو بند کرتے وقت میں اپنا یہ اندیشہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ضروری ہے کہ یہ سب مرثیے ایک ہی مرزا کے ہوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ بیاض جمع کرنے والے نے (جس طرح بعض قدیم شاعروں مثلاً ہاشمی اور شاہی کے مرثیوں کے نمونے دئے ہیں' یا بعضوں مثلاً بسل اور ہادی کے فارسی مرثیے بھی شامل کر لئے) قطب شاہی مرزا اور عادل شاہی مرزا دونو کے مرثیے نقل کر لئے ہوں' اور پھر ہماری بدقسمتی سے اس کا خیال نہ رکھا ہو کہ ہر مرثیے پر اس کے خاص مصنف کی طرف اِشارہ کیا جائے۔

اگر واقعی یہ مرثیے دو مختلف شاعروں کی پیداوار ہیں تو نہ معلوم آئندہ ایسا موقع بھی آسکے گا کہ کوئی خدا کا بندہ دو شاعروں کے مرثیے علیحدہ علیحدہ کر کے ہر حقدار کو اس کا صحیح حق پہنچائے۔

ہاشم علی کے متذکرہ شاعروں میں تیسرا نمبر روحی کا ہے۔ بیاض میں اُس کے زیادہ مرثیے موجود نہیں ہیں۔ تاہم جس قدر بھی ہیں اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ روحی کے مرثیوں میں شعریت اور تغزل کا جتنا رنگ غالب ہے کسی اور دکھنی مرثیہ گو کے یہاں نہیں۔ یہاں اُس کے کل پانچ مرثیے ہیں جن میں پچاس سے بھی کم شعر ہیں۔
روحی ایک اچھا شاعر ہوگا۔ اس کے مرثیے اس کی خوبیٔ کلام کا پتہ دیتے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف مرثیہ گو نہیں تھا، غزل گوئی میں خاصی مشق کی ہوگی۔ ایک مرثیے سے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ اس کا اندازہ ہو کہ روحی جیسا کامیاب شاعر بھی عزلت کا ہم خیال تھا۔

آج غم ناک ہیں چمن کے گل — بلکہ دل چاک ہیں سمن کے گل
غم زدہ سینہ داغ حیران ہیں — نرگس، لالہ، یاسمن کے گل
یوں نہ لالے شفق کے دستے ہیں — لہو میں ڈوبے ہیں سب گگن کے گل
جب سنے شہ کی بات مجلس میں — جل بجھے شمع انجمن کے گل
نقش پا دیکھ دل ہوس رکھتا — سر پہ رکھنے کوں تجھ چرن کے گل
خوش لگے تجھ طبع سیں اے روحی — دل کے باغاں ستے سخن کے گل

نہ معلوم اس طرح کے مرثیوں کو دیکھنے کے بعد 'رضا' کا کیا حال ہوا ہو۔
روحی کی زندگی کی نسبت فی الحال کوئی معلومات نہیں۔ 'قائم' نے اپنے تذکرے میں البتہ ایک روحی کا ذکر کیا ہے جو حیدرآباد کا پیرزادہ تھا۔ مگر نہ معلوم وہ بزرگ یہی روحی ہیں یا کوئی اور! یہ ظاہر ہے کہ اس روحی کا ہاشم علی کی زندگی میں انتقال ہو چکا تھا۔
ہاشم علی کے دیوان میں ایک اور شاعر کا بھی ذکر آتا ہے۔ وہ اپنے مرثیے نمبر ۱۰ کے عنوان میں لکھتے ہیں:-

"تضمین غزل خواجہ حافظ شیرازی کہ حافظ رضی نامی شاعر نیز کردہ بود"

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حافظ رضی جس کے نو مرثیے بیاض میں موجود ہیں، اور جو اچھے مرثیہ گویوں میں سے ہے، ہاشم علی کے زمانے سے پہلے گذرا تھا یا اُس کے زمانے میں تھا۔ رضی غالباً گجرات کا شاعر تھا۔ خود اس نے حافظ کی مشہور غزل " دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدا را " کی تضمین ایک اور شاعر 'بے خبر' کی تقلید میں کی ہوگی۔ 'بیاض' میں 'بے خبر' کی تضمین کے بعد ہی حافظ 'رضی' کی تضمین نقل کی گئی ہے۔ لیکن 'حافظ'

"رضی" کا یہ مرثیہ "بے خبر" اور ہاشم علی دونوں کے مرثیوں سے بہتر ہے:

ہاشم علی کے زمانے اور اس کے قریبی شاعروں پر چند نوٹ لکھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وطن کی نسبت اس کے کلام سے جو روشنی پڑتی ہے اس کو بھی ظاہر کر دیا جائے۔

کتلاگ کے مرتب نے اسے برہان پوری لکھا ہے، اگرچہ اس کے مرثیوں سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس سے صرف اس قدر علم ہوتا ہے کہ وہ گجرات کا شاعر تھا، اور غالباً اس شہر میں رہتا تھا جس کو وہاں کے باشندے شاید "نگر" کہتے ہوں۔ کیونکہ اپنے مرثیوں میں اس نے دو دفعہ نگر کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

(۱) شہ کے غم میں آج اے ہاشم علی   زینہار ہرگز نہ کر تو ں بے دلی
سن نگر میں شور محشر ہر گلی   ہے شب قتل شہیداں آج رات
(مرثیہ نمبر ۳۴ کے آخری شعر)

(۲) یو نگر میں شورش کے باج ہے   اس الم کا نالہ گھر گھر آج ہے
(مرثیہ نمبر ۴۵ کا آخری شعر)

یہاں لفظ "نگر" برہان پور کے لئے ممکن ہے بالکل اسی طرح استعمال کیا گیا ہو جس طرح شہر حیدرآباد دکن کو وہاں کے لوگ اختصار کے لئے بالعموم "بلدہ" یا "شہر" کے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔

رہا اس کا ثبوت کہ یہ نگر گجرات کا کوئی شہر ہوگا، یوں ملتا ہے کہ ہاشم علی نے چند مرثیوں میں دکن کو اس طرح یاد کیا ہے کہ گویا وہ وہاں نہیں رہتے۔ اس کے برخلاف گجرات میں رہنا حسب ذیل شعروں سے ثابت ہوتا ہے۔

ہاشم علی لکھا توں بیکس دولہن کی باتاں   اس غم سے ہے جگر خوں، او چشم اشک ریزاں
گجرات میں پڑے جب یہ مرثیے کو یاراں   سنکر چلے ہیں روتے دکھنی دکھن کوں اپنے
(مرثیہ نمبر ۲۲۷)

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دکھنی گجرات کو اکثر جایا کرتے، اور وہاں کے شاعروں سے مستفید ہوتے تھے یہ بات صرف دلی اور نگ آبادی ہی تک محدود نہیں تھی۔ ہاشم علی کے علاوہ ایک اور مشہور شاعر رضا نے بھی لکھنؤ کا اس بارے میں ذکر کیا ہے وہ اپنے ایک مشہور مرثیے کے آخر میں لکھتا ہے۔

نہیں ہے طاقت تا کروں غم کا سوہیں سارا بیان   تم کرو زاری شہاں کی آج اے پیرو جوان
آفریں مجھ کوں کہو اے شاعران ذاکراں   کرتا ہوں اب بس سخن کوں آج ہے قاسم کا بیاہ (دیباہ)

اے 'رضا' قاسم کے جلوہ کا بیاں کرتوں تمام　　تجہ کوں محشر میں شفیع ہو کر چھڑا دیں گے امام
مرثیہ تجہ کن لکھا کرلے گئے ہیں ہر کدام　　لے گئے دکھنی دکھن کوں، آج ہے قاسم کا بھیا

کیا تعجب ہے کہ 'ولی' نے اپنے انہی گجراتی دوست شاعروں کی یاد میں وہ نظم لکھی ہو جو اُس کے جدید مطبوعہ کلیات میں موجود ہے اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی 'ولی' کے دل پر گجراتیوں نے اچھے نقوش تاثر چھوڑے تھے۔

ہاشم علی کی حسب ذیل شعر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُس کے شعر دکھن پہنچتے تھے۔

ہاشم علی لے آئے محبان نے یو خبر　　دکھن سے ہو کے تیرے سخن کربلا چلے

اور نہ صرف یہی، دکن کے شاعروں سے ہاشم علی کو داد تحسین حاصل کرنے کی بھی توقع رہتی تھی۔ وہ کہتا ہے۔

ہاشم علی عجب نیں یہ مرثیے کوں سُنکر　　تجہ پر خلیفہ قادر تحسین کرے دکھن میں

اِس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گجرات اور دکھن کے شاعروں میں تعلقات بھی قایم تھے اور ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ پہنچ جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ہاشم علی نے اپنے مرحوم دکھنی دوستوں کو جس طرح یاد کیا ہے، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، وہ کہتا ہے۔

عجب نیں ہے ہاشم علی بے سخن　　یہ غم کا بیاں سُن کے لرزے گگن
ہزار حیف نیں شاعران دکھن　　سوروحی، و مرزا او قادر نہیں　　(مرثیہ ۱۶۵)

ہاشم علی صرف مرثیہ گو شاعر تھا، اور غالباً پیشہ ور۔ اُس نے سوائے مرثیوں کے کسی اور صنف شاعری میں قلم نہیں اُٹھایا۔ اور جس طرح دوسرے شاعر اپنی مختلف نظموں کو ایک جا کر کے انہیں ایک دیوان کی شکل میں حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار مرتب کرتے ہیں ہاشم علی کو بھی اس کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قسم قسم کے مرثیوں کو ردیف وار جمع کر کے ایک جلد میں نقل کرتا ہے، اور اس مجموعے کا نام "دیوان حسینی" رکھتا ہے کیوں کہ وہ امام حسین اور اُن کے ساتھیوں کے غم و الم پر مبنی ہے۔

"وجہ تسمی شدن این اوراق بہ دیوان حسینی"

کے تحت اُس نے جو ۹ شعر لکھے ہیں اُن کے آخری شعر یہ ہیں۔

شاعران نے شعر بولے گرچہ رنگین دل کشا　　اے عزیزاں یو سخن ہے اس دل بریان کا

توں لکھا ہے کربلا کا یو بیاں ہاشم علی　　ہے یو دیوان حسینی نام اِس دیوان کا (مرثیہ نمبر ۱)

اِس کے علاوہ اپنے صرف مرثیہ گو ہونے کی نسبت اُس نے صاف صاف کئی جگہ اعلان کر دیا ہے۔

چنانچہ بعض شعر ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہاشم علی ہمیشہ ثنا خوان شاہ کا　　جز مدح و منقبت سخن اُس نے لکھا نہیں (مرثیہ نمبر ۱۳۹)

(۲) بجز مدح نیں شعر ہاشم علی　　کہو راستی کے سخن پر سلام (مرثیہ نمبر ۱۱۴)

(۳) شاعری میں یو مقرر ہے تجے ہاشم علی　　جز ثنا و مرثیہ شعر دگر کہنا غلط (مرثیہ نمبر ۸۷)

اور نہ صرف یہی، اُسے اپنے خالی مرثیہ گو ہونے پر فخر بھی تھا۔ اس کا خیال تھا چونکہ وہ مرثیوں کے سوا کسی اور صنف شاعری سے اپنے قلم کو گندہ نہیں کرتا۔ اس لئے شعر بھی اچھے نکلتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

(۱) ہے سخن کوں مدح آل مصطفےٰ میں برتری　　یو سبب دُر ریز ہے ہاشم علی کی شاعری

قدر یو گوہر کوئی نجانے کا سوائے جوہری　　اے صبا یہ بے بہا گوہر او پر صلوات بول (مرثیہ نمبر ۹۹)

(۲) بول توں بلبل صفت ہاشم علی　　صبحدم میں مدح اولاد علی

(۳) جب تلک دیکھے گلستان بہار　　ہاشم علی کے شعر جو مدح امام ہے (مرثیہ نمبر ۱۷۲)

بر این ثنا و اُس کی فصاحت کوں ہے درود (مرثیہ نمبر ۳)

لیکن اگر کبھی اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں میرے شعروں میں کوئی نقص تو نہیں تو وہ یہ کہکر اس کی مدافعت کرنا چاہتا ہے کہ میرا مقصد شعر و شاعری تو ہے نہیں، میں صرف مرثیہ گو ہوں، بھلا مجھے نکتہ چینیوں کی کیا پروا، چنانچہ لکھتا ہے۔

(۱) ہوس نیں شاعری یاراں تجھے ہو دعا زاری　　سخن میں گر خطا دیکھو کرم سیتی گنا و ست (مرثیہ نمبر ۱۸۶)

(۲) شعر ہاشم علی کے تئیں یاراں　　مدح مولا منے دیکھو خاص (مرثیہ نمبر ۱۵۸)

یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیہ گو ہونے پر فخر اور نکتہ چینیوں سے بے پروائی کا ذکر صرف اِس لئے کیا کہ وہ اس ذریعے سے اپنے عیب چھپانا چاہتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا اعتقاد ہی اس طرح کا تھا۔ وہ ایک ادنیٰ درجے کا پیشہ ور مرثیہ گو نہیں تھا وہ جو کچھ لکھتا تھا اس کی اہمیت اور حقیقت، اسے اعتقاد تھا۔ وہ اُس کو اپنے مذہبی فرائض کا ایک جز سمجھتا تھا اور اس سے اُسے صرف دنیاوی منافع ہی کی امید نہیں تھی اسے یقین تھا کہ اس کے مرثیہ اسے آل نبی کی نظروں میں عزیز کر دیں گے اور اُن کے ذریعے

وہ اپنی دینی زندگی میں سرخرو رہے گا۔

یہ صرف نری توقعات ہی نہ تھیں۔ اسے ان کوششوں کے پھل بھی ملنے لگے تھے۔ اُسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ شہدائے کربلا علیہم السلام اس کے مرثیوں سے خوش ہیں اور یہ کہ اُن بزرگوں نے اپنی خوشنودی کا اظہار بھی کر دیا ہے اس کے برادر ایمانی حافظ فضل الدین نے ۱۱۴۳ھ میں جو خواب دیکھا تھا اس کو خود ہاشم علی ہی کے لفظوں میں ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس طرح کے خوابوں کا ذکر ہاشم علی نے ایک سے زیادہ موقعوں پر کیا ہے۔ چنانچہ دیوان میں ردیف "کاف" کو اس نے ایک سلام سے شروع کیا ہے جس کی سرخی یہ لکھی ہے۔

"سلام الا (کذا) جناب سید المرسلین و اشارہ باین کہ چوں سابق در عالم رویا جمال باکمال آنحضرت را دیدہ و آں خوابی است بسیار طولانی۔ درین سلام تمنائے بار دیگر نمودہ۔ و قسم حضرت شاہ کربلا دادہ، چنانچہ از فضل و کرم این آرزو برآمدہ، و بار دیگر باحسن وجہی مشاہدہ جناب اقدس نبوی نمودہ۔"

ایک اور سلام کی سرخی یہ ہے۔ اس میں ایک سے زیادہ خواب بیان کئے ہیں۔

"سلام الی جناب سید الشہدا، و دراں اشارہ است بسہ خواب۔

اول خواب است کہ جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ راچنانچہ در سلام ردیف الف اشارہ بآں باشد۔

دوم خوابی ست کہ جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ، و حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ التحیہ و اشارہ مشاہدہ نمودہ قدمبوس و مصافحہ بجا آوردہ حضرت امیر بدست مبارک فکر با دشاہ و بزبان می فرمودن کہ علی بن موسیٰ۔

وسوم خوابی است کہ صحب یکرنگ آل نبی امجد حاجی احمد درویش حضرت سید الشہدا را دیدہ، وگریا این کمینہ نیز نزد حاضر بودہ و ارشاد و بعملی شدہ کہ بجا آوردہ شد۔"

(مرثیہ نمبر ۸۹)

(اس میں بعض جگہ عبارت غلط ہے۔ میں نے حتی الامکان بعینہ نقل کر دینے کی کوشش کی ہے)۔

ان خوابوں کے علاوہ خود مرثیوں میں کئی شعر ایسے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہاشم علی کس قدر خلوص اور اعتقاد کے ساتھ مرثیے لکھتا تھا جب ذیل شعر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خود متاثر رہتا ہے۔

کہاں تک میں لکھوں اس غم کی باتاں کہ دل کے جوش سوں پرخوں ہیں انکھیاں (مرثیہ نمبر ۲۳)
آج ہاشم علی لکھا غم سوں بھر کے انجھو لو ہو ہیں سارے نین (مرثیہ نمبر ۱۵۱)

ہاشم علی کے سچے اعتقاد کا ثبوت اُن آرزوؤں سے بھی ملتا ہے جو اُس نے اپنے متعدد شعروں میں بیان کی ہیں مثلاً ایک جگہ وہ چاہتا ہے کہ کربلا جا کر خود مرثیہ امام علیہ السلام پر اپنے مرثیے سنائے اور اس کی اُس کو اس قدر تمنا تھی کہ وہ اپنے کلام کا کربلا جانا انتہائے عروج و قبولیت سمجھتا ہے۔ کہتا ہے۔

بولاؤ ہاشم علی کوں سرور نجاوے دل میں یہ آرزو لے کہ سارے جیتے جتنے یو مرثیے ہیں پڑے تماری وطن میں اتے تہیں
(مرثیہ نمبر ۱۵۴)

ہاشم علی لے آئے محباں نے یو خبر دکھن سے ہوکے تیرے سخن کربلا چلے (مرثیہ ۲۲۵)

اس کی بعض دعاؤں اور خواہشوں کی نوعیت اور سنجیدگی ملاحظہ ہو۔

اے محباں التماس آئین کی تم سوں رکھتا یہ گنہ گار روسیا
یا حسین اے خاص آل عبا عرض ہیں گے پانچ مطلب اے شہا
اول ہے تو آرزو دل میں مدام لطف سوں اپنے زیارت کوں بلا
دوسرا جب تئیں حیات مستعار رکھ مجھے بے منت خلق خدا
تیسرا ہونا قبول درگہت یو سخن لکھنا مرا تیری ثنا
چار میں یہ حاضران و ذاکراں تم سوں پاویں اپنے دل کی مدعا
ہے تجھے منصب شفاعت کا نصیب پانچواں مج کوں قیامت میں چھوڑا

وغیرہ (مرثیہ نمبر ۱۹)

اس کو امید تھی کہ قیامت کے دن امام حسین اس کی شفاعت کر کے اسے جنت دلائیں گے۔

حشر کے دیوان میں جب تے رحیم مصطفےٰ روضۂ رضواں کوں بھیجیں گے محباں کوں چھوڑا
یاد کر ہاشم علی تجھ کوں کہیں روز جزا وو ہمارا کمتریں مداح شاعر کاں گیا (مرثیہ ۳۱)

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

ہاشم علی کوں سرور کر لطف سے نوازیں میں ہے عجب عزیزاں ہے خاندان کرم کا (مرثیہ ۷)

ہاشم علی کے پیشہ ور مرثیہ گو ہونے کی بحث کے متعلق چند اور معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ

اس کے چند شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سال باضابطہ طور پر مرثیے لکھا کرتا تھا چنانچہ کہتا ہے ۔

تجکوں ہاشم علی حسین سرور ہر برس مرثیہ لکھاتے ہیں (مرثیہ ۱۴۹)

لکھوں کہاں تلک میں بیان تم مجے ہر برس لے کے تیر قلم

لگاتار ہے کماں دارِ غم جگر پر مرے تیر آخر نہیں (مرثیہ ۱۶۵)

آخری مصرع ظاہر کرتا ہے کہ وہ مدت سے مرثیے لکھتا آیا ہے اور یہ کہ جب تک زندہ رہے گا اسے ہر سال غم کرتے رہنا پڑیگا۔ ایک اور جگہ بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شاعراں نے ہر کدامیں نوبت اِس غم کی بھرے ہے تجے ہاشم علی اِس درد کی باری ہنوز

اِس سے یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے کہ ہم عصر مرثیہ گو مرثیے لکھتے لکھتے مر گئے لیکن ہاشم علی کی باری ابھی ختم نہیں ہوئی۔

پیشہ ور مرثیہ گوئی سے متعلقہ دوسری قسم کی معلومات بعض مرثیوں کے درمیانی اشاروں سے ہوتی ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی نے صرف منبر پر بیٹھ کر پڑھنے ہی کے لئے مرثیے نہیں لکھے بلکہ اسے ماہ محرم کے عام رسم و رواج کا بھی لحاظ رکھنا پڑا۔ زیارت اور چالیسویں کے نیز الوداعی مرثیوں کے علاوہ (جو علموں اور تعزیوں کو ٹھنڈا کرکے واپس ہوتے وقت پڑھے جاتے ہیں) تابوت لے جاتے وقت راستہ سے پڑھتے ہوئے جانے کے لئے بھی اس نے علیحدہ مرثیے لکھے۔ چنانچہ مرثیہ نمبر ۱۰۵ اور ۱۰۹ دونوں میں پچاس پچاس شعر لکھنے کے بعد یہ اشارہ کرتا ہے کہ:-

"ازیں جا روبروے تابوت ایستادہ شدہ بخوانند و آہستہ روانہ شوند"

زیارت اور چالیسویں کے مرثیوں کی ابتدا میں حسب ذیل نوٹ لکھے ہیں:-

۱- "در بیان روز سیوم کہ در اصطلاح روز پھول و روز زیارت گویند و این مرثیہ مخصوص آں روز است"

۲- مرثیہ چہلم کہ با صطلاح اہل ہند چالیسواں گویند و مناسب است کہ دراں روز یا شب خواندہ شود"

ہاشم علی کے مجموعہ مراثی، یعنے دیوان حسینی میں کل ۲۴۰ مرثیے ہیں یہ اس کا مکمل دیوان نہیں ہے کیونکہ کتاب میں اکثر جگہ (خصوصاً ہر ردیف کے آخر میں) بہت سے صفحے خالی چھوڑ دیے گئے ہیں جن سے

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اور مرثیے نقل کرنا چاہتا تھا بدقسمتی سے کتابت کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی ہی میں یہ بیاض لکھی گئی ہوگی۔

ہاشم علی ایک اچھا مرثیہ گو تھا۔ اگرچہ مرزا، غلامی' اور تادر کے بعض مرثیوں کے مقابلے کا ' دیوان حسینی' میں کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے' تاہم ہاشم علی کی استادی اور اعلیٰ درجے کے شاعر ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بقول اُن کے۔

شعر ہاشم علی ہوئے مشہور　　　نیں ہے دیوان کی کتاب ہنوز　(مرثیہ ۶۲)

کوئی تعجب نہیں اگر وہ دیوان حسینی' کے جمع ہونے سے پہلے ہی خاصہ مشہور ہو چکا ہو

اُس کی زندگی کی نوعیت پر' افسوس ہے کہ ان مرثیوں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ ایک دو جگہ ایسے شعر ضرور مل جاتے ہیں جن میں مصنف کے خیالات کی کچھ جھلک یقیناً نظر آتی ہے لیکن وہ کوئی زیادہ اہم نہیں۔ ذیل کے چند شعر ثابت کرتے ہیں کہ ہاشم علی کی زندگی عام انسانوں کی زندگی کی طرح صدموں سے آزاد نہیں تھی۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہوتی اگر سے ٹھوکریں لگتیں اور دنیا کی سرد مہریوں اور نیرنگیوں کی شکایت کرنے کا موقع نہ ملتا

۱۔ ہاشم علی زمانہ میں بہر و وفا نہیں　　　دلہائے پر نفاق میں صدق و صفا نہیں
ہرگز نہیں مروت و شرم و حیا نہیں　　　اس درد کے دوا کوں بغیر از خدا نہیں
فریاد یا محمد و یا مرتضیٰ علی　　　(مرثیہ ۴۴)

۲۔ زندگی دنیا کی ہے ہاشم علی خواب خیال　　　جو رہا سویا دو چوکا، جاگنا ہے گا کمال
ہے لحد کی نیند بھاری آج توں اس کوں سنبھال　　　تا جگاویں صبح محشر تج کو آساں نیند سوں
(مرثیہ ۹۵ بیاض)

امامی

سوائے اندرونی شہادت کے اِس مرثیہ گو کے متعلق مزید معلومات حاصل نہیں، اس کے تخلص سے اس کے مذہبی ہونے کا پتہ چلتا ہے، ہر مرثیہ کے اختتام پر اس نے اپنا یہ اعتقاد پیش کیا ہے کہ امام حسین اور آپ کے خاندان کا مداح اور پیرو ہونے کے باعث اس کے سب گناہ دھل جائینگے۔

امامی معمولی مرثیہ گو نہیں تھا، اس کا اسلوب بیان دلچسپ اور دلکش ہے، وہ اکثر گفتگو کے طور پر لکھتا اور اپنے مرثیوں میں ڈرامائی اثر پیدا کرتا ہے، بحریں بہت دلچسپ استعمال کی ہیں۔ جن کی وجہ سے پڑھنے والا شوق سے پڑھتا ہے۔

اِس وقت اس کے صرف ۵ مرثیے دستیاب ہوتے ہیں ان میں، اشعار ہیں اور مثلث کے ۵۳ مصرعے ہیں اکثروں میں کربلا کے واقعات بیان کئے گئے ہیں پہلا مرثیہ جس میں حضرت امام حسین کا ذکر ہے اسلوب بیان کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔ چوتھا ماہ محرم کے شروع ہونے کے غم میں ہے اور اچھا تمہیدی مرثیہ ہے۔

رضا

رضا، گجرات کے پایہ کے مرثیہ نویسوں میں سے ہے، اگرچہ اس نے صاف طور پر اپنے گجراتی ہونے کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن ایک وہ دگہ، جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا یہ بتلایا ہے کہ وہ دکھنی بھی نہیں تھا مزید برآں گجرات کا شاعر رضا جس کا ذکر ہاشم علی نے کیا ہے اور جس کے ۹ مرثیے اٹو نبر امیں محفوظ ہیں اس کو اپنا ہمعصر بتلاتا ہے۔

رضا اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تھا، اسے بہت سے شاعروں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا، اکثر مقامات کے متعدد مرثیہ نویسوں کا وہ استاد بھی تھا، اس کی شہرت کا اندازہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو ایک مرثیہ کے اختتام پر تحریر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مرثیہ لکھنے کے لئے خوشامد کرتے تھے اور اس کے مرثیے اپنے گھروں کو لیجاتے تھے بعض اہل ذوق اس کے مرثیے دکھن میں بھی لے گئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دکھنی نہیں تھا۔

مرثیہ گوئی کے اصول کا سختی کے ساتھ پابند تھا، اس کے خیال میں مرثیہ کا مقصد صرف یہی تھا کہ امام حسینؑ کے خاندان کی مصیبت کو بیان کیا جائے۔

بیاض میں ۱۵ مرثیے ہیں، جن میں ۳۶۰ اشعار ہیں، اس پر اس کا نام بھی لکھا ہوا ہے ان میں سے اکثر شاعرانہ نقطۂ نظر سے اعلیٰ معیار رکھتے ہیں۔

پہلے مرثیہ میں حضرت حسین کی شہادت پر حضرت فاطمہ کے غم کا حال درج ہے اگرچہ مرثیہ کچھ ایسا زیادہ اہم نہیں ہے تاہم اس سے شاعر کی زندگی کے متعلق بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے اس مرثیہ کی آخری سطروں میں اس نے زیارت کربلا کی خواہش ظاہر کی ہے اور کہتا ہے کہ مرثیہ گوئی کے مقدس کام نے اسے بہت مشہور اور کامیاب شاعر بنا دیا۔

چوتھے مرثیہ میں اُس کے مرثیوں کی شہرت کا حال درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام لوگ دور دور مقامات پر لیجایا کرتے تھے، اس کی تمام نظموں میں یہ سب سے بہتر ہے، اس میں امام قاسم اور حضرت سکینہ کی شادی کا حال درج ہے اور اس زمانہ کے رسم و رواج کا حقیقی نقشہ کھینچا ہے چند معمولی اشعار کے علاوہ باقی پورا کلام شاعرانہ خوبیوں اور پُر ترنم اندازِ بیان سے مالامال ہے۔

ساتویں مرثیے کے اختتام پر اُس نے شاعرانہ مرثیے لکھنے کے متعلق غزلت کا جواب دیا ہے، امام حسین کی شہادت کے متعلق رضا کا یہ خاص مرثیہ ہے۔ حضرت امام حسین کا مرثیہ لکھنے میں اس کو بے حد کمال حاصل ہے اور یوں تو بحیثیت مجموعی ہر موضوع پر وہ خاص انداز میں قلم اٹھاتا ہے مثلاً اگر ایک مرثیہ امام حسین کی بیوی کی زبان سے کہلوایا جاتا ہے تو دوسرا آپ کی دختر کی زبانی اور آپ کی ہمشیر کی زبانی وغیرہ وغیرہ۔ ہر وقت نئے انداز میں مختلف جذبات کے تحت مرثیہ کہنے میں ایک گونہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

سید

ایک فارسی مرثیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید اس کا نام سید غلام محمد تھا، غالباً وہ گجرات کا باشندہ ہوگا کیونکہ ایک شعر میں اس نے انگریزوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے سب سے پہلے گجرات ہی کے ساحلی مقامات پر ڈیرے ڈالے تھے۔ اس شعر کے علاوہ شاعر نے اپنی مصنفات میں اپنے متعلق کسی قسم کی مفید معلومات تحریر نہیں کئے ہیں۔ البتہ ایک شعر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس وقت وہ مرثیہ لکھ رہا تھا اس کے باپ کا انتقال ہو رہا تھا۔

سید یا تو طبیب تھا یا فن طب میں کچھ دخل رکھتا تھا، اور شاید نجوم سے بھی اسے دلبستگی تھی کیونکہ ایک مرثیہ میں اُس نے نجوم اور طب کی بیشمار اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ بیاض میں اس کے دس مرثیے ہیں جن میں دو فارسی ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک قابل آدمی اور اچھا شاعر تھا، اس کی زبان سادہ اور موثر ہے اسلوب بیان بلحاظ باطنی خصوصیات کے بلحاظ بلند پایہ ہے۔

غلامی

اگرچہ کسی شاعر نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ اندرونی شہادت ہی سے اس کے متعلق کوئی مواد فراہم ہوتا ہے تاہم وہ بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے اُس کی تاریخ پیدائش کا ہمیں علم نہیں اور نہ اس کے نام کا یقین ہے، البتہ دوسرے اور چھٹے مرثیے کی آخری سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام یا تو غلام حیدر تھا یا غلام مرتضیٰ۔ پانچویں مرثیہ میں اسکے وطن کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ اس میں اُس نے گجرات چھوڑ کر کربلا جانے کی خواہش ظاہر کی ہے لیکن وہ کس خاص شہر میں پیدا ہوا اس کا علم نہیں ہے ساتویں مرثیے سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ یہ جس مقام پر مرثیے لکھتا تھا وہاں اور بہت سے مرثیہ گو بھی رہا کرتے تھے جن کی وہ تعریف کرتا ہے اور دوستانہ تعلقات کی بنا پر ان کو اپنے پر فوقیت دیتا ہے اس کے بعض مخالفین بھی تھے چنانچہ آٹھویں مرثیے میں اس نے ان کی اچھی طرح خبر لی ہے۔

اڈنبرا کی بیاض میں جن شعرا کا ذکر ہے ان کی طرح یہ بھی صرف ایک مرثیہ گو تھا لیکن وہ ان سب میں مشہور تھا کیونکہ بیاض مذا میں اس کے کافی مرثیے موجود ہیں اس کے سترہ مرثیوں میں ۳،۵۰۰ اشعار ہیں۔ ان معلومات کے علاوہ ساتویں مرثیے سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے جو اگرچہ اس وقت کارآمد نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ آئندہ اس سے کچھ فائدہ اٹھایا جاسکے

وجہ یہ ہے کہ اس خاص مرثیے کے لکھنے کے زمانے میں اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی ماں بھی مرض میں مبتلا تھی شاعر اسکی صحت یابی کا متمنی تھا۔

اپنے ہمعصروں ہاشم علی اور رضا اور دیگر ساتھیوں کے مقابلہ میں حقیقت نگاری کے لحاظ سے وہ بہت اچھا شاعر تھا اس کے خیالات بہت اعلیٰ تھے، کربلا کے دلشکن واقعات کو اس نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا ان کو حقیقی تاریخی واقعات سمجھنے لگتا ہے، بعض دفعہ وہ ولی کی طرح ترقی یافتہ اور میٹھی زبان استعمال کرتا ہے، غالباً یہ پہلا شاعر ہے جس نے نظم میں صاف ستھری اور فطری مکالموں کا اضافہ کیا۔ اس کے دلفریب اسلوب بیان اور پرواز تخیل کی وجہ سے اسے قدیم دکھنی شعرا کی صف اول میں جگہ ملتی ہے۔

قادر

اس کے بعض اشعار (مرثیہ ۵، ۶) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام غلام قادر تھا لیکن قائم نے اپنے تذکرہ املاحظہ مخزن نکات، انڈیا آفس لائبریری کا مخطوطہ صفحہ ۱۳) میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس کا نام عبدالقادر تھا اور بڑھاپے میں اس نے زندگی گذاری غلامی کی طرح وہ بھی بہت بڑا شاعر تھا لیکن اسکی عظمت ایک دوسری شاعرانہ خصوصیت پر مبنی ہے اسکے زمانہ اور وطن کا حال ہمیں اچھی طرح معلوم ہے، اس نے ساتویں مرثیے کا سن تصنیف درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۷۱ھ میں زندہ تھا، مزید برآں اس کے ہمعصروں نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ہاشم علی کے دیوان میں دو دفعہ اسکا نام آتا ہے، ایک دفعہ جب کہ وہ زندہ تھا اور دوسری دفعہ جب کہ وہ مر چکا تھا گولکنڈہ کے شاعر مرزا نے بھی اس کو مرحوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۱۹۴ھ سے قبل اسکا انتقال ہو چکا تھا۔ ہاشم علی کے شعر سے اس کے دکھنی ہونے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ وہ اس کو دکھن کا بڑا شاعر مانتا ہے۔ لیکن غلامی کی طرح قادر کے بھی وطن کا حال معلوم نہیں، شاید اس کا وطن حیدرآباد تھا۔

پندرہویں مرثیے سے قادر کی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے، اس میں اُس نے اپنی علم نجوم اور علم ہندسہ کی قابلیت کا ثبوت دیا ہے، بہت سی علمی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں اور واقعات کو ایک نجومی کے زبان سے کہلوایا گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور و مقبول مصنف تھا، اڈنبرا کی بیاض میں اسکے ۱۸ مرثیے موجود ہیں جن میں ۳۰۰۰ اشعار ہیں، تسلسل، تازگی، سادگی اور انسانی جذبات کی ترجمانی کے لحاظ سے وہ بہت اہم ہیں۔ موثر اور جذباتی اسلوب بیان اسکی خاص خصوصیت ہے باوجود حقیقی اور فنی مرثیے ہونے کے اُس کے کلام میں شاعرانہ خصوصیات کا فقدان نہیں ہے۔

۲

نثر نگار

یورپ کے کتب خانوں میں قدیم اردو نثر کی بہت کم کتابیں محفوظ ہیں اس مجموعہ کے دور سے متعلق چند کتابیں ضرور ملتی ہیں لیکن وہ اس قدر ناقص اور غیر مکمل ہیں کہ ان کے سن تصنیف اور مصنفوں وغیرہ کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ شہ پاروں کے سلسلے میں دو تین ایسی کتابوں کے انتخاب ملیں گے جن کے مصنف کے نام معلوم نہیں۔

حیدرآباد آنے کے بعد بھی اس دور کی کئی اردو نثری کتابوں کے مطالعہ کا موقعہ ملا لیکن ان میں سے اکثر خشک مذہبی موضوع پر تھیں اور بہت سوں کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

حکیم شمس اللہ قادری نے دو مصنفوں کے حالات اپنی کتاب میں پیش کیے ہیں لیکن چونکہ راقم کی نظر سے وہ کتابیں نہیں گذریں اس لیے انھیں کی معلومات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ شاہ محمد

پورا نام سید شاہ محمد قادری ہے، یہ مصنف رائچور کے خاندان نور دریا کا بانی ہے وہ بیجاپور کے مشہور انشا پرداز اور صوفی شیخ امین الدین اعلیٰ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ قادری نے دکھنی زبان میں بہت سے مذہبی خیالات لکھے ہیں جن کا موضوع بالعموم

صوفیانہ ہے۔ اردوے قدیم کے مصنف نے اس کی دو کتابیں دیکھی ہیں جن میں وحدۃ الوجود اور قضا و قدر کے مسایل سے بحث کی گئی ہے۔

۲۔ سید شاہ میر

اسی دور کا دوسرا نثر نگار سید شاہ میر ہے جس کا تعلق قصبہ راچوتی سے ہے' اس کی کتاب کا نام اسرار التوحید ہے جس میں مسایل توحید پر بحث کی گئی ہے غالباً رسالہ تاج (حیدر آباد) کے مدیر کے خانگی مجموعہ میں یہ کتاب محفوظ ہے۔

اُردو شہ پارے

فہرست بلحاظ مضامین

اردو شہ پارے

تفصیلی فہرست بلحاظ مصنفین

۱- وجہی گولکنڈہ

۱	آغازِ محبت	۵۴ شعر	قطب مشتری	مخطوطہ انڈیا آفس نمبر فارسی ۱۲۲۲ ب ۱۲۲	۱۰۱۶ھ
۲	مجلس عیش و طرب	۲۲ شعر	״	״ ״ ״ ״ ״ ״	״
۳	تین غزلیں	۱۵ ״	״	اوراق ۴۳، لغایت ۱۰۱ ״ ״ ״ ״	״

۲- محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ

۱	مصنف کی سالگرہ	۱۴ شعر	کلیات	محبوب الزمن صفحہ ۵۳،	۱۰۱۸ھ
۲	باغ محمد شاہ	۱۵ ״	״	رسالہ اردو جلد ۲ حصہ ۴ صفحہ ۲۶-۲۷	״
۳	ننھی سانولی	۹ ״	״	محبوب الزمن صفحہ ۵۹،	״
۴	تین غزلیں	۱۷ ״	״	رسالہ اردو جلد ۲ حصہ ۵ صفحہ ۲۲-۲۴	״

۳- محمد قطب شاہ گولکنڈہ

۱	ساجن کی یاد	۵ شعر	دیوان	محبوب الزمن صفحہ ۳۵،	۱۰۳۴ھ

۲ خداداد محل ۳شعر دیوان محبوب الزمن صفحہ ۴۰۷ ۱۰۳۴ھ
۳ ٹھنڈ کالا ۵ 〃 〃 〃 〃 ۴۳۴ 〃
۴ غزل ۷ 〃 〃 〃 〃 ۴۳۳ 〃

۴۔ غواصی۔ گولکنڈہ

۱ کشت وخون ۸شعر سیف الملوک و بدیع الجمال برٹش میوزیم اڈیشنل مخطوطہ ۲۶ اوراق ۸۶-۱۲۰ ۱۰۳۵ھ
۲ ایک بدصورت شہزادی ۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۸۶ ورق ۶۴-۱ ب 〃

۵۔ مقیمی۔ بیجاپور

۱ عذر دوست ۹شعر چندربدن و ماہیار انڈیا آفس مخطوطہ نمبر فارسی ۱۰۰۳ ورق ۸ بیا۔ ۹ ل ۱۰۳۵-۳۹ھ
〃 〃 ۱۲۴۴ ورق ۱۵-۱۶-

۶۔ افضل

۱ چیت کا مہینہ ۱۱شعر بارہ ماسہ انڈیا آفس مخطوطہ نمبر فارسی ۱۲۴۴ ۱۹۰۶ ورق ۱۵-۱۶ ۱۰۳۹ھ
۲ جیٹھ کی گرمی ۱۱ 〃 〃 〃 〃 〃 ورق ۹-ب
〃 〃 ۱۲۴۴ ورق ۱۷ ب

۷۔ ملک خوشنود۔ بیجاپور

۱ شہزادوں کی ذہانت ۱۶شعر ہشت بہشت برٹش میوزیم اڈیشنل مخطوطہ ۱۰۵۹ اوراق ۹۰ تا ۹۴ ب درمیان ۱۰۴۷-۱۰۴۰ھ

اردو شہ پارے

۲ دنیا کی بیوفائی ۵ اشعر ہشت بہشت برٹش میوزیم اڈیشنل مخطوطہ ۱۰۵۹۰ ورق ۱۷۶ ؟ ۱۰۳۶-۶۷

۹۔ امین بیجاپور

۱ پہلی ملاقات [illegible]

[illegible] بیجاپور

۱ پریوں اور دیووں کی لڑائی ۷ شعر مثنوی [illegible] کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ورق ۴۰-۴۲ ،،

۲ جہاز کا سفر ۹ ،، ،، ،، ،، ۵۰ الف ب ،،

۳ باغ کا سماں ۶ ،، ،، ،، ،، ۴۶-۴۷ ،،

۱۰۔ قطبی گولکنڈہ

۱ بیوی کا انتخاب ۱۰ اشعر تحفۃ النصائح کتب خانہ مولوی عبدالغنی صاحب ۱۰۴۴ھ

۲ صبر و شکر ۸ ،، ،، ،، ،، ،،

۱۱۔ دولت بیجاپور

۱ شادی ۱۰ اشعر بہرام و بانو حسن برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۸ ورق ۴۳ ب ۱۰۴۴ھ

۱۲۔ رستمی بیجاپور

۱	دو اجنبی شہسوار	۲۵ شعر	خاور نامہ	انڈیا آفس مخطوطہ	اوراق ۹ب تا ۱۰۱ الف	۱۰۵۹ھ
۲	ایک مشرقی [illegible]	۱۵۳ "	"	"	" ۸ب تا ۸۵	"

۱۳۔ غواصی۔ گولکنڈہ

۱	وفادار عورت	۱۰۰ شعر	طوطی نامہ	برٹش میوزیم۔ اولیتھی	اوراق ۹ب تا ۱۴ب	۱۰۴۹ھ

۱۴۔ سیاپایان۔ گولکنڈہ

۱	غزلیں	۲۹ شعر	دیوان	کتب خانہ آغا حیدر حسن صاحب	تاریخ نامعلوم

۱۵۔ ابن نشاطی۔ گولکنڈہ

۱	عشق غائبانہ	۳۲ شعر	پھول بن	انڈیا آفس	اوراق ۲۹ب تا ۱۳۲	۱۰۶۶ھ

۱۶۔ نصرتی۔ بیجاپور

۱	احسان مندی	۶۶ شعر	گلشن عشق	برٹش میوزیم۔ اورینٹل ۱۰۵۹	اوراق	۱۰۶۷ھ
۲	کالی دھوپ	۱۵ "	"	"	۱۲۹ب تا ۱۳۵ب	"
۳	موسم سرما	۱۸ "	قصیدہ علی نامہ	برٹش میوزیم اورینٹل ۲۶۵۲۰	اوراق ۲۳۲ تا ۲۴۳	۱۰۷۴ھ
۴	بادشاہ کی فتح	۹۰ "	"	"	"	"
۵	دکھنیوں اور مغلوں کا ایک معرکہ	۱۰۰ "	"	"	"	۱۰۷۶ھ

۶	برسوں کا کام لمحوں میں	۱۰ شعر	قصیدۂ علی نامہ	برٹش میوزیم اورینٹل ۲۶۵۲۷	ورق ۱۳۱ الف ۱۳۲ ب	۱۰۷۶ھ

۱۷۔ اشاہ ملک۔ بیجاپور

۱	نماز ٹوٹنا	۲۰ شعر	شریعت نامہ	انڈیا آفس فارسی ۱۲۳۶ ب ۳	اوراق ۱۴۳ الف-۱۸۶	۱۰۷۷ھ

۱۸۔ طبعی۔ گولکنڈہ

۱	حب وطن	۴ شعر	بہرام وگل اندام	برٹش میوزیم۔ اورینٹل ۱۰۵۹	ورق ۱۴	۱۰۸۱ھ
۲	سوال وجواب	۱۰ "	"	"	اوراق ۵۹-۶۰	"
۳	غرور ومشورہ	۵ "	"	"	ورق ۳۳-ب	"
۴	قابل درستی	۵ "	"	"	ورق ۳۴	"

۱۹۔ عبد اللہ قطب شاہ۔ گولکنڈہ

۱	عشرت محل	۷ شعر	دیوان	محبوب الزمن	صفحہ ۷۸۲	۱۰۸۲ھ
۲	سوال وجواب	۸ "	"	"	"	۱۰۸۲ھ
۳	انتخاب یار	۹ "	"	"	صفحہ ۷۸۳	"

۲۰۔ امین۔ گولکنڈہ

۱	سخن	۵ شعر	قصہ ابوشحمہ	مخطوطہ انڈیا آفس	۱۰۹۱ھ

۲۱۔ فائزؔ۔ گولکنڈہ

۱ روح افزا اور پیام یار ۵۴ شعر رضوان شاہ و روح افزا برٹش میوزیم۔ اورینٹل ۲۷۱۶۔ اوراق ۷ اب تا ۱۲ا ۱۰۹۴ھ
۲ بات چیت " " " " " ورق ۲۰ا "

۲۲۔ لطیفؔ۔ گولکنڈہ

۱ ایک قدیم خط ۱۳ شعر ظفر نامہ انڈیا آفس فارسی ۳۰۲۶۔ ب ۹۰۱۔ اوراق ۹۵ ب تا ۹۶ا ۱۰۹۵ھ

۲۳۔ غلام علی۔ گولکنڈہ

۱ شعری نتیجے ۱۴ شعر پدماوت انڈیا آفس فارسی ۲۷۲۷ ب ۴۳ ۱۰۹۸ھ

۲۴۔ جعفرؔ علی

۱ حال دل (سلوک) ۳۳ شعر کلیات انڈیا آفس ۲۷۴۶
۲ مدح اورنگ زیب ۷ شعر " " "
۳ مرثیہ اورنگ زیب ۹ شعر " " "
۴ ہجو مرزا خدا یار ۵ شعر " " "

۲۵۔ ہاشمیؔ

۱ ریختی ۳۱ شعر دیوان ریختی کتب خانہ آغا حیدر حسن صاحب قریب ۱۱۰۰ھ

٣٦- ضعیفی

١	ایک جانور کا ابجانے مہد	٢٣ شعر	ہدایت ہندی	کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر	١١٠١ھ

٤٧- شاہ محمد

١	امام حسین کی تیاری جنگ	١٥ شعر	جنگ نامہ	کتب خانہ مولوی محمد یافعی صاحب	١١٠٢ھ

٤٨- وجدی

١	حکایت زاہد	١٠ شعر	پنچھی باچھا	کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر	ورق ٣٢ الف/٣٤ ب	١١١١ھ
٢	حکایت ابلیس	١٠ شعر	"	"	ورق ١١٣	"

٤٩- آشم بخشدار گولکنڈہ

١	ایک غلام کا نوحہ	١١ شعر	جنگ نامہ سیدی	برٹش میوزیم۔ اورینٹل ١٠٥٩٠	ورق ٨	١١٢٢ھ
٢	شہید کربلا کے غم	"	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی	مرثیہ نمبر ١٣٥	"
٣	تعزیہ نوحہ بین	١٠	"	"	مرثیہ نمبر ٢١٦	"

٥٠- ولی اورنگ آبادی

١	فراق گجرات	١٤ شعر	دیوان مطبوعہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد	صفحہ ٣٨٤	١١٥٠ھ

۲ شہر سورت ۔ ۴۰ شعر دیوان مطبوعہ انجمن ترقی اردو صفحہ ۳۷۹ ۱۱۵۰ھ
۳ عرس شاہ وجیہ الدین ۵۴ " " " ۳۷۱ "
۴ ایک مسافر کا عشق ۴ " " " ۳۱۱ "
۵ عاشق کی ایک آرزو ۲۵ شعر " ۳۲۰ "
۶ غ... ۷ شعر " مختلف ۱۷۲۱-۲۲-۱۷

۳۱۔ تراب دیلوری

۱ امام حسین کی شہادت روضۃ الشہدا کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر ۱۱۳۰ھ

۳۲۔ عشقی

۱ ایک محبت آمیز خط ۔ شعر پت لگن کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر
۲ ایک سیاسی راجہ ۳۰ شعر دیپک پتنگ "
۳ نہانے کی دعوت ۔ شعر " "
۴ میدان جنگ ۷ اشعر مثنوی در پن " ۱۱۴۴ھ
۵ دعوت ۔ شعر " " "

۳۳۔ قیاسی

۱ موم کا بچہ زوجہ تاجر (؟) برٹش میوزیم اوراق ۴-۶ ۱۱۴۴ھ

۳۴۔ ہاشم علی برہان پوری

۱ ایک دولھا دولہن ۱۹ شعر دیوان حسینی ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۱۳۲ ۱۱۵۰ھ
۲ بچے کا غم ۱۳ " " " "
۳ اصغر کا ماتم ۱۶ " " " "
۴ بی بی فاطمہ کا بین ۸ " " " "
۵ غم کے بادل ۹ " " " "

۳۵۔ غلامی

۱ ابن عم کی جدائی ۴۷ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۱۳۱ مرثیہ نمبر ۱۰

۲	شہربانو کا الم	۵ شعر	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۳۴۱	مرثیہ نمبر ۱۵۵	۱۱۵۰ھ
۳	لڑکی کی ضد	۲۵ "	"	"	مرثیہ نمبر ۹۹	"

۳۶۔ مرزا

۱	الوداع	۶ شعر	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۳۴۱	مرثیہ نمبر ۱۶۴	۱۱۵۰ھ
۲	دنیائے غم	۶ "	"	"	مرثیہ نمبر ۲۱۴	"

۳۷۔ کاظم

۱	ایک مسافر قیدی	۹ شعر	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۳۴۱	مرثیہ نمبر ۶۶	۱۱۵۰ھ
۲	خبر وصل ولی	۱۴ "	"	"	مرثیہ ۷۷	"

۳۸۔ ذوقی

۱	مرثیہ	۶ شعر	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۳۴۱	مرثیہ ۲۱۳	۱۱۵۰ھ
۲	امام حسین اور شہربانو	۷ "	"	"	مرثیہ ۲۲۳	"

۳۹۔ رضی

۱	ظلم دشت کربلا	۱۰ شعر	بیاض مراثی	ایڈنبرا یونیورسٹی نمبر ۳۴۱	مرثیہ ۲۳	۱۱۵۰ھ
۲	پسر اول	۶ "	"	"	مرثیہ ۱۹۴	"

۴۰۔ ندیم

۱ ماتم امام زادہ اصغر ۱۲ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ مرثیہ ۱۴۲ ۱۱۵۰ھ

۲ بی بی فاطمہ غم میں ۱۰ " " " مرثیہ ۵۲ "

۴۱۔ شرف

۱ اصغر کی ماں ۱۲ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ ۱۱۵۰ھ

۴۲۔ سیدن

۱ نئی طرح کی شادی ۹ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ مرثیہ ۱۲۲ ۱۱۵۰ھ

۴۳۔ امامی

۱ مرثیہ ۸ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ مرثیہ ۱۲ ۱۱۵۰ھ

۴۴۔ روحی

۱ پژمردہ پھول ۶ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ مرثیہ ۱۹۰ ۱۱۵۰ھ

۴۵۔ نظر

۱ مرثیہ ۶ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی ۳۲۱ مرثیہ ۳۲ ۱۱۵۰ھ

۴۶۔ قادر حیدر آباد

۱ غم شاہ عالی ۵۔ شعر بیاض مراثی ایڈنبرا یونیورسٹی مرثیہ ۱۲۷ ۱۵۰ آ

نثر

۴۷۔ خواجہ بندہ نواز رح

۱

۱ معرفت کے پردے ۱۴ سطر معراج نامہ مطبوعہ رسالہ تاج حیدرآباد
۲ ایمان ۸ سطر رسالہ سہ بارہ مخطوطہ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر

۴۸۔ شاہ میراں جی

۱ لوازم عشق ۱۵ سطر سب رس مخطوطہ کتب خانہ آقا حیدر حسن صاحب

۴۹۔ وجہی

۱ نبی اور ولی ۱۰ سطر سب رس کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد تصوف اردو ۱۹۵/۶۲۲
۲ دنیا جھوٹ ہے ۱۲ سطر " " "

۵۰۔ شاہ امین الدین

۱ طالب تحقیق ۹ سطر رسائل کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ

۵۱۔ میراں یعقوب

۱ پچاسواں بیان ۱۰ سطر شمایل الاتقیا کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (ورق الشد)

آغازِ محبت

از مثنوی قطب مشتری مصنفہ وجہی

ایک نوجوان شہزادہ پہلی دفعہ محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ شاہی زندگی کے آرام و آسائش کے باوجود دنیا اُس کی نظروں میں تنگ و تاریک ہو جاتی ہے۔ ارباب نشاط اور مصاحبین کے جگھٹے میں بھی وہ خود کو تنہا پاتا ہے۔ اس کے بچپن کے دوست اور ہمراز اب اسے بیگانے اور اجنبی نظر آنے لگے ہیں۔ اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں اس کا راز فاش ہو جائے اور اس کے عشق و عاشقی کی خبر اُس کے باپ تک نہ پہنچ جائے۔ دن تمام وہ تنہا اپنے مطلوب ہی کے خیال میں محو رہتا ہے اور اس کی کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جب کہ وہ اپنے دوست سے عالم خواب میں ملاقات نہ کرتا ہو اور نہ صرف رات ہی کے وقت بلکہ اپنے دوست کو دیکھنے کی خاطر وہ اب دن کو بھی سونے کا خواہشمند رہتا ہے۔

عشق کے ابتدائی مرحلوں پر اکثر شاعروں نے طبع آزمائی کی کوشش کی ہے جن کی فہرست میں وجہی کا یہ شہ پارہ اسلوب کی پاکیزگی، صحت خیال اور باریک بینی کے لحاظ سے ضرور ایک اچھی جگہ حاصل کر سکے گا۔ اس ٹکڑے کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہو جاتی کہ یہ اُردو کے ان قدیم ترین ادبی کارناموں میں سے ہے جو اس وقت محفوظ ہیں۔

نہ تھیں پر دسے وہ نہ آسمان میں — رہیا شہ اُسی نار کے دھیان میں
لگیا تلملانے بہوت دھات سوں — کھیا جائے نا بات وو بات سوں
نہ یو بات ہر ایک کوں فام ہوے — دری جانے جس پر جو یو کام ہوے
کدہیں چک ہنسے ہور کدہیں چک روئے — کدہیں سُتہ پاوے کدہیں ستہ کھووے
اسی دھات دن رات رہتا اچھے — اپس میں اپے یوں وہ کہتا اچھے
بھلائی پچھل دھن دد یوں شاہ کوں — کہ لبدائے جیوں کہربا کاہ کوں

اٹھے ہور پھر سوے شاہ جائے کر — کہ دو نار بھی خواب میں آئے کر
جو ہر بار یوں خواب میں یار آئے — تو عاشق کوں بن خواب بھی کچ سنبھارے
پریشان حیران بے تاب تھا — نہ کچ اس کوں آرام تا خواب تھ
لگیا شاہ اُساسان بھرن آہ مار — کہ نزدیک نیں ہے دو کونُٹ نا
کدہیں بے خبر ہوے کدہیں ہوے ہشیار — کدہیں پیو پیو کے کدہیں یار یا
یو سن مطرباں سب خبردار ہوے — جو مستان تھے دوں سو ہشیار ہو
بھوت دھات سوں بات سمجھائے کر — کہے شہ کوں نزدیک یوں آئے کر
کہ اے شہ توں جم شاہ خرم ہو اچ — نہیں غم تجے کچ توں بے غم ہو اچ
جکچ تج کوں ہونا سو حاضر ہے سب — اُساساں جو بھرتا سو توں کیا سبب
کہیا شاہ دل منج دھرنا بھلا — کس پاس ظاہر نہ کرنا بھ
کسے کوں کہ منج عشق اُس کا اہے — وہی جانے منج عشق جس کا ا
جکوئی راز (کہوں) یو باب کن کھولے گا — دیوانا ہوا کر منجے بولے گا
نہیں بات کہنے کی یو کھول کر — کہ سمجھاؤں اب کس کوں میں بول ک
اچھوں سیج پر، موج جیوں آب میں — کہ ٹھیکا لگا گئی سکی خواب م
جتا مطرباں شہ کوں سمجھا کہے — تغافل کئے شاہ، ہور چپ ر
کتے کے کہ مستی کے چالے ہیں یو — کتے کے پرت کے الالے ہیں
کتے کے اُسے کچ اوچھٹ ہوا — کتے کے اُسے عشق کا پٹ ہ

چھپی رات اُجالا ہوا دیس کا — لگیا جگ کرن سبو پریس ک
شفق صبح کا نیں ہے آسمان میں — کہ لالے کھلے سنبلستان
جو آیا جھکتا سورج واٹ کر — اندھارا جو تھا سو گیا نٹھاٹ
سورج یوں ہے رنگ آسمانی منے — کہ کھلیا کمل پھول پانی
ہر اکیس کوں ہر ایک کچ کام تھا — ول شہ کوں اس نار کا نام
کہیا شاہ اب حال نیں منج منے — بھلا ہے جو گنج ہو اچھے گنج

اِس میں اپنے فکر کچھ گوند کر رہیا غنچے کے نمنے مکھ موندکر
کہ دھرتا ہوں دل میں جکچ بات میں کروں جا کے دو بات کس سات میں
نکوئی یار دلسوز محرم ہے منج نکوئی ہم نفس ہور ہمدم ہے منج
اِپس سوں اپچ آج محرم ہوں میں اِپس سوں اپچ آج ہمدم ہوں میں
جتے اس زمانے منے یار ہیں دغاباز عیباں چغن ہار ہیں
اُنن کوں پتیا بات بولیا نجانے انو کے کنے دل کون کھولیا نہ جائے
پتیاتا انو کوں کہو کیوں ککر کہ دل میں بُرے اخوب ہیں موں اپر
یو یاری میں کس دھات کا تھر اچھے جو موں میں شکر دل منے زہر اچھے
جکوی یار یاراں منے نیک ہے زباں ہور دل دو نو اُس ایک ہے
نہ میں بھائی میں ہوں نہ میں مائی میں کہ طالب کوں ہے لاف تنہائی میں
جکوئی گھر میں مشغول اچھے یار سوں نہیں کام یک اس کوں بازار سوں
جسے یار کا دھیان نت یار ہے دو عالم کی صحبت تے بیزار ہے
کیا لوگ نزدیک کے دور سب ندیم ہور مطرب یو رلے سب عجب
انجھو لال مد، نین پیالا ہوا ندیم آہ، مطرب (ہے) سونالا ہوا

مجلس عیش وطرب

از مثنوی قطب مشتری مصنفہ وجہی

نشہ کے عالم میں ایک نوجوان مجلس کا جو نقشہ ہوتا ہے اس کو ہو بہو پیش کر دینا ایک معمولی شاعر کا کام نہیں۔ زبان کی نفاست اور حقیقت نگاری کے لحاظ سے وجہی کا یہ ٹکڑا (خصوصاً اس کا آخری حصہ) اردو کے بہترین شہ پاروں میں جگہ حاصل کریگا۔ ان اشعار کے موضوع کی نسبت صرف اسقدر اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ ان میں گولکنڈہ کے ولی عہد سلطنت محمد قلی کے زمانہ شہزادگی میں سے چند پر لطف لمحے دکھلائے گئے ہیں۔

شہنشہ مجالس کیئے ایک رات وزیراں کے فرزند تے سب سنگات
ہریک خوبصورت، ہر ایک خوش لقا بسو ہر ایک دلکش، ہر ایک دل ربا
جہابت کے کاماں میں جم جم ہے جیوں شجاعت کے کاماں میں رستم ہے جیوں
ندیم، ہور مطرب، مسخرا، ہندار اتھے شہ سوں ملکر یو سب ایکٹھا

صراحی پیالے لے ہاتاں منے ندیماں تے مشغول باتاں منے
لگے مطرباں گانے یوں ساز سوں کہ دھرتی ہلے مست آواز سوں
جو مطرب دو صحرا میں اس دھات گائے تو پھران کوں اس شوق تے حال آئے
جو گاون دو شہ کوں کماتے اچھے سو راگاں پہ راگاں جماتے اچھے
ندیماں لطافت میں جو چکہ آئیں تو روتیاں کو خوش کر گھڑی میں ہنسائیں
شراب ہور صراحی، نقل ہور جام ہوے مست مجلس کے لوگاں تمام
جو ہوی رات آدھی، بچھی دو پہر خبردار یاراں ہوے بے خبر
بسر گئے ندیماں طرز بات کا گنوائے خبر مطرباں ذات کا
نہ جانتے نہ خوبی جھگڑتے کہیں یکس کے اُپر ایک پڑتے کہیں
لگے مست ہو سٹنے مستی سنگات کیس کے سو پاواں اُپر ایک ہات
سوں کچ وہ یاراں ہوے بے خبر کہ پانی پیتے تھے شراب ہے گکر
یکس کوں بلا ایک ازمانوں سوں گلے لگتے تھے مست ہو چھانوں سوں
بجاؤ جو کیں تو اُٹھیں گاے کر سٹے مطرباں ہوش خوشی پاے کر
صراحی پیالے سوں ہمدست ہو کراں پھرتے تھے دو دونو مست ہو
قیامت ساقی ہوا سُد گنوائے کہ پیالا منگے تو صراحی کوں لیائے
(ورق ٧٨)

غزلیں

از مثنوی قطب مشتری مصنفۂ وجہی

پیوا اپنے کوں ٹک آج میں لن سپنے دیکھی سو یکر
جب پیو چلتیا سٹ سیج منج تب سو کے اٹھی تڑو ٹیکر
ہاتھ بڑھا اپنا مارنے منج چل چل لاگیا مارنے
ناجاؤں سائیں کارنے تبھی اجھوں کیا کیا ہو یکر
ناپوچھوں بہن جو سے کب ملنا پیو سوں ہوئے
غم برہا سب میں سوتیے نا جانے کہ پیو کو یکر
کیوں ٹالوں برہا جھال سکی نیں سکتی ہوں سنبھال سکی
اب کیونکر پاؤں لال سکی جو بیٹھی ہستے کھو یکر
سکتا میں سہیلی برنا دل دوجے برنا دھرنا
اس پیو کوں اپنا کرنا اس بہانے جیو کوں کھو یکر

طاقت نہیں دوری کی اب توں بیگی آمل رے پیا
تج بن منجے جینا بہوت ہوتا ہے مشکل رے پیا
کھانا برہ کھیتی ہوں میں پانی انجھو پیتی ہوں میں
تج تے بچھڑ جیتی ہوں میں کیا سخت ہے دل رے پیا
ہردم توں یاد آتا منجے اب عیش میں بھاتا منجے
برہا ستاتا ہے منجے تج باج تل تل رے پیا
منج تیں تپش جلنے نہیں منج ٹھار جیولانے نہیں
منج دل مندھر بیانے تہیں کیتا ہے منزل رے پیا
تو جیو میرا میں سو دل تج سات ہنا کیونچ ہل
ان لٹتیں میں ایک تل نیں تج تے غافل پیا



سلطان محمد قلی قطب شاہ

مُصنّف کی سالگرہ

از دیوان محمدؐ قلی قطب شاہ

اردو زبان میں ایسی شاعری کی واقعی کمی ہے ۔جس کے ذریعہ سے مصنف اپنے صحیح دلی جذبات اور روزمرہ کے تاثرات کو عالم پر منکشف کرتا ہے ۔ اس طریقہ کار سے اکثر اوقات نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعری کی تخلیق ہوتی رہی ہے ۔۔ اردو میں ۔سودا ۔نظیر ۔اور محمد قلی کے کارناموں میں اس کی چند اچھی نظیریں ملتی ہیں ۔

محمد قلی کے حسب ذیل نظمیں اسی صنف شاعری سے متعلق ہیں پہلی نظم کا موضوع اس کے عنوان سے ظاہر ہے ۔ اور اس کی خصوصیات کوئی زیادہ اہم نہیں ۔مصنف کی مذہبیت اور احسان مندی تقریباً ہر شعر سے مترشح ہے ۔

نبی کی دعا ستے[۱] برس گانٹھ پایا — خوشیاں کی خبر کے دمامے بجایا
پیا ہوں میں حضرت کے ہت آب کوثر — تو شاہاں اپر مجھ کلس کر بنایا
مرا قطب تارا ہے تاریاں میں ۔نجل (؟) — تو مجھ بر فلک رنگ کا چتر چھایا
سورج چندر پی تال ہو کر بجیں تب — منڈل ہو فلک ٹھٹھایاں بجایا
کرے مشتری رقص مجہ بزم میں نت — برس گانٹھ میں زہرہ کلیاں گایا
مرا گلستاں تازہ اس ستے[۲] ہوا ہے — مجہ اس باغ تھے میوہ دمدم کھلایا
ونڈے دشمناں کو سو یک جا ملا کر — سو اسپند کے پاتراں کرنا چاہا
خدایا معانی کی امید بر لیا — کہ جیوں سانت کی میہوں نے جگ سب کھایا
خدا کی رضا سوں برس گانٹھ آیا — سہی شکر کر توں برس گانٹھ پایا
دعا سے اماماں تھے مجہ راج قایم — خدا زندگانی کا پانی پلایا
گل مصطفیٰ سیتے سیرا[۳] اگن دا کر — مجہ اس گل کا سیرا حمایل بنایا

محبوب الزمن صـ۲۵۷

۱ ۲ سے ۳ سہرا

باغ محمد شاہی

از دیوان محمد قلی قطب شاہ

ذیل میں ایک طویل نظم کا مختصر سا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مصنف کی قادر الکلامی اور باریک بینی بغیر پوری نظم کے مطالعہ کے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ تاہم ان چند شعروں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک بڑا شاعر چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی کیسی خوبی کے ساتھ شاعری کر سکتا ہے۔

محمد نانوں تھے بستا محمد کا اے بن سارا
سو طوبان سوں سہاتا ہے جنت نمنے چمن سارا

دسے فانوس کے درمیانے تھے جوں جوت دیویکا
سو تیوں دِشادو (۱) لال میں تھے میویاں کا بن سارا

بہے دم عیسوی دایم چمن میں گل لگانے تیں
ہرے نہالاں کے جلوے تیں نشاطا ہو لیوں سارا

تڑک سے باغ کوں دیکھت کھلے منج باغ کے غنچے
سو اس غنچے کے باساں تھے لگیا جگ مگمگن سارا

چمن کے پھول کھلتے دیکھ سکیاں کا مکھ یاد آیا
سہاتا تھا محمد پھل نمن ان (کا) نین سارا

دسے ناسک کلی چنپا بھواں دو پات ہیں تس کے
بھنور تل دیکھ اس جا گا ہوا حیران بن سارا

سو خوشے داکھ لاکھاں کے ثریا سنبلاے جوں
سہے اس راکھ منڈوا سو جیسا سبز گہن سارا

اناراں میں سہے دانے سو جوں یاقوت تبلیاں تیں
ہر ایک پھل اس اناراں پر سہے سکے نمن سارا

کھجوراں کے دسیں جھونکے کہ جوں مرجان کے پنجے
سپاریاں لعل خوشے جوں دسیں دن موریں سارا

دسیں ناریل کے پھل یوں زمرد مرتباناں جوں
ہور اس کے تاج کوں کہتا ہے پیالا کر دہن سارا

دسیں جاموں کے پھل بن میں نیلم کے نمن سالم
نظر لاگے بیتوں میواں کوں رکھیا ہے چمن سارا

صفت کرنے کوں سوسن بی کھلیا ہے دس زباناں سے
دکھن سب سندریاں کے تیں کھلیا نرگس نین سارا

چمن آواز سن بلبل ایس میں آپ الاپیاں میں
سو لیس آواز سوں موراں کریں رقصاں این بیلا

دکھت نرگد مست ہو دستک بجادیں پات تالاں سے
سو ڈالیاں ڈولتے ہو متوالے میں پھول ار ہن سارا

امنگاں آپ امنگاں سوں اپس میں آپ مل ناچیں
تنتنا کا تنن ناچیں ہوئے تن تن تنن سارا

رسالہ اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ ۲۷۲

نھنی سانولی

از دیوان محمدؐ قلی قطب شاہ

ایک بادشاہ اپنی محبت کا اظہار شاعری کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ مصنف کی آپ بیتی ہونیکی وجہ سے یہ نظم زیادہ قابل لحاظ ہے۔

نھنی سانولی پر کیا ہوں نظر — خبر سب گنوا کر ہوا بے خبر
ترا قد سرو نکلے جب چھند سوں — دَسن جوت منج کوں دسن جیوں قمر
یوں سیتی ہت راکھی ہے آپ کمر — سورج چند تن جھمکے دو زر کمر
میں اس نور سوں لبدیا ہوں کیا عجب — دو جگ روشنی پایا کس نین خبر
تو دوری ڈراوے منجے دور تھے — وو کیا بوجھے مو دل میں ہے تو نگر
معانی کے باتاں تھے جھڑتا نمک — جی چاکھے کہے ہے نمک سوں شکر

محبوب الزمن صہ ۵۹۷

تین غزلیں

از دیوان محمدؐ قلی قطب شاہ

محمد قلی کی غزلیں خصوصیات کے لحاظ سے زیادہ تر وجہی کی غزلوں سے مشابہ ہیں۔ گو انھوں نے فارسی طرز کی غزلیں بھی لکھیں لیکن ان کے حقیقی شہ پارے ان کی ہندی طرز کی غزلوں ہی میں ملتے ہیں۔

غزل (۱)

گرجا ہے میگہ سرتھے تازہ ہوا ہے بستان — پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار دستاں
اے خوش خبر صبا توں لے جا جوان قداں کن — جناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستاں
او نونہال پھولاں ہے جام خورے سو باں — نرگس ایس پلک سوں جھاڑو کرے شبستان
مکھ نور پر دسے یوں رنج خط عنبریں او — جوں سورا پر ہے بادل ریحان سوں گلستان
بے ہوش میرے دل کوں میٹھے او ہر جلائے — گلذار ہے عجب او دو لعل شکرستان

مج عشق مے گدا کوں اورنگ شاہی دیتا — سب عاشقاں منج انگھے ہیں طفل جوں دبستاں
روزی ہوا قطب شہ تج عشق کا پیالہ — بھرے ہیں ہر طرف توں جم شوق کے خمستاں

اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ ۲۳ تا ۲۴

غزل (۲)

پیا باج پیالا پیا جائے نا — پیا باج یک تل جیا جائے نا
کہے تھے پیا بن صبوری کروں — کہیا جائے اما کیا جائے نا
نہیں عشق جس وہ بڑا کور ہے — کدھیں اس سے مل بیسیا جائے نا
قطب شہ نہ دے مج دوانے کو پند — دوانے کوں کچ پند دیا جائے نا

اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ (۲۲)

غزل (۳)

اب مست اچھے دائم ہیں مست اچھنے کا ہنگام ہے — ساقی صراحی نقل ہور پیالے سوہنا کام ہے
عاشق اول تھے ہیں ہمیں سرمست ازل تھے ہیں ہمیں — نا آج کل تھے ہیں ہمیں زاہد کو نیں یہ فام ہے
روزہ ید کے عید آئے ہیں ٹک شیر خرماں کھائیں — صوفی چلے میخانے میں تسبیح ہات اب جام ہے
ننگا ہے مدمستاں کنے مد باج نین سکتا رہنے — میخانے کے کوچے منے تو متقی بدنام ہے
ساقی پیالا منج پلا پیالا پینے ہوتا دلا — اس پیو کوں تو پیا کر ملا جس پیوتے مج آرام ہے
قطبا نبی کے آدھار تھے رحمت ہے نت کرتار تجے — تو تج علی کے پیار تھے بلبل نوا انعام ہے

اردو جلد (۲) حصہ (۵) صفحہ (۲۳)

ساجن کی یاد

از دیوان سلطان محمد قطب شاہ

سلطان محمد گو محمد قلی کی ٹکر کا شاعر نہیں۔ لیکن ان دونوں کی خصوصیات شعری بالکل ایک ہی ہیں گو بھتیجے کی داغی قوتیں اتنی وسیع نہیں تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چچا کی بعینہ تقلید کرنا سلطان محمد نے

اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ ان کے کلام کے حسب ذیل چار انتخاب انہی صفتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو محمد قلی کی شاعری سے متعلق بیان کی گئیں۔

چھبیلی سوں لگیا ہے من ہمارا — کہ اس بن نیں ہمیں یک تل قرارا
صبوری کو نہیں ہے ٹھار دل میں — صبوری کیوں کرے سو کر تہارا
میا کرنا کرے معشوق اپے ہو — کہونا کیا کرے عاشق بچارا
بسنت کھیلیں عشق کے آ پیارا — تمیں ہیں چاند میں ہوں جوں ستارا
بسنت کھیلے ہمیں ہور سا جنا یوں — کہ اساں رنگ شفق پایا ہے سارا

محبوب الزمن ورق (۷۳۵)

خُدا داد محلؔ

از دیوان سُلطان محمّد قطب شاہ

خدا داد محل کوں محمد سنوارے — تو اس میں جنت کے نگاراں نگارے
بلندی محل کا ہے اسمان جیسا — سورج چاند تارے سوں اس تھے سنگارے
نہ اس جگ میں دیکھے کوئی ایسے محل کوں — مگر دہرتا پر قدسیاں لیا کے ٹھارے

محبوب الزمن ورق (۷۴۰)

ٹھنڈ کالا

از دیوان سُلطان محمّد قطب شاہ

ہوا آئی ہے لیکے بھی ٹھنڈ کالا — پیا بن سنتاتا مدن بالی بالا
رہن نا سکے من پیا باج دیکھے — ہووے تن کوں مشکل جب ملے پیو بالا
سجن کہ شمع باج او جالا نہ بھاوے — بھلا یا ہے منج جیو کوں او اجالا
جو رات آوے چندلی کے منج کوں ستاوے — کہ چند نا منجے نیں نین سوز لالا
نبی صدقے قطبا آنندان سوں مل کر — اپس سائیں سوں پیوے جم مد پیالا

محبوب الزمن ورق (۷۴۴)

غزل

چلے چندنی میں جب لٹک پیو ہمارا — اونن عکس دیکھے چندر تھے اپارا
بسے جس ہیا میں پرت ہم سجن کے — بن اس کی پرت کچ نہیں اس پیارا
جنے سائیں کے عشق کا مد پیا ہے — نکرسی ادسے ہور مستی اوتارا
جکوئی مالے نہ ہے سائیں کے حسن جیب تھے — اسے مائیں نہ پینتہ میں جگ سارا
پیا نور بستا ہے منج دل جھمک میں — کہ جس نور تھے ہے سورج آشکارا
سکی پیو جیتا لگیا ہے ہمن کو — سجن بن نکرسے لے ہور کوئی نوارا
نبی صدقے قطبا کا من تجہ سوں لاگیا — کہ اپ جیو میں تیرا کیتا ہے ٹھارا

محبوب الزمن ورق (۷۳۲)

کشت وخون

یعنے شاہ دریائے قلزم اور شہ پال کی لڑائی

از

سیف الملوک و بدیع الجمال مصنفہ غواصی گولکنڈہ

کشت وخون کے بعد رزم گاہ میں جو خوفناک سماں پیش ہوجاتا ہے اس کی ایک اعلی درجہ کی شاعرانہ تصویر اس انتخاب کے مطالعہ سے ہماری آنکھوں میں پھر جاتی ہے ۔

ہوئے جمع جنگی ہنر براں تمام — قوی ہور خونخوار امیران تمام
یک یک جان یک کوہ یا برج جیوں — لے ہاتاں میں فتنے بھرے گرز جیوں
غضب ناک ہو جیوں انگے دل ہوئے — کلیجے پہاڑاں کے پھوٹ جل ہوئے
سلح پوش پولاد کے کوٹ جیوں — پر آشوب سمدور کی لوٹ جیوں
اوتالے ہو آفت بھرے عزم سوں — گھرٹے آکے میدان میں رزم سوں
بھیا باؤ جیوں قہر کا شور سات — شلت کی اگن سلگ اٹھی زور سات
کئے قصد لڑنے کوں دو دہیر تھے — زمانا ہوا تل اوپر سیر تھے
اوٹھیا غل جدھر کا ادہر مار مار — قیامت زمین پر ہوا آشکار

جھلک دیک بجلیاں سی تروار کی
اوڑی فاختی سخت سینسار کی

سٹے دھرت پریوں منڈیاں کاٹ کاٹ
سو کس کوں سمجھانہ تھا باٹ گھاٹ

جو دریا لہو کا ابلنے لگیا
گگن اس پو کشتی ہو چلنے لگیا

سراں تیر اس لہو کے سمندر تھے
جو دستے تھے جیوں بڑ بڑے دور تھے

دھڑاں سب نپٹ موج کی لوٹ مار
تھے ڈوبتے نکلتے نہنگاں کے سار

بلایاں کی باناں کوں جیوں آگ لائے
زمین ہور زمانے کوں ویتاگ لائے

غضب پر غضب کا جو مارا ہوا
سو ایسا بڑا بکھ دھولارا ہوا

دنیا غیب ہوئی اس دھولارے تلیں
گنواں تاگیا دیس اندھارے تلیں

لیا گرد جاڈھانپ اسماں کوں
دھنواں سانپ ہو لنگلیا بھان کو

بڑا رن پڑیا سخت رگڑا ہوا
کہیں نیں سنا سو یو جھگڑا ہوا

اوراق (۱۱۶ تا ۱۲۰)

ایک بدصورت شہزادی

از
سیف الملوک و بدیع الجمال مصنفہ غواصی گولکنڈہ

ہمارے شاعروں نے صنف نازک کے حسن و ادا کی اس کثرت کے ساتھ داد دی ہے۔ اور ہم ان کی بعض مناسب اور اکثر غیر فطری مدح سرائیوں سے اس قدر مانوس ہوگئے ہیں کہ اگر اب کوئی کسی بد وضع عورت کی خصوصیات پر ایک نظم لکھے تو ہم میں سے بہت سے لوگ اس کو صحیح شاعری ماننے ہی کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

ذیل کے چند شعروں میں ایک ایسی شاہزادی کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے ہیرو نفرت کرتا ہے۔ اور جس کی خصوصیات اردو شاعروں کی پیش کردہ بہت کم شہزادیوں میں پائی جائیگی۔

کرتو بڑ تھا اس کا سو جیوں فیل کا
سر اس کا سو کالا رنجن نیل کا

انکھیاں ڈونگیاں دو کنوئے غار کے
دو دیدے بھتر جیوں بھتر گار کے

نکل پیٹ انگے ٹینگ آ جیوں گھڑا
اسے پیٹ تے سخت پیڑہ بڑا

یونہی کھول جاری کی جیوں او کھلی   مسل ہو کے دوڑی سکھی رو مالی
لٹکتی جو چیتراں پہ چوٹی دسے   سو جیوں جھاڑ کی پیڑ موٹی دسے
سڑے خوی بغلاں میں تھے یوں جھڑے   گندا نیر مہوریاں میں تھے جیوں پڑے
لون سارا اس کے جو ناک پاس جائے   تو لیا حلق میں انتریاں نکاس جائے
اگر لائیں جب شمار مشعل ہزار   ان آوے تو بترے پڑے آنہ کار

(ورق ۴۶ ا - ب)

عذر دوست

از چندر بدن ماہیار مصنفہ مقیمی

ذیل کے انتخاب سے جہاں بین قومی مناکحت کی نسبت ہمیں آج سے دو صدی پہلے کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر قدیم زمانہ میں اچھے شاعر روزمرہ کی زبان اور محاورہ کو کس خوبی سے استعمال کیا کرتے تھے ۔

نزیک جا کو بولیا کہ سن اے پری   منجے تجہ لطافت دیوانہ کری
دیوانہ ہوں تیرا دیوالے نے کے تئیں   اپس تے نکو دور جانے کے تئیں
سو تجہ بن منجے کوئی ہونا نہیں   کہ بن جل مچھی کا سو جینا نہیں
کتا ہوں تجے میں کہ اے گن بھری   توں کرنا دیتا کچھ مری دلبری
سوں یوں کہ ادب سوں نوڑ کر اونے   دہریا سیس اس کے قدم پر اونے
گلا اس سنا کر اٹھی بول یوں   سمجھ کچھ اپس کوں اے بیڈ دل توں
ہندو میں کہاں اور ترک توں کہاں   کہاں رام سیتا مورک توں کہاں
کہاں میں چندر مان کہاں توں دیوا   کتا کیا موے توں دیوانا ہوا
جھڑک بول اس کوں وہیں پھر چلی   اوٹھا دل میں عاشق کے ویں گد گلی

ورق (۱۰۸ ب ۱۰۹

چیت کا مہینہ

از بارہ ماسہ مصنفہ افضل

ذیل کے انتخابوں سے جہاں ایک وفادار عورت کا اپنے پیا کے فراق میں رنج والم ظاہر ہوتا ہے اس کا بھی اندازہ لگتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں دکھن اور شمال کی اردو شاعری کے لفظی

خزانے اور محاوروں اور اسلوب میں کس قدر فرق تھا۔ اس نظم سے ایک طرف تو درد مند طبیعتیں متاثر ہو سکتی ہیں۔ اور دوسری طرف اردو پر لسانی حیثیت سے نظر ڈالنے والوں کو خاص خاص سبق حاصل ہوتے ہیں۔

سکھی رے چیت رت آئی سو ہائی
بعالم پھولیاں پھلواریاں سب
رہے ہیں بھنور پھولوں کے گلے لاگ
نہایت درد دکھ ہم نے سہے رے
سکھی دن رین مجھ ناگن ڈست ہے
میرے گل موں پڑی ہے پرم پھانسی
ارے یہ عشق سوں ڈرتی پھروں رے
کہ ہنجی سوں لگن ہرگز نہ کیجئے
برس دن بھی پھر جلتا رہے گا
جنھوں نے دل مسافر سوں لگایا
ارے اسے نین پر جین نا رہے رہے
اگر میں جانتی یہ بے وفائی
ارے اس اگ نے رسوا کیا رے
بہ بین حالم صبا بہر خدا ری
کہ تجھ کو لاج جگ کی کچھ نہ آئی
ارے انجان کھائی میں دغا رے
سجن اب گر کہیں ؟ کی لاج کرے
ارے بل بدھ تن موں نا رہے رے
مرے جیو کا بھروسا دم نہ کیجو
ارے یہ چیت رت جلتی رہے گی

اجھوں امید میری بر نہ آئی
کریں سیراں پیا سنگ ناریاں سب
میرے سینہ جدائی کا لگا آگ
غم ہجراں مجھے ہر دم دہے رے
پھروں دوری تمامی جگ ہنست ہے
بھیا مرنا مجھے اور لوگ ہانسی
نصیحت اپنے کوں آپی کروں رے
ارے دل دے ہزاراں غم نہ لیجئے
سدا غم موں جگر جلتا رہے گا
انھوں نے سب جنم روتے گنوایا
مجھے سنگ لے پرائی بس پڑے رے
خدا کی سوں نکرتی آشنائی
پیا کے عشق میں یہ جیو دیا رے
پیا کوں جا ستا یاتے ہماری
کرے دل لے ہمن سیں بیوفائی
کہ تج سیں سنگدل کوں دل دیا رے
مروں ہوں در غمت ٹک آو گھر رے
تمامی دیہہ خاکستر بہے رے
سویرے آئے کر دیدار دیجو
تمن بن برہ تے جلتی رہے گی

ارے بھادوں کہاں ساون کہاں رے — ملوکمہ آئے کے فانی جہاں سے

(ورق ۲۰ ب ۹

جیٹھ کی گرمی

از بارہ ماسہ مصنفہ افضل

دیکھوں اب جیٹھ سوں دہوپاں پڑت ہیں — ہمیں حیران و سرگردان پھرت ہیں
جنھوں کے ہیں سکھی اس رت پیا گھر — اونھوں کوں سرد خانے ہیں میسر
ہمارے پانو ننگے دھوپ سر پر — پھروں ہوں دوڑتے پیو باج گھر گھر
دو پہر میں ایکلی کیا دکھ بھرت ہوں — پیا کی جستجو بن بن کرت ہوں
بھبھولے سراو پر چھالے پگن سوں — بھبھولے ہو چلے سارے بدن موں
اونھن بیٹھین کی طاقت نا رہی رے — نجانوں جان بتن کب لگ رہی رہے
سکھی رتن نہ کہے جا دلربا سوں — ستمگر پر جفای دبے وفا سوں
کہ بارہ ماس بھی تم بن بہائے — ارے ظالم کہو تم کیوں نہ آئے
ترے غم نے نپٹ مجہ کوں دہارے — یہ کمسے جیوں لبوں پر آرہا رے
غمت سوں جان زتن باہر پڑے گا — کہو یہ خون کس کے پر پڑے گا
جو اپنی عاقبت کی خیر چاہو — رخ جان بخش کوں اپنے دکھاؤ

(ورق ۹ ب۔ انڈیا آفس فارسی (۱۲۴۴)

(ورق ۱۷ اب " " " ، ۱۲۴۴)

دنیا کی بے وفائی

از ہشت بہشت مصنفہ ملک خوشنود

تنوطی طبیعت رکھنے والوں کے لئے یہ نظم یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اور اخلاقی نتیجوں کے مدنظر بھی اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

عجب بے مہر دنیا بے وفا ہے
محبت عین اس کا سب جفا ہے
جتے ہیں دوستاں فرزند ساتی
سکل ہے گور لگ اوسب سنگاتی
نچھل نیکی کے گھر کا دال بنیاد
ترے بعد از کرے سب خلق تجہ یاد
نکرا ایسا بدی جو سر دھناوے
موے پیچھے ترا کوئی غم نہ کھاوے
ملے ہے باپ بھائی سب مراتی
ولے کوئی گور میں ہرگز نہ آسی
کہاں دارا ۔ سکندر شاہ کیانی
کہاں جمشید جم ۔ حاتم دورانی
کہاں خسرو کہاں اورستم زال
سنیا نوشیراں کا کیا ہوا حال
جداں لگ ہے سکت ہاتا سے زور
تداں لگ سب اچاتے دوستاں شور
چلے جوں نیک مرداں چل توخوشنود
خدا حاصل کریں گا ۔ دل کا مقصود

(ورق ۔ ۱۷۶ ق)

شہزادوں کی ذہانت

از ہشت بہشت ملک خوشنود

ذرا ذرا سی باتوں سے بڑے بڑے نتیجوں تک پہنچنا ہر آدمی کا کام نہیں ۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک غیر معمولی ذہانت کی تخلیقیں عام انسانوں کے لئے اس وقت تک ناقابل وثوق رہتی ہیں جب تک کہ ان کی اصلیت کے ثبوت چاند اور سورج کی طرح ظاہر نہ ہو جائیں ۔ ذیل کے قصے میں شاعر چند ایسی ہی ذہانتوں کو پیش کرتا ہے ۔ اس قسم کے ایک دو قصے ہماری آج کل کی انگریزی نصابی کتابوں میں بھی نقل کئے گئے ہیں لیکن یہاں جو تفصیل، شعری حلاوت اور فسانوی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اس سے اس طرز کے جدید قصے محروم ہیں ۔

اول کے دور میں یک بادشاہ تھا
اتھا مشہور او جوں سورمہ تھا
اتھا عاقل چتر پر وہت گیانی
نہ تھا دنیاں میں اس کا کوئی ثانی
گن ایک جس میں دسے دانش وری کا
اسے منصب دلاوے سروری کا
عجب خوبی کا دل میں رنگ رس تھا
بزرگاں سات ملنے کا ہوس تھا

اچھے اس شاہ کوں سب تین فرزند / یکس تے ایک عاقل ہور خردمند
تونگر علم ہور تھے مال دھن میں / نہ تھے عاجز ہر یک حکمت کے فن میں
سکل عاقل ان کے جیوں قلی تھے / کہ جیوں دانا فلاطون بوعلی تھے
بچانوں کیا نول شہ دل میں لایا / جدا ہر یک جوان کوں شہ بولایا
کھیا ہر یک جوان کوں آزمانا / جو ہے کل جگ کا یو کھوٹا زمانا
دہروں گا کون کہتا ہے سپاہی / کروں گا کون کہتا بادشاہی
بڑے فرزند کوں بولیا خردمند / کہ توں عاقل سخی عادل ہنرمند
جوانی سے دیا حق منج کوں پیری / خدا تج کوں کیا ہے دستگیری
بہت عاقل ہے کر توں بادشاہی / سکل خوبی سوں رکھ توں مرغ وماہی
جو راضی حم اچھے معبود تجہ سوں / جہاں کا خلق سب خوشنود تجہ سوں
ضعیفاں کوں بہت کر دستگیری / جکوئی دانا ہے اس کو دے وزیری
دہر یا سر ہین کیا دانا خردمند / بہادر پادشہ کا نیک فرزند
جداں لگ ہے گگن پر چاند تارے / جداں لگ ہیں عرش کرسی چارے
تداں لگ کر توں جگ میں بادشاہی / اچھے تجہ شاہ کا عالم سپاہی
عجب یو تخت افسر بخت ہشیار / بغیر از تجہ نہیں کس کوں سزاوار
تونگر کوئی نہ کہے بے نوا کوں / ندے سے بادشاہی کوئی گدا کوں
اگر نادان کوں جینے سوں کام ہے / بغیر دانا اسے جینا حرام ہے
جھلکتا ہے جہاں تجہ سار کا سور / ستارے تیوں جس میں دستے ہیں کے نور
بہت جگ راج کر ہور شادمانی / خضر کا تجہ اچھو جسم زندگانی

سراسر آزمایا شاہ گفتار / کیا دل میں کہ ہے یو نیک کردار
کیا دل میں خوشی جب آزمایا / وے ظاہر غضب کر بھار بھایا

۱؎ پھر کہا

دوسرا فرزند

اتھا فرزند دو جا تس بلایا — کنک دل کا خوشی سوں آزمایا
بہت افسوں گری سوں دل بھولایا — ولے ذرہ خطا اس میں نہ پایا
سوالاں جو کیا شاہ خردمند — جواباں سوں کیا فرزند زبان بند
کھیا جو توں کہے سو میں کروں گا — ترا فرمان میں سر پر دہروں گا
ولے یوں بادشاہی تجہ روا ہے — جکوئی دو جا منگے او ناسزا ہے
اتا کاں زور ہے بندے کے دم کوں — دہرے گا تخت پر جیو کے قدم کوں
فلک بے مہر گر تج سوں پھرے گا — کیا دسریاں سوں دوں تج سوں کرے گا
کیا نیں کوئی ابد لگ زندگانی — وفا کس کوں کیا دنیائے فانی
اگر ہوے کدہیں تو شاہ راضی — کرے دے تخت جگ میں سرفرازی
بڑے فرزند کوں دے تخت گیانی — ترے بعد از کریں گا جگ لوزانی
بڑا بن نا چڑے معراج پر کوئی — نہ تھا موتی نہ رکھ سے تاج پر کوئی
بندیا سہ کانت دے دو چاند یک سور — حضوری تھا نظر سوا اس کیا دور

تیسرا فرزند

کیا شہ رخ جدہر تھا خورد دانا — کیا جن عقل میں جگ کوں دوانا
لگیا شہ بھوت چہند سوں آزمانے — کنک جیو کا کسوٹی پر لگانے
دیا جواب اے شاہ سبحانی — کہ طفلاں سوں نہ ہوسے کاردانی
جب اس فرزند کوں شہ آزمایا — بہت کچ شادمانی دل میں پایا

بادشاہ کا عتاب

کھیا شہ تین گوہر ہے شرفناک — رتن جوں کہاں کے شرشور سوں پاک
ہوا خوش حال اپنے بخت پر سوں — کیا سجدا خدا کوں تخت پر سوں
ولے فرمان دیا تینو رتن کوں — نکل جادو تمیں ہر یک پٹن کوں

جہاں لگ ہے مراسب مرغ و ماہی
رہیں گے واں تو ماروں خوار کر میں

شہزادوں کی صحرا نوردی

کہے جب بات اس شہ کی پیادے
بندے توشہ چلے سٹ طمع گھر کا
گئے جب شاہزادے شہر سوں بہار
نکلے ہر شہر میں آوے سو سینتے
اتھا سب مغز سر میں سروری کا
ہریک شہ کے نگر میں یو دلیراں
ہوا یک دن قضائے آسمانی
جو ٹک یک شہر کے نزدیک آئے
اتھا اس شہر کے نزدیک جنگل
یکایک ایک زنگی دوڑ آیا
ہتے سب تھا ستے سن اس کے ہانکاں
لھوے کی کان میں یک باؤلی تھی
بندیا تھا جھاڑ کے جو گرد پاتاں
اتھا بدشکل کالا جوں سیاہی
کیا اے سور بیٹے سورزادے
میرا یک اونٹ اس باٹوں گیا ہے
گیا ہے کاں اگر بولے تو جانوں

شہزادوں کا جواب

کیا اس تین میں کا یک خردمند

جہاں پھرتا ہے منج شہ کا دورائی
سیاست کر دہروں گا دار پر میں

سیاہ پوش ہو چلے او شاہزادے
تماشا دیکھنے سب بحر و بر کا
بغیر جنگل پہاڑاں کوئی نہ تھا ٹھار
خرابے میں کدھیں جوں شیر سوتے
ولے کپڑے ہنر سوداگری کا
چلیں بکری اوپر جوں مست شیراں
چلے یک ٹھار مل یو یار جانی
بندے گھوڑے وہاں آرام پائے
رہے اس بن میں یوں جوں مست منگل
کہ جوں شیطان اپنا مکھ دکھایا
رتن زنگی کے جوں گاڑی کے چاکان
مسل سی پیٹ پر روماولی تھی
ہتی کے دانت سوں کچ کم تھے دانتاں
دیکھت شیطاں ڈرے ہور مرغ و ماہی
ہریک جوں چاند ہے یا شاہزادے
نشان دیو تو منج پر لگ میا ہے
مہینے کا خبر یک پل میں لاؤں

جو تھے عادل، ہنرمند شہ کے فرز

کیا دانا شتر در زور ہے او
کیا یک آنک اس کا کور ہے او

کیا دوسرا چیتر کہنا دہرم ہے
جو اس کے موئے یک دانت کم ہے

کیا تسرا جو عارف رنگ رنگ ہے
ولے اس اونٹ کا ایک پانوں لنگ ہے

دیے ہر ایک جواب اس بات دھاتوں
گیا ہے اونٹ تیرا بیگ جا توں

ہر ایک عارف بچن جب یو سنایا
ڈھونڈ نہارے کوں جانو جیو آیا

یوں یتوں میں دکیتا کام کوں او
چلیا یوں شاطر اپنے کام کوں او

بلوں دل تے چل جانا سو بن میں
یوں سوں جوں سرو دلیا چمن میں

چرن کے او ترنگ کرتے نہ تھے گرم
قدم پر دہر قدم چلتے اتھے نرم

چلے آئے وہاں یو تین گیانی
اتھا یک باغ نادر صاف پانی

ولیا یک جھاڑ اونچا جوں گگن تھا
ہوا ہور چھانوں چوندہر پھول بن تھا

بیک طوبا نگر تھا نام اس کا
جو یک یک کوس دوڑیا چھانوں اس کا

کچ یک کھائے پیے کہ بات دھوئے
بندے گھوڑے وہاں ٹک سکہ سوں سوئے

ہوئے ہشیار سوں بھی بات کرتے
خوشی کوں یاد کر غم کوں بسرتے

زنگی کی واپسی

گیا سو ساربان پھر پھر کر آیا
بہت کچ شور ہور غوغا اچایا

غضب کی آگ کوں روشن کراکر
زبان کی تیغ کوں پانی دلاکر

کیا دو کوس دوڑیا ہوں ایدہر میں
جہاں بولے تمہیں دیکھا اودہر میں

نہیں دیکھیا ہوں بچھو سانپ جھاڑاں
نہیں دیکھیا ہوں کانٹے سخت ٹھاراں

ولے دیکھیا نہیں میں گرد اس کا
بھریا ہر بال میں سب درد اس کا

یوں یتوں میں بہوت جلدی سوں دھایا
اوڑیا کیا کعن اوپر یا تمیں چھپایا

کیا جانا میں کا یک جوان دانا
جکچ سمجھیا ہوں میں سونا چھپانا

گھڑا گھیو کا بھریا ہے اس طرف جان
شہد کا اس طرف لادیا مرتبان

کیا دو جا کہ اس پر استری ہے
کیا تسرا جو ہے او پیٹ سوں نار

چیتر باغ ارم کی سر پری ہے
شکم کے بھار سوں ہوتا ہے آزار

چوری کا شبہ

نشانیاں تھے جتے پایا او زنگی
نہیں سمجا اونن میں ہے امیری
کیا یو چور ہیں دستے بھلے یو
ترنگاں ناگاں تن کس کا جو پاویں
میٹھے باتاں سوں کرتے دلنوازی
حرامی لگاں بھاگے ہو سیناسی
بڑے ساحر برے ہیں چور سرزور
زباں دکر ڈھنڈورا شورا دچایا
ملے پاے نمن سب خلق سارے
کنک کہتے اتے ہیں شاہزادے
کہے سب مل کہ تینو کوں جکڑ کر
جب آئے شاہ کن تینو جواناں
کیا تو ساربان سب کن کے دھاتاں
سکل باتاں بول شہ کن گیا او
کیا تینو کوں شہ یو حال کیا ہے

کیا ثابت اونن پر او کرن کی
بلوں آکر کیا او خوردہ گیری
بشر کے کاٹتے پھرتے گلے یو
او جوں سرما زمیں میانے چھپاویں
ٹھر ہیتی نمن دیتے ہیں بازی
جنگل میں خلق کوں دیتے ہیں پھانسی
چرا مردہ کفن خالی کریں گور
تماشا دیکھنے سب خلق دھایا
اٹھے جیوں چاند میانے او بچارے
کنک کہتے کہ ہیں یو چور پیادے
لیجا توں شہ کنے سب کوں پکڑ کر
نظر کر خوب دیکھیا شاہ دانا
نشانیاں اونٹ کے بولے سو پایاں
جتا کہنا اتھا کہ چپ رہیا او
کہو اس بات کا احوال کیا ہے

شہزادوں کا جواب

دعا اول کئے او تین یاران
جداں لگ رات دن ہے مرغ ماہی
جداں لگ ہے دھرت ہور سور کا نور

جو اپنے ملک کے تھے اجداراں
تداں لگ کرتوں جگ میں بادشاہی
اچھو تج شاہ کا یو ملک معمور

ہمن تینو مسافر ہیں غریباں — جہاں کے فیض سوں ہیں بے نصیباں
بہت برساں کے پھرتے ہیں اداسی — ریاضت کی گلے میں کہاں پھانسی
ہمیں دیکھے تماشا سب نگر کا — عجائب ہور غرائب بحر و بر کا
نہیں ہمنا کوں بھاتا شہر گوشہ — طمع کا نین ہمارے پاس توشہ
خدا کا ہے بہت ہمنا بھروسایا — جو شہ کے شہر کے نزدیک لایا
اول آیا یو زنگی جوں سیاہی — ڈرے جنگل کے سارے مرغ و ماہی
کیا دیکھے تو میرا اونٹ یو لو — ورتیچے راستی کے خوب کھولو
ظرافت کا اوڑائے باں سوں زاغ — کہے ہنستے، گیا بدنام کا داغ
گسنہ کی تو لگی ہمنا کوں جھولی — نہیں دیکھے سو باتاں جھوٹ بولی

بادشاہ کا حکم۔

غضب میں آ گیا تو شاہ گیانی — نہیں دیکھے سو بولے کیوں نشانی
کہو یک بار قصہ دھیاں سوں ہیں — سنوں گا جیو کے دو کان سوں ہیں
جو کوئی صورت نہیں دیکھے ہرن کا — نشانی کیوں کہے اس کے برن کا

شہزادوں کا جواب

کئے سجدہ دکھائے خاص اخلاص — کہے بندے ہمیں ہیں شاہ کے خاص
ان میں کا چتر یک مرد ہشیار — کیا میٹھے بچن سوں نیک گفتار
بہت جگ راج کر چھترتے سوں — ترنگ جم دان گرمائے ہے تو سوں
کیا یک بات پھر انڈھلا سو میں ہوں — سچ اس اونٹ کے اس دھات پر سوں
جتا او گشت جنگل میں کریا ہے — جہاں تاں یک طرف اکثر چریا ہے
بندیا میں نقش اکثر اونٹ ہے کور — جو چرتا یک طرف کا سخت ہے زور

دوسرے کا جواب

کیا دوجا کہ سن اے نیک فرہنگ — کیا ہیں اونٹ کا یک پاؤں ہو لنگ

۱؎ پر ۲؎ کہا ۳؎ کہا ۴؎ جتنا ۵؎ کہا۔

چلیا تھا پاؤں کھرار اتا سجانی
دیا منج ریت پر اس کا نشانی

سچ اس بات پر سوں میں جو بولیا
کہ جیوں نمایب چتر شطرنج کھولیا

تیسرے شہزادے کا جواب

جو تھا تسرا چتر عاقل خردمند
کیا[لہ] تھا دانت یک کم ہے ہنرمند

کیا[لہ] او شاہ کا سن خوش زبانی
کیا عرفان سوں گوہر فشانی

دسیا منج ایک ٹھار او اونٹ آیا
وہاں کے شاخ پات او توڑ کھایا

جو گال اس کا پڑیا تھا ایک کنارے
بہت پاتا تو رہے تھے اس میں سارے

کیا[لہ] میں یو سچ توں شاہ جم ہے
جو اس کے موں منے یک دانت کم ہے

سنیا سب بات بولیا شاہ دلدار
کہے ہیں یوں سچ یو تین گفتار

وے بولے تہیں بھی تین یاتاں
کرو انظہار اس یاتاں کی دھاتاں

کیا اول جو قصہ شہد گھیو کا
سچ بولیا چھپا سو راز جیو کا

اتھا او یوں زمین کے خاک اوپر
پڑیا تھا کچ شکل خاشاک اوپر

مکھیاں بھی یک طرف تے شور چاکے
زرہ پوشان تن جوں دل پو دھاکے

اتھا دوجے طرف چیٹیاں کا تو ندل
پون کوں تل نہ تھا جانے وہاں چل

جدہر چیٹیاں اتھیاں سمجا کہ گھیو ہے
جو اکثر گھیو چیٹیاں کا سو جیو ہے

جدہر مکھیاں اتھے بولیا شہد جو ہی (؟)
جو مکھیاں لفل شہد اس کا سو جیو ہی

کیا[لہ] دو جا جو بولیا مہ پری ہے
چترا سوار اس پر استری ہے

دسیا منج یو جو بیٹھا اونٹ کنانی
دہریا کر کا گکر پایا نشانی (؟)

جہاں بیٹھا اٹھا سند اونٹ بھاری
آرافت واں کمر کنے سے تھے اوتاری (؟)

لہ کہا لہ جھڑے

پرن ناسک میں اس کا باس لایا   میرے روم روم میں سب شوق اٹھایا
کیا میں حکم اس میں شہتری ہے   نہیں اسوار مرد او استہری ہے

کیا تیرا جو بولیا پیٹ سوں نار   ہوا معلوم یو سن شاہ گفتار
اوٹھی تھیں پرسوں جب اسوار ہونے   لگی تب فکر کے موتی پرونے
جہاں تھا نقش دو پگ و سبحانی (؟)   انگے دو ہات کے تھے نقش کیانی
چرن دیکھ چار اس کے راز کھولیا   اہے او پیٹ سوں کر بات بولیا

(برٹش میوزیم مخطوطہ - نمبر ۱۰۵۹ ورق ۹۰ ب تا ۹۴ ب)

پہلی مُلاقات

از بہرام بانو حسن مُصنفہ - امین

بہرام باغ میں محو تفریح ہے - شہزادی حسن بانو اور اس کی تین سہیلیاں تالاب میں نہا رہی ہیں - اور بہرام ہی کا ذکر چل رہا ہے - بہرام حسن بانو کو دیکھ پاتا ہے اور تقریب بہر ملاقات کی خاطر نہانے والیوں کے کپڑے چھپا دیتا ہے -

نہانے کے بعد جب حسن بانو اور اس کی سہیلیاں کپڑے پہننے کے لئے کنارے آتی ہیں - اور اپنے کپڑے نظر نہیں آتے اس وقت کی نفسی کیفیت اور پھر عالم بے چارگی میں ان کی شوخیانہ خود غرضی امین نے نہایت پر لطف طریقہ سے ظاہر کی ہے -

سہلیاں جو تھیاں تین اس کے سنگات   انوں نے نکالے یہ اس وقت بات
سنا شہر فارس کا ہے بادشاہ   ہے خوبی منیں خوب جیوں مہر و ماہ
کہتے ہیں بہوت خوبصورت ہے او   فرنگ چین کی خوب مورت ہی او

سلہ کیا

اگرچہ وہی آدمی زادے ہے
چندا اس کے آنکھیں[1] سوں[2] مہات[3] ہے،

لے آیا اسے دیو عاشق ہوکر
رکھا ہے لیاکر اپس ٹھار پر

کبوتر ہو اسکوں چلو دیکھ آئیں
پچھوں اپنے گھر کوں اپن سب اثین

اوٹھی بول بالوحسن تب شتاب
میں دیکھا (ہے) امشب پریشان خواب

نہیں کچھ نفا آج اس بات کا
مرے دل میں دھوکا ہے کچھ گھات کا

کہ واللہ اعلم لگے کچھ بلا
اپن سب اس اوپر ہویں مبتلا

میرے دل کوں دہشت بڑی آج ہے
نگھبان اپناں خدا آج ہے

دیکھیں (گے) کیسی اور دن اے کر
اچھی نیک ساعت اپن پائے کر

اپس میں وہ کہ آپ اپنا قرار
نہا کرکے پانی سین آیاں بہار

ندیکھا اپس رخت کوں ٹھار پر
اوٹھیاں وہ ترت سینہ (پر) بار کر

وہ رونے لگیاں وہاں نپٹ زار زار
صبر کر گریبان کے تئیں پھاڑ پھاڑ

لگیاں دل میں کرنے اپس کے بچار
ہویاں غم سوں رو رو بہوت بے قرار

خبر لیو و(ہ) ہے کون ایسا بشر
جنے اس جگہ آ کیا ہے گذر

لگیاں ڈھونڈنے باغ بھیتر تمام
ہر یک ٹھار گذریاں وہ ہر ایک مقام

وہاں ڈھونڈیا(ں) بہوت بیزار ہو
اپس میں وہ سب آپ لاچار ہو

کھڑیاں ہو اسی ٹھار کیتا اواز
کہ اے ذرو چھندی و حیلہ دراز

توں ہے آدمی یا فرشتہ مگر
کہ ہے جن پری دیو بیداد گر

تو ہوئے، اپس کی کہے آ مراد
قسم ہے خدا کی کریں اس کوں شاد

وہ سن شاہ وان سیتے آیا بہار
دیکھت شہ کی خوبی گیاں سدہ بسار

ترت سیتی ملکر یوں کیتی عرض
کہوں تم کوں ہم ساتھ کیا ہے غرض

جو کپڑے ہمارے رکھیں ہیں چھپا
جو کچھ دل میں ہو وے سو دیو تم بتا

اتوں ساتھ تب شہ اوٹھا بول کر
چھپے راز دل کے سبھی کھول کر

[1] آنکھ [2] سے [3] ...ات

تمارے جو ہے ساتھ بانو حسن — اپنے دل میں میرے کیا ہے وطن
میرا جیو اس پر ہوا ہے فدا — خدا اس سیں مجکوں نہ راکھے جدا
یہ سن کر پریوں نیں (نے) دیا تب جواب — اوٹھا شرم کا مکھ سوں اپنا نقاب
توں ہے بادشاہ جگ میں انسان کا — تجھے ہے مراتب سلیمان کا
توں ہے شہ خردمند روشن ضمیر — توں ہے جگ کے انسان میں بے نظیر
ہماری زبان سیں کہیں کیا تجھے — یو (ہے) سب حقیقت ہویدا تجھے
عبث تم نے ہم سوں کیا ہے خیال — یہی بات ہولی نپٹ ہے محال
کہاں ہم پریزاد کہاں آدمی — کہاں آسمان اور کہاں ہے زمین
دیو کپڑے ہمارے اپنے دیو رضا — خدا اس کا دیوے گا تم کوں جزا
کہا شہ نے ہرگز نہ ہوئے یہ بات — مراجی لگیا ہے اسی کے سنگات
مرے تئیں اسی ساتھ اب کام ہے — مرے دل میں اب یہ دل آرام ہے
اگر تم کرو فند ہزاران ہزار — نہ دیوں گا میں کپڑے تمہیں ایک بار
دیکھا تب پریوں نیں یہ اٹکا ہے اب — اسے دیکھ شہ دل میں ہٹکا ہے اب
کریں کیا اپن اب اسے کا علاج — کٹھن سر پہ مشکل پڑی آکے آج
کہا اس کوں اپنوں میں سمجھائے کر — بہوت حکمتاں سیتی بہلائے کر
ولیکن نہ سمجھا یہی شہ جوان — چلا چھوڑ اس کو اپن ہوئیں روان
یہ سب پر کہوں تم تو عاشق نہیں — سہیلیاں ہیں ہم تیرے لائق نہیں
ہمارے دیو کپڑے ہمن ہات میں — تجے ہے نفا دیکھ اسبات میں
کہا شہ نے تو زعلے نور ہے — یہی بات مجکوں سوں منظور ہے
دئیے کپڑے ان کے سو ہو کر خوشحال — رکھا رخت بانو کا شہ نیں سنبھال
لے کپڑے سہیلیاں گیاں گھر طرف — ہوا ہوش اس کا سبھی بر طرف
خجل ہو سراپا ڈوبی آب میں — پڑی غم سوں حیرت کے گرداب میں

(صفحات ۱۱ب تا ۱۳ الف)

سلہ نے سلہ نے

۲۱۴

پریوں اور دیوؤں کی لڑائی

از قصۂ تمیم انصاری مصنفہ صنعتی بیجاپوری

تمیم انصاری کو دیو یاجوج ماجوج کے صحرا میں لیجا کر پھینک دیتا ہے وہاں پریوں کی شہزادی ان پر عاشق ہو جاتی ہے اور جب دیو انہیں لیجانے آتے ہیں تو پریوں اور دیوؤں میں لڑائی ہوتی ہے

سو کرنے کوں دیوان اوپر مار مار   چلیا دل پریانکا ہزاراں ہزار
پریاں کی ترنگ جب ہولتے اوٹھے   کہے تو گگن سے شہاباں چھوٹے
ہوا پر سوں پریاں کی فوجاں چلیاں   توں بولے کہ دریا کیاں موجاں چلیاں
ہویاں رو برو جب صفاں بیشمار   ہتیاراں سنبھالے سو مارے ہنکار
اچھالی ترنگاں کوں اوبی فسوس   گگن ہو رہیا گرد سوں آبنوس
غصے سوں پڑے یک پو یک سر بسر   پری دیو پر دیو پریاں اوپر
جو سیتے کینہ ایس سار نے   ٹلی یکپو یک بے جگر مارنے
چلائی جو تیراں ایس تان کر   پھاڑاں کو پھوڑیں توے جان کر
دسیں لہو سوں یوں لال تیراں کی پھال   کہ تنبول کھائی ہیں جوں جیب لال
ہماہم سوں اور ایک دھمادھم ہوا   ہوا پر دھلارے کا یک کھم ہوا
او دیواں اگرچہ زبردست تھے   ولیکن پریاں کے انگے پست تھے
پریاں یوں چلیاں دیو میں ہر زمن   کتک ابر میں جلد بجلیاں نمن
پری آپڑی دیو پر یوں شتاب   کہ دیواں پو پڑتا ہے جو آشہاب
دھسی سب پریاں بیر دیواں میں یوں   ستارے رین کے اندھارے میں جیوں
سو کئی دیو ہر یک پری لے درنگ   کریں قتل یک شمع جوں کئی پلنگ
پریاں جوش میں آ ایلنے لگیاں   سو دیواں کو سارے کھند لنے لگیاں
لگیاں جب پریاں اس طرح مارنے   تو عاجز ہوا دیو کے سردار نے

(ورق ۲۵۱ الف ب، ۲۰۶ الف و ب ۲۰ الف ب)

جہاز کا سفر

از قصہ تمیم انصاری صنعتی بیجاپوری

قدیم زمانہ میں جہاز کا سفر جس بے سرو سامانی اور خدشہ کے عالم میں بسر ہوتا تھا۔ اس کا ایک عجیب منظر اس نظم کے پڑھنے سے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے صنعتی نے بڑی پرلطف اور نئی نئی تشبیہوں سے اپنے بیان کو مالا مال کیا ہے۔

سبک سیر تھا اس گراں بارسات — چلے جاں کہے موسکی موں میں بات

کہے دیک کشتی کوں توں سر بسر — کہ یک شہر چلتا ہے پانی اوپر

ادک جلد تھا گرچہ بے پائے تھا — سو بے پائے نت آب پیمائے تھا

اگر بیگ جانے کا ہم آپڑے — وہم سات کشتی او کشتی کرے

کریں پاؤں یوں پیٹ میں لیکو دھاول — کہ جوں پیٹ میں سا بنی لیکو پاؤں

پھریں جہاز او جوں زن باردار — سو یک پیٹ میں اس طفل کئی ہزار

عجب یو جو یک ماہ نو پر سوار — ہوئی تھی سو جو زا ہزاران ہزار

سورج کی دسیں تاب سوں موج توں — رو پہیری تنگٹ صاف چندنی میں جوں

رین میں زمین یوں دسی تابدار — دسیں جل پو دیپک ہزاران ہزار

(ورق ۱۷۵ ا و ب)

باغ کا سماں

از قصہ تمیم انصاری مصنفہ صنعتی بیجاپوری

دسیں جل پو بارے تئیں اس دھات موج — کہ چنچل کی جوں چک میں غمزا کی فوج

دسیں پیچ سنبل کی لالے میں یوں — عروساں کے رخسار پر زلف جوں

ہر یک پات پر بوند برسانت کے — ہر یک شاخ پر مرغ کئی بھانت کے

سجے مرغ وانکے خوش آوازتھے — فرشتیاں سوں تسبیح میں ہمراز تھے

بجن آئیں ہر مرغ کے سینے لے صاف — صفائی میں ققنوس پر ان کی لاف

اتھا گرچہ ... ان میں باغ — دیکھت باغ مجھ دل ہوا باغ باغ

بیوی کا انتخاب

از

تحفۃ النصائح مصنفہ قطبی

یہ موضوع اس قدر نازک ہے کہ ہر مرد اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں اس کی وجہ سے الجھنوں میں گرفتار رہو جاتا ہے ۔ اگرچہ قطبی نے بعض پتہ پتہ کی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے تاہم یہ اشارے کسی کے لئے رکشنی بخش نہیں ۔

جو لک سنبھالیا جائے تجہ عورت سوں ملنے میں کر
آفت بلا دکھ غم جفا عورت ملایاں توں اگر

جوں جا صبوری زن کرے کر خوبصورت پارسا ۔
ساتی ہو تجہ بھائی چلے خدمت کرے شام و سحر

نا لیائے دکھ انچہ ان کے غم و کہہ میں لیجائے سب
ایسے ہوسے نار چہ دنیا طلاق اس زود تر

جو توں ناری کرے دہنڈ چار چیز اپنے سے کم
سن ذات قد تجھ تیں چہ تھا سو کیا فن مال زر

کرتاج ناری توں اگر ہرگز نہ کر ایسے بغیر
کر خوف ہنس مت بول رے دیندار لیسے زور ور

کرتے ہو موٹے زن نکو تیلے ہوا دیکے خوف میں یا
ہو کالی زن ہرگز نہ کر فرزند جنے گی بد بتر

ہیجنے دیو نہاری نکر ہور بال جس پیندڑیا یہ میں
ہور بال و نیتی بھی نکو ہوے دہیٹ مکھڑی زشت تر

اسد ہات کی ناری سمجھ باریک جی پیندر بات دہرے
موں پر جو یاری جاب دے دایم رہے سر پاند کر

جو توں لولاوے بیجہ پر بھانہ ملول ہوں کر کرے
ہر بات میں عذر ان کرے کمراں بھرے کرتی عذر

آہستہ ہوں توں بات کے پھر جاب دکا دیکھے ترک
ہور بہار آوے بی رضا مندی یکیلے دربدر

جبے آئے اس کے سامنے کرتی شکایت ہور گلا
کئی ہیں دو دکھیا ہوں مردتی ہے ادا اگرچہ خوب تر

اوڑے نہ انچل سیس پر مکھڑا نہ دہوئے ہات ویا
تاین میں کاجل کرے کدنا رکھی پٹیا سوں پر

تجھتے چھپا کر راکھی سخن جہان کوں دشمن دہرے
تجھتے اولان کھائے جب بھر پیٹ تجتے بیشتر

ایسی جئے عورت اچھی دوزخ یقین سینہ لیسے
کر نیک ہودے نار توجوں ہور یا یا مشک تر

راحت جو لوریں توں ایس جاموں ملی سر پیری
مہتاب جوں چندا منیم میٹھی بچن کی سیم تر

کہ ہو دیگی وہ پارسا قانع اچھے خدمت کرے
اس سات مل حتجب کرے میں تو خریدیک ہو کہ

بیگانہ ناریاں پر کدھیں نا دیکھ شہوت کی نظر — نا دیکھ بھی امرد طرف نزدیک تے رہ دور تر
جوں توں ہوالمت یاز نان کوں دے بوسہ چپ کے جبر — سب عمر کیاں خوبیاں تیریاں ہاں چیز ہونگیاں سو پر

صبر و شکر

از

تحفۃ النصائح مصنفہ قطبی

راحت جو توں حق سوں منگے اپنا سنگاتی صبر کر — ہرگز نہ دیکھیا جگنے بن صبر نیں کچھ خوب تر
سب کام میں توں صبر کر جو صبر تے پاوے خوشی — توں جنت پاوے صبر تے ظالم درکن کی اپر
ظالم اگر ظلماں کرے توں صبر کر نا بول کس — جوں داد کستے نا منگے تو ہوے حق تجہ داد گر
ایمان آدا صبر ہے ہور شکر بھی آدا سمجھ — اس دو کوں توں ور زور کر ہوئیگا توں مومن بخطر
امید کسی کو کر نکو امید رکھ خالق اپر — حیوان کوں بی رزق دے پنکی چرندی ہور شجر
نعمت جو ہے بھرپور تجہ اس قید کو توں شکر سوں — لو تیرے جو توں نعمت بہوت ہر تل گھڑی توں شکر کر
لے مرتبے سکے لقماں شاکر غنی کون ہے ولی — اس صابر نکا نیں شرف صابر ہتے ہیں اثر
شاکر سلیماں تھا اگرچہ سلطنت دھن مال میں — نا مصطفےٰ اسا ہوئیگا صابر اتھا اودق پر

شادی

از بہرام و بانو حسن مصنفۂ دولت

بہرام اور حسن بانو کی شادی کا سماں اگرچہ طویل پیش کیا گیا ہے لیکن یہاں صرف وہی اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو مخطوطہ میں صاف طور پر پڑھے جا سکے۔

کیا فرش زریں سو ہر ٹھار پر — بنائے محل سارے گل زار پر
بچھے قالیاں بیچ ایوان کے — دھرے تکیے بغلی بڑے شان کے
بہوت بھانت سوں سارے مندر کیا — جواہر کے راسوں سے زینت کیا
کیا آب پاشی وہاں ہر زماں — صبح شام چھڑکا ہوے بے گماں
تھے چھتیس باجے اسی ٹھار پر — بجان ہار موجود تھے کار گر
پریاں ہر طرف سب لگیاں ناچنے — یو باجے چھتیسوں لگے باجنے
ہوئی رقص بازی مکان و مکاں — خبر یو ہوئی ہر ملک درمیاں
طعامان سو اقسام تیار کر — کھلانے لگے سب کوں تکرار کر
کھڑے سر براکار ہو مستعد — ہر یک کام پر دل سوں ہو کر بجد
ضیافت بڑے شان میں اُن کیا — تواضع سیں دل ہاتھ سب کا لیا
ہوے شاد شادان سو مہمان سکل — خوشیاں سب کے دل پر سو آیاں اُبل
پریاں اور کنیزاں اچھے بھانت کے — سبھی آ کے خدمت میں حاضر کھڑے
غلاماں کئی خوب صاحب جمال — اوڑاوین شہنشاہ پہ زریں رمال
ہو فارغ نکاح کے سو سب کار سیں — مبارک کہا سب نے بہوت پیار سیں
چلا جلوہ کارن شہ اندر محل — ہو ہمراہ پریاں چلیاں خوش شکل
اچھی نیک ساعت میں جلوا دیا — جواہر کئی جنس قربان کیا
سوہنی شہانی وہ گانے لگیاں — سو مجلس کوں ساری رجھانے لگیاں

(صفحہ ۲۴۳ (الف)

دو اجنبی شہسوار

از خاور نامہ مصنفہ رستمی

لڑائی کے زمانہ میں دو اجنبی شہسواروں کو اپنی سرحد کے اندر دیکھکر اہل قلعہ کے دلوں میں قسم قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک سردار آگے بڑھ کر ان سے گفتگو کرتا ہے اور انہیں اپنے آقا کے یہاں لیجاتا ہے

یہ انتخاب اگرچہ شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا نہیں لیکن اس زمانہ کی زبان اور محاورہ کی سادگی بہت کم اس خوبی کے ساتھ کسی اور کارنامہ میں پیش کی گئی ہے ۔

پکاریا کہ اے نامور مہتراں — بولو نانو اپنا بنام آوراں
بولو اول آخر بی اپنا تمام — کیے[1] آئے ہیں اس ملک میں کیا ہی کام
کہاں جاتے ہیں ہور کہاں آئے ہیں — کیا جھگڑے پہ ہیں یا خوشی لیائے ہیں
ہمیں بی کمر باند آئے ہیں یاں — نشانی تمارا جو پائے ہیں یاں
اگر جھگڑے کوں آئیں ہیں تو کہو — وگر صلح سوں آئے ہیں تو کہو

دیا جواب بھی یوں اسے سعد شیر — برے دل کا ڈرتا ہے دیکہ کر دلیر
دلاور نہ ڈرتا ہے دیکہ مرد جنگ — جو ڈرتا ہے دیکہ چھالو اپی پلنگ
برا نیں اندیشہ ہمیں دل منیں — کہو خوب یا ہیں بری بھی نئیں
کسی کی برائی سوں ہمن کام نیں — اس انگے بھی کچہ بولتا نام نیں
چلے ہیں بی مغرب زمین کوں ہمیں — ہمیں پہ نکو بدگمان ہو تمیں

بولا لے چلیا دونوں کوں شاہ کن — ستارے لن گئے دونو ماہ کن
جسے بھیجا تھا شہ سو اگے ہوا — دونوں کوں بھی دربار کوں لے گیا

[1] کیوں

دیکھے اس کے دربار میدان کوں — محلاں گئے ہیں بی اسمان کوں
محل کوں رنگایا ہے سب زرنگات — محل اس کے اسمان سوں بولیں بات
دیکھے بہوت گھر کوں سنواریا اہے — اسے چار صفہ بنایا اسے
کیا تھا اسے فرش بی سات رنگ — ساتوں[۱] رنگ کے بی بچھایا تھا سنگ
ابوالمحجن اور سعد بھی وان گئے — گئے ہور جاکر سلام اس کئے
سلام ایسا جو او سلامت اچھے — جو اس آشنائی علامت اچھے
اتھا بادشہ بہوت با عدل و داد — جو عالم کا خاطر اتھا اس سوں شاد
وو جو کیاں رکھیا تخت کیرے انگے — دونوں کوں دیا بیٹھنے[۲] پیش کے

تو اور کھو لیا بات کرنے سوں لب — پوچھیا اس دونو تھے[۳] بی[۴] نام و نسب
ادر[۵] لے کہاں جائیں گے سو کہو — چھپاؤ نکو راست مجہ او کہو
اپس حال مجہ راست یوں بول دیو — سب احوال اپنا منجے کھول دیو

(اوراق ۹ ب - ۱۰ ا)

ایک مشرقی سبب تصنیف

از خاور نامہ مصنفہ رستمی

کسی کتاب کے سبب تصنیف کے پڑھنے سے مصنف کی ذہنیت اور اس کے زمانہ اور ملک کے دوسرے عام انشا پردازوں کے رجحان کے متعلق بھی خاصہ اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ خاورنامہ کا حسب ذیل سبب تصنیف اگرچہ مجموعی طور پر رستمی کی ذاتی تخلیق نہیں ہے ۔ تاہم چونکہ اکثر دکنی تصنیفات کے آغازی حصہ میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ۔ اس لئے ان کے پڑھنے سے ہمیں قدیم اردو مصنفوں کے میلان کا ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے

شہرتِ جاودانی کا خیال ہمارے قدیم مصنفوں کے لئے تصنیف و تالیف کا سب سے بڑا محرک تھا

---

۱ ساتوں ۲ بیٹھنے ۳ سے ۴ بھی ۵ ادھر۔

اپنی شاعرانہ قوتوں کے فخر کے باوجود اپنی اصلی قابلیتوں کا احساس اور اظہار انکساری بھی ہمارے شاعروں کا قدیم سے شیوہ رہا ہے۔ اس انتخاب میں فردوسی کی شاعری، شہرت اور نجات کے متعلق بھی بعض خیالات ہماری نظر سے گذرتے ہیں۔

فلک کوں وفا داری اندیشہ نین — بغیر از جفا اس کو کچھ پیشہ نین
اتھی خوب یو زندگی ہور ہوس — اگر مرگ کا ڈر نہ ہوتا زبس
اجل سات کوئی جیو چھپایا نہیں — اپس درد کوں دارو کھایا نہیں
جو ہستی کے کوچے رکھیا ہے قدم — باہر جاونا ہے زراہ عدم
جو خورشید ہے تو بھی پایا گازوال — جو رستم ہے تو بھی اسے کر زوال
بچھاناں بھی کوئی یاں بچھایا نہیں — جو اس پر اجل ہت پھرایا نہیں
جکیچ زرّہ ہے خاک میں ہور غبار — سو وہ تاج ہور سر ہے از شہریار
جکوئی پھول ہیں نوک پر خار کے — سو او پھول عارض تھے ہیں یار کے
دنیا میں یہی رسم معتاد ہے — اسی رسم پر آدمی شاد ہے
کھیا میں کہ اندر سرائے سپنج — کیا ماتم ہور شادی کیا افلاس و گنج
یکس کوں دیا تخت ہور ذوق ناز — پڑیا ایک تختے پہ کرتا نیاز
دو نو اوپنچ آخر کوں ماٹی ہویں — مریں ہور دنیا کوں بھی چھوڑ دیویں
تو بہتر وہی ہے کہ جوں راستاں — سنو اوروں اپس دل میں تھے داستاں
کاڑوں رخت دنیا تھے جوں بہار میں — دنیا میں چھوڑوں اس کوں یادگار میں
جو اس دیکھنے میں بڈھا ہوے جواں — عقل کوں بھی ہوئے اس تھے تازہ رواں
معطر کرے او چراغ عقل کا — ہو وے بھر کر روشن چراغ عقل کا
عاقل کوں ہوے اس تے آرام دل — اسی تھے ہٹا ہوے سب کام دل
اسی نامے سوں نام مجہ ہوے بلند — ہووے خلق بھی اس سیتے بہرہ مند
جو ہر ذرہ ماٹی تھے مجہ ہوے غبار — دنیا میں اچھے مجہ کوں یو یادگار
جو شاعر تھا فردوسی پاک زاد — اچھو حق کی رحمت سوں او بھوت شاد

۱؎ وہی ۔

دنیا میں ہوی بات اس تے[1] بلند ہوا شعر تے[1] بھی اُنے بہرہ مند
ہوا شعر اسے خوب آب روان کیا از پہلوانان کیا از خسروان
کیا نامہ او خلق میں نامدار رہیا جگ میں اس ہیچ تے[2] یادگار
بلند مرتبہ اس تے[1] ہے بات کوں کیا[3] شعر جگ میں او اس دھات سوں
ہوا ختم اس مثنوی بولنا موتی بات کے راس کر رولنا
بولیا جگ میں توحید او ہور پند جو یک بیت آلی خدا کوں پسند
چھوڑیا جوں کہ او قالب خاک کوں خدا بخشیا فردوسی پاک کوں
دنیا کوں بلندی و پستی تولی سبھی نیست ہیں اچہ ہستی تولی
اس یک بیت پر بہشت اس کوں دیا ملک بات کا اس کوں بخشش کیا
صفت بھوت توحید میں اس کروں مگر میں بھی یک نکتہ ایسا کہوں
جو اس نکتے تے ہوے دولت منجے بلندی دیوے ہور رحمت منجے
کیا بولوں جو نین بولے سو نیں رہیا ہندے نین سو موتی کہیں نیں رہیا
اول شاعران کچہ نہیں چھوڑے ہیں چکچ بولنا سو سبھی بولے ہیں
بلس ابر یا ہے بستان میں ایک پھول جو اس پر نہیں بولے بلبول بول
کسی پردے میں ایک خوب رو نہ تھا جو اس سات کس دل کوں آرزو نہ تھا
تجے خوبی سوں نیں ہے اتنا مجال جو خوبان کے مکہ پر رکھے خط و خال
عاقل ہے تو دریا منیں جان کو دریا میں توں ڈب کر غطے کھا نکو
نہایت نہیں بات جس واں نہ جا خضر نیں ہے توں آب حیوان کجا
عقل یار اس بات میں ہوے تو کرے لطف سوں مجکوں تعلیم او
کہ اے بات کے خیال کے نقش بند جو ہر بات تے خلق ہوے بہرہ مند
کوئی تجے طبیعت کی ابرال آ جوں ہاروت جادوگری کر دکھا
توں بھی بات کوں بات سوں بند کر زبان آوران کی زبانی بند کر

[1] سے [2] اسی سے [3] کہا



غواصی ـ مصنف سیف الملوک و طوطی نامہ

توں بھی بھار لیا گنج ویرانے تھے / توں افسوں سنوار اس پی افسانہ تھے
عیسی دم کوں توں عنبر آمیز کر / زباں کوں توں اپنے شکر ریز کر
کیا توں نیت کام میں جب درست / نکو ڈر کہ عقل و خرد یار ست
سخن کی اگر طبع تجہ ہے رواں / تو یاری کریں گے بخت تجہ ہناں
ہوا تازہ دل عقل کے جواب تھے / جو پیاسا ہوئے خوش ہوے آب تھے
آخر خوش کیا یوچ میں داستان / کہ ہے راست یو از لب راستان
نہ دیکھیا کسی مرد اس سات میں / جو اس داستاں کوں بندے بات میں
سخن کے گھوڑے پر ہوا ہوں سوار / جو اس باٹ کوں طے کروں ایک بار

(اوراق ۶ ب تا ۷ ب)

وفادار عورت

از

طوطی نامہ مصنفہ غواصی

صنف نازک کی بیوفائی اور عیاری کے متعلق اردو زبان میں خاصہ لٹریچر موجود ہے۔ اور اگرچہ اس کے حسن ونزاکت اور نازوادا پر بھی دل کھول کر (اکثر غیر فطری) شاعری کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں بہت کم ایسی نظمیں ملیں گے جن میں عورتوں کے اعلیٰ درجہ کے کردار اور قلبی اور دماغی نفاستوں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

غواصی کا حسب ذیل انتخاب اس لحاظ سے ضرور قابل قدر ہے کہ اس میں ایک بیوی کے اعلیٰ کردار بے نقاب کئے گئے ہیں۔

سنیا ہوں جو تھا کوئی یک لشکری / اسے ایک عورت تھی جیوں شہپری
کہ اس نار کا چودواں چاند تھا / دل او لشکری نے اسوں باند تھا

اوگن میں بے مثل ناری تھی وہ ۔۔۔ وفا ہور ست میں کہ ساری تھی او
ولے او سپاہی زمانے یہ جا ۔۔۔ اچھے اس کی رک دیکھ میں جابجا
دیوانا ہو گھر میں سے نکلے نہ بھار ۔۔۔ گذرنے لگی مفلسی بے شمار
اور عورت سندر گنونتی بے نظیر ۔۔۔ کہی عقل سوں ایک دن مرد دہیر
اگر گھر تے جو توں نہ نکلے بہار ۔۔۔ تو کہنا چلے کس دھنگ روزگار
نفا نین دیوانا تو ہو سنے سٹنے ۔۔۔ رکہ اس عشق کوں باندھ کو لنے منے
ملا چاکری توں نکل گھر سین بہار ۔۔۔ کہ ہے چاکری مرد کیرا سنگار
سنیا یو بچن اس نے جیوں لشکری ۔۔۔ کھیا سچ کہتی ہے توں اے گن بھری
ولے غیرت اکثر ہے انغ مجے ۔۔۔ کروں کیوں کنارے ایس تے تجے
یکلی تجے سٹ دے کس دہات جاو ۔۔۔ کہ جانے کوں آتے نہیں مجکوں پاؤں
بڑا عذر ہے مج کوں سوں او یہی ۔۔۔ سن یو بات عورت اسے یوں کہی
کہ اے تجہ جو کچہ عذر باطل ہے پیش ۔۔۔ سو باطل ہے او عذر دیک توں اندیش
جو کوئی نار ہے پاک دامن نچل ۔۔۔ سٹ اس کا کدہیں کیں نجا وے نکل
جہاں لگ ہے بدفعل عورت چھنال ۔۔۔ رہے نا جتا کچہ رکھیں اس سنبھال
سنیا ہے کہ مین ایک جوگی مدام ۔۔۔ نہ عورت کوں اپنے چھٹیا صبح و شام
پھرے پیٹ سوں باندہ کر اس او ۔۔۔ سو ویسے میں گئی سو جنیاں پاس او
کتی ہوں سن اس کا کتھا اے سجان ۔۔۔ کتی ہیں جو تھا ایک دلاور جوان
ولے اس کوں عورت کی غیرت نہ تھی ۔۔۔ سو اس لا کھنیچ تھی عورت اسے اس پہ تھی
منگے آزمانے کوں انکار سوں ۔۔۔ سو گل لگ سٹے مل کہ ایک نار سوں
جو مرد آئیا بھار سے تے گھر منے ۔۔۔ دیکھا دوئی کوں ایک بستر منے
بڑا مرد سچے کوئی کہ ان پچھان ۔۔۔ ذرا اس گھڑی دل میں غیرت نہ آن
کہا کون ہے اٹھ بیٹھے سوں دے ۔۔۔ کہ آئی ہے نوبت مری ہوں لٹے

جیوں آیا ہے تیو نیچ جا ڈر نکو
بچھانے منے ڈرتے یک بھر نکو

سن اے بات اودھن پڑیاں کھول میں
سو وین[1] اٹھ کھڑیاں ہو کہیاں اے جو تون

دلاور ہے نامی دلیران میں آج
سچا شیر نر توں ہے شیراں میں آج

تجے رشک اس ٹھار پر آؤ نا
نہیں رشک آیا سو کیا ہے گنا

بزاں[2] نا چھپا دل میں او مرد وین
لگیا بولنے یوں کہ یک دیس میں

یکٹ ایک جنگل میں لے جا اتھا
دکھا ایک ہبتی[3] کوں جو آ ما اتھا

اتھا اس کے سو پیٹ چوڈول ایک
مری عقل گم ہوئی اور چوڈول دیک

کیا ہیبت اس کا مرے دل میں ٹھار
سو یک جھاڑ پر جا ہوا میں سوار

بغیر دھوب واں چھالوں بھی کیں نتی
سو آیا اسی جھاڑ تل او ہتی

سوویں پیٹ ایر کھتے او چوڈول آتار
چلیا آپ چرنے بدل ہور ٹھار

سو یک نار جتنا سراؤں سیچے
نکی چوڈول میانے سو دیکھی مجے

نکل اس میں لے بہار آئی ہلوں
ایرلے تلیں مجہ بلالی ہلوں

رہیا نیں مرا دل سو آنا اتر
چلی ویں مجے لے او چوڈول بہتر

سینا کھول ایر جیوں پڑی شوق سوں
کیا میں لے بھی بھوگ اسوں ذوق سوں

ہلوں بعدازاں مجکوں ہاتاں میں یار
اپن ڈب میں تے ڈوری ریشم کی کاڑ

لے ہاتاں میں ویں کس کہ یک گانٹھ بھائی
ڈوری پھر اڈب میں اپنے چھپائی

کہیاں عقل میری جو گم ہور ہی ؟
صریحاً مجے کھول تو یوں کہی

کہ اے یار جن کوئی مرا مرد ہے
سو کوٹال جو کی جہاں گرد ہے

اوک من میں غیرت سوں عورت کے دھر
لے پھرتا ہے مجہ یوں ہتی ہوے کر

جنگل باج بستی میں مجہ نالجائے
مبادا ا مجی پر مرد کوئی نجھائے

اسی ہٹ سوں دی ہیں دغا اسکے تیں
لوو پر گئی نو جنیاں پاس میں

سو ہر بار یک گانٹھ ڈوری میں بہتا
بدل یاد کے میں رکھی ہوں چھپا

[1] وہیں [2] بعدازاں [3] ہتی ـ

ملیا توں جو اس جہاڑ تل ناگہاں — او گانٹھاں سو پوریاں ہویاں سنولہاں
سنیا جوں میں اس نار تے بات یو — تدہاں تے سٹیا دل کوں غیرت تے دھو
مرے ہات میں یمن کر یو کام عام — خدا پر کیا ہوں توکل تمام
کر ایسی حکایت بزرگان اوسندر — اپن مرد کوں نرم جیوں موم کر
گدہی ایک پھولاں کی گیند اپنے ہات — کدم کے واسے اپن کست کے سات
دئے مرد کے ہات میں ہور کہی — کر اے توں جو ہے لال مرا ہی
سوں کرے دل آپنا ایک توں — مراست اسی گیند میں دیک توں
کرا خلاص ہے جو سوں تیرا تمام — جہاں جائے گا توں تو ہر صبح و شام
ترے ہات میں ہر گھڑی دم بدم — اچھیں ہار ہے تازہ یو گیند جسم
جب او گیند کملا رہے تجہ کنے — گیا جم میں کاست کرلے دل منے
سن اے بات تب او سپاہی ہوشاد — درست اس سہیلی سوں باندا اعتقاد
لے سنگات او گیند تارے بغل — خوشی سوں چلیا چاکری کے بدل
سو پر ملک میں جاکے یک شاہ کن — لگیا چاکری کرنے اب کسان من
ولے جو بی او گیند اچھے اس کنے — شگفتا ہو ہر لحظہ ہر پل منے
جیوں آیا زمستان کرا او ہنگام — ہوا بار کم پھول بن کا تمام
کلیاں تیج رہیاں تھنڈ تے ہاتاں منے — سو دیکہ شاہ گیند اس کے ہاتاں منے
کھیا کاں لے یو پھول لیا (یا) ہی توں — یو کس پھول بن میں لے پایا ہے توں
دیا سو تجے یو کنا کون ہے — پھولارا یہاں آشنا کون ہے
کہ ہیں سب چمن ٹھنڈ تے بیتاب یاں — ہیں اس وقت پر پھول کم یاب یاں
ہوا جیوں بجد شاہ اس بات پر — ادب سوں اٹھیا بول اس دبات کر
کر اے بادشاہ زمین و زمان — جو ہے جگ تری چھاؤں تل شادمان
گندہے پھول نرل مرے ہات میں — جوتا زے ہیں نت جیوں کلیاں پات میں

۱؎ بھی ۔ ۲؎ کہ ۳؎ بعد ازاں

سو اس دہات کے کین پچھ سے نہ یاں
کسی پھول ڈالیاں پہ اچھے نہ یاں

کہ آتے براں گھر تے میرے حلال
ست ازما د اپنا کہہ میرے دنبال

اپن صدق کے باغ کے توڑ پھول
دیئی مج کوں سو میں کیا ہوں قبول

اجھوں لگ تو کملائے گئے نیں ہیں یو
ہے پورا ست اس میں کہ یوں ہے ہیں یو

نجانو لگے کیوں ہے اس رب کے کام
پتیارا تو اس کا مجے ہے تمام

شہ اس کی زبان تے سن اس بات کوں
لیا دل میں اپنے کہ اس دھات سوں

کہ البتہ ہے اوس کے سحر کر
دغادی ہے تحقیق اسے سحر کر

جہاں تے فریب اس کوں یوں دیا کے
کرن غیر کا ماں سنجا سے تجھے

اپنے تو اسے ستونتی نار کر
رہیا ہے پتیاکر وفادار کر

دیکھوں آزما کر یو ایا[۱] بری
خبر لیوں کہ کیا ہے سمایا بری

کر اس دہات شہ نیت اپن فام[۲] میں
مسلم بجد ہو کر اس کام میں

دغا دینے اس پاک داماں کوں
دیا بھیج یک چلبلے جان کوں

سو ہر حال سوں کھوج پایا او جواں
گیا اس سپاہی کی عورت کے واں

نکر راز بھی کیں ہویدا وہاں
کیا ایک کٹنی کوں پیدا وہاں

جواہر سوں بھر گود اس کا تمام
کہیا مج کوں ہے اس فلانی سوں کام

لگیا ہے میرے دل اسوں رات دن
مجے یاں نہیں کوئی بھی توجہ بن

اگر اس سوں یک پل ملائیگی مجے
تو لئے کچھ اچھوں دیونگا میں تجے

نگرو ہر ادنا پاک اوکہ طمع پر
بہر حال جادی خبر اس کے گھر

سو او نار ستونت روشن ضمیر
اتم پاک داماں عاقل گنبھیر

سن او نا موافق بچن خوب اندیش
کہی یوں کہ بازی تو آئی ہے بیش

اگرچہ رہتی ہوں ندے جواب میں
تو کم عقل دستی ہوں اسباب میں

بھلا جو بلا لیاؤ کر اس کہوں
دغا دے اسے میں سلامت رہوں

۱ جواں ۲ فہم

بچار اس وھنا[1] کُتنی کوں یوں کہی
توں اس جوان کوں لیکر آرات کوں
بھروسے سوں دے اس بڈھی کوں رہنا
جو گھو گھر بچیں خالی یک ٹھار پائی
کچھے سوت سیتے بنی یک پلنگ
امانت رکھی سیج اس کہو اُپر
تما شام ہوئی دیکھ او ایلہ جوان
گھر آیا کسو تعظیم دینے چلائی
او اعجان جیوں اکس پلنگ پر نکوت
پڑیا کہو میں غفلت سوں تل سیر پاؤں
قیامت مگر اس پو نازل ہوا
اٹھیا جوں او کہو میں تے کچوا پکار
کہی کون توں کاں تے آنا ہوا
تجے یو بلا کھینچ کر کاں تے لیائی
جو کچھ ہے سو کہہ کھول کر سب مجے
ہوالا علاج اُن سو کھو میں تے تب
سو خاطر میں لا او حقیقت سکی

گرا ے بات توں بولتی ہے سہی[2]
و لے کیں نکر ناش اس بات کوں
کتی گھر منے فکر ہور یک وھنا
منگا نرم پالی [illegible] بچھائی
پلنگ پور کس پر سٹی تازہ رنگ
نجا تیچ ہتوں گھر میں [illegible]
دنما اس ہیلی کیرا نا پچھان
سنواری سو او صدرا اس دکھلائی
گیا سینے کوں سو تٹ ہیا او سوت
ہوا لھو میں کھلڑی نکل ٹھاؤں ٹھاو
نکل بہار آنے کوں مشکل ہوا
ملوں آئی نزدیک تب او نگار
برا تجہ سوں کیوں یو زنانا ہوا
مجہ اپرال کی ہوش[3] یوں بج کوں آئی
جو یاں تھے سلامت سوں کاڑوں تجے
جیوں آیا اتھا توں کھیا کھول سب
اسی کہو میں اس کوں سلامت رکھی

(اوراق ۵۰ ب تا ۵۴ ب)

۱۔ وضع ۲۔ صحیح ۳۔ ہوس۔

چار غزلیں

از

دیوان سلطان

یہ غزلیں اس لئے قابل قدر ہیں کہ اس دور کی بہت کم غزلیں عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں صوفیانہ مضامین صاف اور سلیس زبان میں ادا کئے گئے ہیں اور فارسی غزلوں کی تقلید میں رندی و مے پرستی کے مطالب نہایت زور کے ساتھ اور پختہ کار طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں۔

اس دور غوغا عشق کا ات کم ہوا ہے کیا سبب
معشوق بھی بے مہر گھونگٹ تہ دم ہوا ہے کیا سبب

سوز و دروں آہ و فغاں اسباب کم ہو تس اثر
عشاق کا دیدہ ایسا بے نم ہوا ہے کیا سبب

نظر وفا پیش صنم کمتر ہوا ہے اس زماں
ای نما ہو عیش جمع دل برہم ہوا ہے کیا سبب

یارب وفا کی قدر باللہ کم ہے ہندا لوقت میں
اسکے سوا غمخوار بھی بے غم ہوا ہے کیا سبب

صدق و ایمان ہور شوق جان کم ہو ہنا کم بھی نہیں
سلطان من گم گشتہ یوں عالم ہوا ہے کیا سبب

تی بھر جب دیتا شراب تازہ
تب بھون کر جگر کوں کیتا کباب تازہ

آنکھن کی خماری بر ہے کی جوش ماری
چک نیند تیں لباری بھتا ہے اب تازہ

ردر و نین جبیں ہیں چھنک نت کہے ہیں
جوں سور ہوتے ہیں دیکھ نیہ سحاب تازہ

مکس نی بولوں اگر زبانی
مجنون لکر میں ثانی پاؤں خطاب تازہ

میرا فراق میں ترق خامہ
رہور ہیں سیاہ جامہ جو اہے ناب تازہ

ن ن کا تیاں طمع کر
لیکن تو کیا عجب تر ہوئے کتاب تازہ

سلطان مست دیدہ رکھے اوپر عقیدہ
نا کرتیا قصیدہ بس یک جواب تازہ

خدا آفت میں یوں مومن کو آزماتا ہے
اگن میں زر کوں جا زرگر جیوں پھر پھر جلاتا ہے

جو آفت ہے سو و نا اجر پاوے او
سنا جب اب جلا ہے تب زیادہ نور پاتا ہے

خدا کا آس جو منگیا تو لے نیہ درد وقت بھاری
تو حق ہو مہربان اپنا درس تجھ تب دکھاتا ہے

پکڑا دعشق کھینچے بن نپاے وصل حق ہرگز   ہو غافل عمر غفلت میں عبث جیب کی گنواتا ہے
پکڑ سلطان توں ہمت جفانے عشق کا اول   خدا سوں مل ہو شاد آخر اگر عاشق کہاتا ہے

تجہ نین میں کی کیکی سچ نیہ کی آسیا ہے   مجہ دل کوں عشق گیہوں کر پیالش پن رہیا ہے
اور جگ میں کوئی سفیدی دیدہ نکر سمجھنا   میرا ہیا ہو آٹا اجلا جو رنگ کیسا ہے
ای مجہ ہیا کا آٹا اونیہ کے آسیا لگ   عاشق کہے پرت کا سورج کہلا کیا ہے
مجہ حال کیوں کہوں میں نے عشق تابزبقت   تیری پلک کی سوئی سے تو موں جیو کا سیا ہے
ار عشق کا مزہ دیکھی سلطان من سو چاکھے   جن کوئی تجھ ادہر کا بادہ جو لے پیا ہے

اے یار سن مجہ پیار لیو دنیا ستی رکھ پیار کم   ہور راکھ اپنے پاس توں سنسار کا بستار کم
تا غسل ہو رب کے راز کا گوشہ پکڑ خلوت بیچ   بھی کس طرف تے دل دو لاکر جسم کا رفتار کم
کم بیٹھ صحبت خلق کی کم دہر طلب از سیم و زر   روشن ہونے گا دل تیرا کم سو کھا آدہار کم
ہستی گنوا لے نیستی کرنا ہے درویشی اگر   الا ضرورت منگساں کو ہر در جہاں دا مار کم
وہر پر توکل تجہ نظر مخلوق کا تکیہ نکر   گر توں کرے ہے تجہ صفت از صورت دیدار کم
مہر و وفا اس دور میں کم ہے عزیزاں تس سبب   ہر کس ستی تجہ درد دل بے بول ہیں غمخوار کم
گر سر اوس سلطان کا پایا ہے تو خاموش رہ   لب بند ہو محبوب کر بار دگر گفتار کم

خدا کی پاس   سنگ ہمت بلندی

نزاکت سوز گریا   میں نقشبندی



عشقِ غائبانہ

از

پھول بن مصنفہ ابن نشاطی

جس ملک میں پردے کا رواج ہو وہاں کسی حسین کی تعریف سن کر کسی نوجوان لڑکے کا غائبانہ عاشق ہو جانا۔ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ اس انتخاب میں ایک ایسے نوجوان کا ذکر کیا گیا ہے جو پہلے ایک لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کو کسی طرح دیکھے ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر کوشش رائگان نہیں جاتی۔

مرا تھا باپ سوداگر ختن کا ۔۔۔ نہ تھا پروا اُسے کچھ مال دھن کا
بڑا تھا بھوت سب سوداگراں میں ۔۔۔ اتھا مشہور سالم بندران میں
ہو کر مشہور تھا سوداگری سوں ۔۔۔ کہتے تھے کارروان سالار اس کوں
پڑے تھے اس کنے مہران کے انبار ۔۔۔ دیگاں سوں تھے روپئے ہور دینار
تجارت کی بھوت سورات سوں وو ۔۔۔ گیا یک مرتبہ گجرات کوں سو
اتھا میں اس سفر میں اس کے سنگات ۔۔۔ گھڑیا سو کیا کہوں اس ٹھار پر گھات
مری اس وقت تھی اول جوانی ۔۔۔ نوی انپڑی تھی مج کوں شادمانی
اتھی اس ٹھار یک زاہد کوں بیٹی ۔۔۔ فرشتہ خوی لِتس عابد کوں بیٹی
چتر، چنچل، سرک، گن شل سہانی ۔۔۔ نہ اس کوں کوئی تھا صورت میں ثانی
چندر آدھا کہوں میں کیوں پیشانی ۔۔۔ چندر آدھا نہیں دیسا نورانی
بھنواں کے کیوں کہوں محراب تھے کر ۔۔۔ کہاں وو نور محراباں کے اوپر
نین کوں نرگساں کہنا ہے ناساز ۔۔۔ چمن کے نرگساں میں کاں ہے وو ناز
کہوں رخسار کوں کیوں اس کے لالا ۔۔۔ ہر ایک لالے کے درمیاں ہے کالا
میں سرتے پاؤں لگ اس ہو ہنی کا ۔۔۔ کہ تھا تیوں کیا صفت کر بی سکوں گا
ہوس اس دیکھنے کا مج کوں آیا ۔۔۔ تماشے کوں مرا دل سر اچایا
اول تھا حال کچھ آخر ہوا ہور ۔۔۔ پِرت کی چیٹکی مج کوں لگی زور

جو یاد آئی اتھی وو چلبلی مج
پیارے کا پرت پیارا لگیا سو
لگے چشمہ ہوکر نیناں اپلنے
دھنواں آہاں کا سر پر ہو بدل چھائے
کلی نمنے ہوا دل تنگ و ناشاد
پرت کی آگ سوں دل جل ہوا راک
جو اس کوں دیکھنے کا مج ہوا ذوق
ہر ایک نس جاؤں چنچل کی گلی کوں
سنے میں دم کوں اپنے سا ند لیکر
یکیلا اس گلی میں کوئی نہ دو جا
کر اس چندر بدن کے گھر طرف موں
ہر یک شب غم سوں میں وو سر اچھے چیاں
کروں ہر شب نین سوں آب پاشی
کتیک دن کے پچھیں امید کا سور
یکایک جھانک کر دیکھی مجے نار
تو ہوئی تھی سنے میں گدگلی مج
پرت کا تھنڈ ہور بارا لگیا سو
لگیا جیوں شمع ہو کر جیوں جلنے
گرم بھایاں سوں ہونٹاں پر چھلے آئے
ہوا ٹکڑے گریبان پھول کی ناو
صبوری کا جو تھا دامن ہوا چاک
جو آیا دل منے میرے اپل شوق
ہلوں چھپ کر دکھیں اس چلبلی کوں
کمر کوں اپنے دامن باند لیکر
چلوں میں چاندنی کی دھوپ میں جا
ہر ایک نس نین کے تارے بکھیروں
دھنویں سوں آہ کے باندوں کھلاوا
اساساں کی کروں دم سوں فراشی
مرے نیناں کے نیناں کوں دیا نور
مرے ہور اس کے دو دیدے ہوئے چار
(اوراق ۲۹ ب تا ۳۲ ا)

احسان مندی

از گلشن عشق مصنفہ نصرتی

گلشن عشق ہیرو شہزادہ منوہر ایک شہزادی چنپا وتی کو دشمنوں کی قید سے آزاد کر کے اس کے ماں باپ سے لا ملاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کی بے حد مرہون منت ہو جاتی ہے۔ چنپاوتی کی والدہ کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نوجوان محسن اس کے ایک ہمسایہ راجہ کی لڑکی مدمالتی کے عشق میں بے تاب ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ منوہر کے احسان کا بدلہ ادا کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں کہ عاشق اور معشوق کو کسی طرح ملا یا جائے۔ چنانچہ وہ مدمالتی اور اس کی والدہ کو اپنے یہاں بدعوت دیکر بلاتی ہے

چنپاوتی اور اس کی ماں مہمانوں کا دل کھولکر خیر مقدم کرتی ہیں۔ اور جب چنپاوتی مدھ مالتی کی ماں کو اپنے ساتھ گفتگو میں مشغول کرلیتی ہے تو اس کی ماں مدھ مالتی کے یہاں آبیٹھتی ہے۔ جس کو وہ تفریح کی خاطر باغ میں لے نکلتی ہے۔ وہاں دونوں میں جس ڈرامائی انداز کی گفتگو ہوتی ہے اس کے ظاہر کرنے کے لیے ایک حقیقی شاعر کی ضرورت ہے۔ اور نصرتی نے اس میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ ان کا کارنامہ واقعی اردو ادب کا ایک شہ کار کہلایا جا سکتا ہے۔

مدھ مالتی اپنی منہ بولی خالا (یعنے چنپاوتی کی ماں) سے جب چنپاوتی کی واپسی کے متعلق دریافت کرتی ہے تو وہ اس سے کہتی ہے کہ میری لڑکی صرف تیری ہی وجہ سے واپس ملی۔ اور یہ تیرا مجھ پر بے حد احسان ہے اس غیر متوقع جواب سے مدھ مالتی پریشان ہوتی ہے اور بار بار اس معمہ کو حل کرنے کی خالا سے درخواست کرتی ہے۔ چنپاوتی کی ماں کہدیتی ہے کہ تیرے عاشق نے میری لڑکی کی جان بچائی۔ مدھ مالتی مارے شرم کے پانی ہو جاتی ہے اور اپنی خالا کو سخت سست کہنے لگتی ہے۔ جس پر اس کی خالا یقین دلاتی ہے کہ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ تجھے بدنام کروں۔ تجھے چاہیئے کہ مجھ پر اعتماد کرے۔ اور اپنے عاشق سے ملے مدھ مالتی اگرچہ صورت حال سے واقف ہو گئی تھی اور دل سے چاہتی تھی کہ منوہر سے ملے مگر دکھاوے کی خاطر اس نے بہت غصہ کا اظہار شروع کیا۔ اور باغ سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنپاوتی کی ماں نے دیکھا کہ صرف سمجھانے سے کام نہیں نکلتا۔ اس نے فوراً مدھ مالتی کی وہ انگوٹھی دکھائی جو منوہر کے یہاں بطور یادگار رکھی ہوئی تھی۔ انگوٹھی کے دیکھتے ہی مدھ مالتی کے جذبات میں سیلاب پیدا ہوا اور اس نے عالم فراق کی سختیوں کو اپنی واقف راز خالا کے سامنے دل کھول کر بیان کرنا شروع کیا۔ یہیں پر ہمارا انتخاب ختم ہو جاتا ہے۔

اودھر سات تھی ماکے مدھ مالتی
بہوت دن کوں جس وقت بچھڑے ملے
انو کیاں سکیاں چونکہ سو سات تھیں
چلیاں جب وہ رن جھن لٹک ناز سوں
دو لو دہیر بی بیاں جو تھیاں مختصر
دو لو دہیر کیاں خوش سہلیاں تمام

ایدہر ماکے سنگات چنپاوتی
یکس یک لگائے چپل کر گلے
اینو کے کنے بی اسی دھات تھیاں
نہالوں دہرے حال آواز سوں
بزرگی سو بیٹھیا (ں) دو جا صدر پر
کھڑیاں خدمتی دہرا ایس کا مقام

یو چتیا وتی ہو رہ مد مالتی
بٹھیاں ملکے نا فرق دہریک تی

دو لو کیاں سو ماوان ہی یک ٹھار مل
سویاں رنگ اس میں لگا دل سوں دل

خلاصا او دہران ملے خاص تھا
اید ہران منے تازہ اخلاص تھا

اچنبا نہوے کیوں چندر سور کوں
مل یک ٹھار دیکھیا ہے کن نور کون

خوش اخلاص سوں آ دو خالا کے کن
لگی گود میں جیں باتاں کرن

اوے سر تے تس پیٹ لگ ہات تا ادتار
بلا لیکہ قربان جا بار بار

محبت کی باتا (ں) میں لیائی اسے
ایس کے کہے میں پھرائی اسے

لنک، تب کہی جائیں چل سیر تیں
دو سب سن لے قصہ کہوں گی جو میں

جو ہر بات سن دل ترا تازہ ہوئے
اوک عشق کا تجہ میں اندازہ ہوئے

کرے پھول راحت سوں دل باغ باغ
بھلے ہوئے بچھڑنے کے پر سوز داغ

ایس دل کی بسراٹ کوں یاد دے
ہر یک ٹھار انصاف سوں داد دے

چھپی چھند سوں یوں بشارت کری
ایس سات چلنے اشارت کری

او ٹھی واں تھے تس سات کر تیج بات
چلی لیکے چھپ سوں پکڑ ہت میں ہات

سہیلی جو کوئی سات آنے منگی
پھرائی اوسے، ینں لیجانے منگی

گیاں مل کے دو لو یکیلیاں گون
تماشے سوں پھرتیاں چمن در چمن

یکٹ ٹھار خاطر میں لیا یک طرف
بٹھیاں مل کے دو لو اوک دہر شرف

تب ان پا کے فرصت یو کرنے کی بات
لگی بولنے یوں کہ اے دہن سجات

جو بیٹی کا درشن ہوا سو ہمن
یو سب فیض بخشش ہے تیرے چرن

نہ ہوتا تو تج نگ تھے یو فیض اگر
دو کان پھر کے پڑتی ہمارے نظر

ہمن سر ترا یوں ہے ایکار آج
جو ہوئی تجہ انگے بات کرنے کی لاج

یو سن بات مدمالتی دہ عجب
کہی عذر خواہی ہتی کیا سبب

کہ میرے سوالاں کوں دے پیچ و تاب
اجوں لگ بھی دیتی ہے ہور پیچ جواب

مگر بات کا منج میں نیں کر سمجھ   حکایت وو کہنے تج آئی ہے بچ
لگی پھر یو کہنے کوں اے دہن سچی   سچ بات کہتی ہے کے ہوے پکی
کتی[1] ہوں جو یو بات اچھے جھوٹ کر   تو سوگند کھاتی ہوں تج حسن پر

سنی جو وو بدمالتی پھر یو بات   بچاراں سوں تجویز کر لاک دھات
اپس میں اپیں سخت حیران ہو   لگی پوچھنے پھر پریشان ہو
کہ اب چپ نہ رہ توں سمجھا[2] ج بول   کہ مشکل دسے گر نہ دکھلائے کھول
تب اس بات پر دھنکے جا کتی[3] پل   کہی میں تو کرتی ہوں مشکل تو حل
وے پوچھتی ہوں اول تج سوں بات   خدا کے بدل کہ توں سچ سچ سنگات
کہ تج سوں ہمیں جیو سوں ہم راز ہیں   ہور اکثر تو دسریاں سوں کم راز ہیں
ہمیں پر تمن لطف جوں بیش اچھے   ہمیں جیو بھی تم کاج پر پیش اچھے
کو انا تمن خیر اندیش ہمیں   تمن کاج پر جیو سوں ہیں پیش ہیں
یو سب سچ کتی ہوں نکو جان جھوٹ   نہ کیں جائے ہمنا تھے یو بات پھوٹ

سنی اس دلہن نے یو بات جب   اوک تعبیہ سوں برا مان تب
کہی یوں تو اس دھات واجب نہ تھا   بڑے پن کا تیرے مناسب نہ تھا
کہ لے حیلہ منج پر جیب اس دھات سوں   بنے جیو یہ کرنے منگی گھات توں
مج ایسی تجے جانئے بالی اہے   ہور اتنے پہ توں بد خیالی اہے
نکہ پھر توں ایسی بچن آج تے   کہ میں پل میں جیوں دیونگی لاج تے
یو سن بات خالا کہی پھر بچن   کہ اے پاک دامن سجالی سو دھن
او تم پن میں یک دھال حق ہے توں   تخیل جال میں چاند جوتی ہے توں
مگر منج وو تن کر توں جالی اہے   منج اخلاص جھوٹا پچھالی اہے

۱؎ کہتی ۲؎ سمجھ ہی

توں بھی ہے شاید منجے یوں یقین — کلنک لا جو تج مہ کوں ہوؤں عیب چین

کہیں اصل گو ہر سوں نا ہوئے خطا — نکو ہو، سٹوں اصل پن کا وفا

سچی بات کوں چپ نہ کر جھوٹ توں — خدا واسطے منج تھے مت لوٹ توں

یو خالا نے سب بات کہیج میں — اوک آکے مدمالتی بیچ میں

چھپیا اس سوں دل گرچہ راضی ہری — ولی موں پہ کئی اعتراضی دہری

مدمالتی خالہ سے اپنے دل کی حالت کھول کر بیان کرتی ہے ۔

کسے دکھ یو کہنا نہ دیکھی دوا — لگی من میں جل پنج ہو لا دوا

یکٹ نت رہوں غم سے گر سر تلار — نہ کوئی بات لیوے میرے دل کا بار

ٹلے دن تو ہر کیوں سہلیاں کے سات — پڑے بن بجر سل ہو سینے پہ رات

زرینا اگن تن پہ سارے لگیں — گلاں سیج کے سب انگارے لگیں

چندر منج اوپر زہر کا ہوا باغ — دیوے ہر ستارہ میرے دل پہ داغ

اپچھے لس تو دوزخ تھے کالی کٹھن — دسے دن تو روز قیامت کا دن

مرے سر ٹلے یوں کٹھن ماہ و سال — خدا بن کہوں کس سو منج دل کا حال

نہ بولو کہ منج تن پہ ہے پوست جم — کہ جلتے انگارے پہ وہ ہے بھسم

ہوا رنگ منج زعفرانی قرار — سورج ہنس پڑے دیک بے اختیار

جو دیکھوں بھا تو دسے نین میں — جو بولوں بچن تو بسے بین میں

(صفحات ۱۲۹ ب تا ۱۳۵ ب)

کالی دہوپ

از

گلشن عشق مصنفہ نصرتی

نصرتی نے دھوپ کی تیزی اور گرمی کی شدت کا نہایت ہی شاعرانہ سماں پیش کیا ہے۔

نہ کہہ سور بل آگ بادل اٹھا ۔ نہ وو دھوپ یک آتش جل اٹھا
مگر کھینچ دوزخ کی دریا تے نیر ۔ برستا اچھے جگ پہ جلجلاچ نیر
کرن سے[1] سو سب جل کی دھاراں دسیں ۔ ہر یک ذرہ قطرات باران دسیں
زمین تے فلک لگ سب یک دھاسوں ۔ بھری سرد آتش کے برسانت سوں
لگے مارنے جب سراباں کی موج ۔ چلے چو کدھن تپ حرارت کی فوج
ولے اس ابر میں ہے یک طرفہ دھات ۔ لیجاتا ہے پھر نیر کھینچا اپنے سات
نہ ہرتا تو یو نیر عالم تے فرق ۔ تو ہوتی جہاں تپ حرارت میں غرق
گگن کے انگن پر نہ تارے دسین ۔ او تھے جی کے لوگاں سو سارے دسین
نہ کہہ اصل میں کیا یو سیماب ہے ۔ رو یا گل کے تن تے ہوا آب ہے
دیکہت کوہ ہولی نرالی ہوئی ۔ زمین دیکھ حیران دیوالی ہوئی
بھرے لال کھوری دیس آتی ہے یوں ۔ چولیاں[1] میں اگن دہکدھکاتی ہے جیوں
یقین آفتاب آفت آب تھا ۔ تو ہر چاہ پر آفت ناب تھا
رکھیا کہیں نہ تھا روئے گیتی پر آب ۔ مگر تھی ندیاں جوں ہوا پر سراب
عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک ۔ کرے سنگ کا چونہ ماٹی کوں راک
اٹھی گرم کنکری انگاراں تھے تیز ۔ دسے تفت بالو ہو چنگیاں کی ریز

(صفحات ۱۰۱ الف تا ۱۰۲ ب)۔

[1] سے [1] چولہوں

موسم سرما

از علی نامہ مصنفہ نصرتی

گرمی کی طرح سردی کا عالم بھی نصرتی کے ہاں نہایت پر لطف اور اصلی ہے۔ یہ ایک قصیدہ کے تشبیبی اشعار ہیں اور اس حیثیت سے نصرتی کے زور کلام اور بلند خیالی کا بہترین نمونہ ہیں۔

— ۴ —

دی ہے زمستاں نوکری دونگا اچا دھندکار آج ۔۔۔ سردار ہو باد خزاں ٹھنڈ کا رچیا ہے بجار آج
اٹھیا ہوا کا فوج یوں شبنم کی گولیاں چھانٹتا ۔۔۔ ڈر سوں اگن موں چھانپے ڈر رہے ہے طبے ٹھار ٹھار آج
او آگ کوئی مارے تو دم اٹھتی تھی ہو سب تن زبان ۔۔۔ ویسی بی سرکش سرنوا بیلی دِسے سدہار آج
بے شک وطن اس جگ تھے مت جاتی اگن ہو بے نشان ۔۔۔ گر دل میں اپنے عاشقاں دیتے نہ اس کوں ٹھار آج
حوض یک ہوا کا یوں دِسے مشرق تے مغرب لگ بھرا ۔۔۔ کانپے فلک جوں تھرتھرا بیٹھے تو ریت کے لہار آج
شبنم جو اجلا چھاچ سا آ شیر سے جل میں پڑیا ۔۔۔ ہر بائیں ہوئی ہے وہیں منڈی جم نیر سب یکبار آج
جل تیج ہر یک جا بجا بلور کا درپن دِسے ۔۔۔ اے چاند بیگی دیکھ لے ہت بیچ اپس دیدار آج
ہر برگ کوں بارا مارتے پیلے ہوئے ہیں پات سب ۔۔۔ ہر یک نگر باغ جہاں ہے ٹھنڈ سوں بیمار آج
نا سرفرازی پاسکے دولت تے ٹھنڈ کی کونپلی ۔۔۔ نا بیل اپنے گود تے لنبا کرے ہت پھار آج
گلشن کے آئینے اپر پڑتا چلیا سردی سوں زنگ ۔۔۔ ہر خار و خس شبنم سے ہوتا ہے جو ہر دار آج
دیکھے نہ جول جوں ٹھنڈ تے کس یک کلی کوں خندہ رو ۔۔۔ نغمے بسر جا بلبلاں ہر بن میں ہیں بیکار آج
سورج کے چشمے کا رواں آب آتشیں یوں جم رہیا ۔۔۔ کیوں سینکنے بس آوے گا اتنیاں کوں یک انگار آج
ہوں میں تو بے ساماں اوکے شمن تو ہی بھاری ہل ۔۔۔ پائے صلا اس باب کا شہ کا دھروں دربار آج
سلطان عالم بخش او شاہنشہ عادل علی ۔۔۔ ہیں لو جہاں پرور او کی نر دھار کوں آدھار آج
جس مہرباں کے فیض تے تپ نو بہار اس دور میں ۔۔۔ جس کی عنایت سے او کی عالم دِسے گلزار آج
تن زرفشاں کے ہت تے نت پرہن نظر کی گود لیں ۔۔۔ پاتاں سوں پیلا باغ کا دامن ہی جوں زردار آج
سورج جنم کا تن ننگا شہ ہت تے خلعت پائے تو ۔۔۔ کا لشا نہ آ تپ تن اوپر کانپے نہ پھر یکبار آج
میں اس قصیدے میں صنعت کہتا ہوا کی تیں دلے ۔۔۔ بس ٹھنڈ سوں لک میں تے بھٹ نکلی نیک گھتلا آج
اے نصرتی بہتر ہے تج پیلے ہی دل گرمی متین ۔۔۔ کہہ مطلع تازہ سوں پھر وہی شعر شکر بار آج

بادشاہ کی فتح

از

علی نامہ مصنفہ نصرتی

نصرتی دکن کا بہترین قصیدہ گو تھا۔ اس کے قصیدے رفعت تخیل اور کمال اسلوب کے لحاظ سے اردو کے اعلیٰ درجوں کے قصیدہ نگاروں مثلاً سودا اور ذوق کے کلام سے مشابہ ہیں ذیل میں اگرچہ مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے لیکن نمونہ پیش کرنے کے لئے کافی ہے تشبیب گریز اور مدح تینوں نہایت دلچسپ اور اہم ہیں۔

جب سے جھلک دیکھیا اوک سورج تری تروار کا
تب تے لگیا تھر کانپنے ہر پر عرق یکبار کا

کوئی بند جو تیری کھرک کی پانی تے دریا میں پڑے
کھا جوش اوک یک نیر ہوئے تختہ الکھنڈ یک گار کا

کس میں تو طالع کے قوی جم تے اوک جم جم جیے
جس میں تو عالمگیر ہو آیا سکندر سار کا

کوئی مہرۂ سرنج انگے جا نبار نہیں لیجا سکے
جاں رزم کے تختے پو توں ششدر رہند یا کھیل ہار کا

ہر فصل شہ کے وصف کی لکھتا تو ہوتے کئی ورق
پڑتا ہوں سرنامہ بڑی یک فتح کی طومار کا

اب قلم تے اس مضمون کے مطلع نول پیدا کروں
ہر حرف کے معنی تے تا نکلے سورج جھلکار کا

مطلع ثانی

اے شاہ عادل توں علی صاحب ہے سب سنسار کا
کفار بھنجن جگ منجہی نہیں سور کوئی تج سار کا

یک سال او باغی سیوا جگ میں شلطت پیدا کیا
ہے طفل مکتب مکر میں شیطان جس مکار کا

کوئی کھیل اس مکار نے کھیلیا نہ کچ بازی کے بن
گویا فلک کچکول ہے ساد یا اسی عیار کا

مرتا سو دیکھ اس خضر اگر لے دے بچا امرت پلا
وئی جام بھر دے زہر سوں پھیڑے ادھار اپکار کا

تھا یک ملک جو جگ میں سب اوگڑ پنالہ کا بلند
تم نے دہرت لنگر سے ہور اینڈ کوں تھا تب آدہار کا

ہیبت لشکر سوں سورکے دہرتا ہے نت ہمیا گگی
جس کے حشم کا شب نویس اکثر عطارد کا سگا
پوچھے پون پیری میں جا کر گر جوانی میں چڑے
نیں بات کئی لک لک نیں کئی شمار پر پیلے زبان
دامن میں لس ایسا ہر یک پائے گیا ہے برگ رگ
دنیا میں کوئی راج آج لگ اس گڑ کوں نیں لڑ سکیا
جب بات اس مکار کے بھیدوں سے ایسا گڑ چڑیا
گڑ دیکہ کر جانیا کہ گڑ جیو(ں) کا ڑنے آوے ملک
سامان سوں ہر یک جنس کے گڑ پر ذخیرہ یوں بھریا
مطلق تجاوز حد تے کر کے شتر سوں پیش آ چلیا

لڑائی کا سماں

کھڑکاں کھنا کن سوز دہر سوران کے یوں بجنے لگے
کھڑکان کھڑکان لگ اڈک چوندہرتے یوں چنگیاں اڈن یا
گر رزان سوں مہرے بھان یوں کیتے پراگندہ دمن
لاگی تبر کے ضرب سوں تفراخ اجل کے ہات کی
ہر گھٹ میں دل کا دھاک سوں رہتے تھے رکبٹ کی کیچ ہو
مرتیاں کے لہو کے بھرتے دہرتی پو جب بھرتی دہریا
لوٹاں کے مچھلیاں پر ذرے جالے دمن ہر ڈوہ میں
چلکتیاں سراں کیاں تیر تے دستیاں کنول کے پھول سیاں
وڈے بکھرے جا جنگل مہرے سلیمانی دہریا
چو لاگگن کا عکس پر سارا کسنبا ہو رہیا
لہو میں پلنگے جا سب کنکر یاقوت ریزے ہو رہے

مریخ سوں اس کا دہنی دعوی دہرے حقدار کا
جس کا النگی نت دہرے زہرا سوں ناآتا یار کا
اپڑے نہ ددجی عمر لگ تس پر قیاس یک بار کا
گر نا نوں کوئی لینے منگے تس راہ ناہموار کا
آتا ہے واں پھالے بچے سیمرغ دریا پار کا
تر جیک کا دل لے ودجنم کہو تی یکبار کا
ہور یک دنما کا ہو عمل جالے اسی بدکار کا
تو منج طرف دیکھیں نہ یوں ہوں لکے ہنی اسکی ہکا
لی نت پڑیا سو گڑ عجب او جا ہو بھاری بھار کا
شہ لینت تب کرنے منگے پایہ دو ناہنجار کا

زہرا کا زہرہ گل رہیا آواز سن جہلکار کا
جیوں آگ کیاں بجلیاں جیک برسیا بدل انگار کا
گو بھین کے جون لگتے بہت پھٹتا ہے حقا نار کا
جم کی ملہی تے کم نہ تھا دہبکا گرز کی مار کا
ہر رگ کے گل تے تھا عیاں فوارہ لہو کے دہار کا
جتیاں پو تٹ پڑنے لگیا ڈونگر پو ڈونگر لہار کا
تھا گل کے دوڑنے کے نمن تا گا سو ہر زنار کا
بجنہ جھڑیا سو ونڈ تھا ہر تس ونڈل کے سار کا
سنگ یہودی ہو ولاں دامن بھریا کہسار کا
جب لال ممل سب زمین اوڑے جو لک لتبار کا
جوں الکیاں دسنے لگیا رنگین ہو چورا گگار کا

چھلکیاں نہ تھیاں بولکیاں گر یو فتح لکھنے شاہ کا
ہور رہے ہویاں رنڈمنڈ نابود سب کہنڈلاٹ سوں
لشکر کے جم تے کم نہیں شہ کے وزیراں کا سنگ
بھی یو شہ کی فوج تے جس کے وناکیے پیش تے
اس فوج طالع وار کوں دیکھے فلک کے جب ملک
نکلے جدہر شہ باندرخ فی الحال اودہر تے فتح لیا
یلغار شہ کی پیش رو ہنے عقل کی بی دوڑ نے
اینڈیاں جو شہ عادل علی جب مرتضیٰ آباد کوں
صف پر گنہ گاران کی تب قائم قیامت ہو گئی
جو جان اتے سو تیو تیغ وار حیرت سوں سارے دنگ تے
شہ کے غضب کی رت اگن نہیں سرکشی پر آنے لگ
تحقیق سب جانے کہ اب آخر تٹے پر آسماں
یوں الاماں کی ہانک سب چوندہر تے گرد پڑتے اتھی
جب شہ چڑے گھوڑے اپر یوں فتح گڑا لیا کئے
کہنا ہے دہن اس ماں کوں ہے جس کوں ایسا شہ خلف
جس گھر کی نعمت تے جنم پالی گئی ہے سب زمیں
جس دل کوں کر حب الوطن مکتی ہے لسندن رہتی
تس مہر کی نت چھانوں میں پالی ہے آسایش جہاں
جس قولِ ثابت کوں پتیا بسمرغ آوے قاف تے
دنیا کشاکش کر اگر پھاڑے فلک کے دور کوں
سہو ابی تس کی بات میں ناپیر ہوئے ظاہر کدھیں
ہیں گر شجاعت کی فلک ان کا خلف یو سور ہے

پاتال یو بن کے آسمان افشاں کیا جھڑ کار کا
جیتے ہوے صورت نکلے یوچ آپنی دیدار کا
آصف کی صف تے ہے اوک حملہ ہر ایک سردار کا
دہیدار پشتی بان ہے جم جم مدد کرتار کا
یوئے کہ عالم گیر ہوے بیشک یو بہار اتبار کا
آوے اگیں ہونے امیں ہر یہ سے ملک آبار کا
تا ہمانک سک تے وہم یہاں ہوشنہ اپنی تس شمار کا
زیر و زبر جگ کوں کیا آواز اس جھنکار کا
لبسرے کمیں ایک کی مددیش آسب دشوار کا
صورت میں ہر تن یوں دسیا جوں نقش ہے دیوار کا
شہ شور میں دل جا پڑیا ہر مایہ استرار کا
ہرگز تھنبا سکے نکو کی بل ہمت کی دے آدہار کا
عاجز ہو کاری مکہ مکر مٹ دے دہندا ہتیار کا
تب مکہ میں شایاں کے ہوانت دراس گفتار کا
سو او بڑے صاحب ہیں جم پاکر کرم کرتار کا
تو آب دریا میں اثر ہے تس کی کھار کا
ہور گھر کرامت سوں جنم ہے تس زبان میں پیار کا
تس کا کرم تو جگ کوں جم آدہار ہے زردھار کا
رکھوال ہو رہے سگ نمن شہزادی تس دربار کا
سررشتہ پھر ساندے اسے تس عہد کے یک تار کا
گر یاد گذرے دل میں ٹک جس کے سچے اقرار کا
جس تیغ روشن تے چھپیا ل کفر کی زنگار کا

جب اس علی کے ہات تے ہو آئے فتح خیبری
دارالخلافت کی طرف کیتی ہوس رفتار کا

بزم شب کے خوش نقاش لے دائے سفیدی کے بھریا
کاسہ سُنے کے جل تے جب خالی دسیا زنگار کا

ہونے ہیں بس خوش جلوہ گر شہ شہر گشت ات شوق سوں
کرنے ہوس لیا دل منے کسوت کیا زرتار کا

تس میں عجب شہ سورسا نکلیا جھلکتا نور سوں
چندر او پر کالے کلنک نہیں رہ سکیا اندکار کا

چندنا نہ تھا پل شرم تے گل گل کو پڑتا تھا چندر
نا دیک سک سک شعشعہ اس مور کی جھلکار کا

چوندہر بلالان مشعلاں یوں بھر رہیاں سب ٹھار میں
جوں نور بھار آتا ہے چل گلنار و لالہ زار کا

چاروں رخن رنگ رس بھرے ہر بھانت باجے یوں بجیں
قاضی فلک کا حال دھر پر واسٹیا دستار کا

پھولاں کی چھتری سا گگن تاریاں سوں بھر شہ سر اٹھا
نیکھا گلاں کا چاند ہو تھا سایہ بان دیدار کا

ہر ہر قدم چلتے انگیں چندر ہو شہ کے پانوں تل
بھوئیں پر بچھیا تا تھا اپیں اجلا انگٹ جھمکار کا

اس شہ ترنگ کوں دیکھنے نکلیا سو گلشن تے بون
ہر دم کیا تحفہ انگیں خشبوی کی مہکار کا

اے شہسوار اس وقت پر پڑنے شہاباں سوں بھلے
کرتے تھے پس ہر ڈک پہ تج باران گہر اثیار کا

شہ شہر یا پس آئے دھریں لے ہدیہ امرت کی کٹورے
اقبال پیش آیا اپیں بندا جو تھا سرکار کا

چندنا نہ تھا پل چاند اپس کسوت دیا تھا شہر کوں
تا من کوں صافی بخش ہوئے نظارہ بس سنگار کا

جوں شمع کی فانوس تے ہوتی ہے خوبی جلوہ گر
یوں شہر کوں روشن کیا شہ کا درس انوار کا

الحق کہ حق میں جگ کی جو توفیق تج تے آئی ہو
عالم بسر سے نا کدہیں یو شکر تج اپکار کا

تیرے قوی طالع کی اب سوگند ہوئے عالم منے
حقا کہ تج ہر دم مدد ہے حیدر کرار کا

تج حکم مانیا سو اہی مقبول ہو دارین میں
مردود عالم ہے رکھیا جن تج سوں رخ انکار کا

فہم و شجاعت عقل و دل شہ تج خدا بخشش کیا
بخت و جوانی کا اول دے بل اپس کے پیار کا

تیری صنعت سب واقعی بولیا ہوں یو بیجوڑ میں
گنجن کی او ترپست کوں کیا کام ٹن کن کھار کا

گوہر ہنر کا لے بہا تجہ دور میں قیمت دھریا
دولت تے تج تجار ہوے جس لگ ہر اتھ پیلکا

مفلس اتھا پن یو رتن پائیں ہوا تجار میں
توں شاہ عارف مشتری ہے ہر در شہوار کا

گر تج نظر تے یک رتن کچھ بے بہا پاوے تو ہوئے
تاریاں کا خور دمے گگن صراف منج بازار کا

دس پانچ بیت اس بھانت کیے ہیں تو شوق کیا ہوا
معلوم ہوتا شعر اگر کہتے سو اس بسیار کا

سیوٹ ہنرمندی کے فن کہتیں قصیدہ ہوئے عیاں
کرنا ہے تمھارے تھاراد اکیوں لازمہ اشعار کا

استاد عالم کا جو میں شاگرد تھا کمترین
بولیا ہوں لوجیوں تیوں بری میری سکت مقدار کا

کئے مو شگافی کا ہنر منج ہت میں ہو ین لس نہیں
طرہ بناتا چیرادک جیسے بی نازک تار کا

یک حرف کہتیں شہ تج ہوتے ہیں لک معنی سمجھ
اے شاہ عارف اس اپر واقف ہوئے اسرار کا

اے نصرتی مشغول ہو شہ کی دعا کے ورد میں
کافی ہے دو جگ میں تجے نل فیض لس آثار کا

ہے آسماں یارب تلک دھرتی کے سر پر سایہ باں
قایم تلک یو چتر اچھو شہ جگ کے پالن ہار کا

(اوراق ۳۲ ب تا ۴۴ ب)

دکھنیو اور مغلوں کا ایک معرکہ

از

علی نامہ مصنفہ نصرتی

آغاز جنگ سے قبل کے لمحے جس عالم میں گذرتے ہیں ان کا ایک دلچسپ اور صحیح نقشہ پیش کرنے کے بعد لڑائی کے لئے جو یکایک ہل چل شروع ہوگئی۔ اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں مخالفین یعنے مغل فوج کے کردار پر بھی ایک تنقید پیش کردی ہے جو شاعرانہ جوش اور وطنی تعصب سے مملو ہے۔ اس کے بعد ہی لڑائی کا خوفناک سماں دکھایا ہے جو نصرتی کی قادر الکلامی کا ایک اچھا ثبوت ہے۔

اسی رات ارسطوئے دوراں کے یہاں
دکھن کے سب اعیان تھے میہمان

سنوارے تھے کئی انجمن دل نشیں
نشیمن میں ہر روح راحت گزیں

ہر یک نامورے دلیراں کی صف
اتھا یک گمت میں ہو بیٹھ یکطرف

دمی بن گھڑک کچ گمت کوں رواج
نہ بازی کی مذکور جانبازی باج

کہیں سلکے شہ نامہ شہ نامہ خواں
دلیری میں رستم کی کھولیں زباں

کتک لے سفینہ نظامی کا بات
سکندر کی مردی کے بولیں نکات

دلیراں ہر یک بھانت ززمیر سن
شجاعت تے ہوتے چلیں ات دون

پھوگیں یوں تہور سوں مردان کے رنگ
کھولیں ہور زرہ کیاں کڑیاں تن پہ تنگ

جتے شیر شمشیر میاناں سے کاڑ
دکھیں توں ہاتاں سوں دھاراں کی باڑ

دیا شوق یوں سب کوں جلدی تمام
کہ گو آپڑے گا مغل سات کام

تلک یوں کہے آکے جاسوس بھید
جو دہرتا ہے یوں دشمن بد امید

بداندیش کے دل کا جب بھید پائے
سبی شیر مرداں نے غصہ میں آئے

کریں تیغ سوں بیش دستی ہیں
اوتاریں اوتن سر تے مستی ہیں

دلیراں اوٹھے بولتے دین دین
کہے مہالداران کہ ہے زین زین

گھڑی (بھر) میں ہو مستعد بے درنگ
سلح باندسب راوتاں ہور ترنگ

قوی بکتران کولی سو جوشن بندے
کتے چار آئینہ روشن بندے

زرہ و غلہ پشنے کتک جیسل قد
قبایان دکھچیاں تو تھیاں بے عدد

ہوی فوج جوں مستعد جس گھڑی
دمامیاں پہ چوندہر تے لکڑی پڑی

گگن پر ستارے ہوئے حال میں
ہدرتا ہے سیماب جو تھال میں

جتی بھیر و برغم جو بجنے لگے
سو الاک پربت گرجنے لگے

سواراں چلے مست ہو تاؤ میں
رکھے تیز تازی نظر باد میں

دسے فوج دریا نمن ہر طرف
لگیں رست چھتریاں کے موجاں پہ کف

جو چھیے گئی بھار تل سب زمین
وو گرد آ گگن کے طبق میں جمی

کتا ہوں اتا فوج دہلی کی بات
چلی تھی دکن دل پہ کس دھات سات

کہ جس فوج کوں دیکھنے میں سمجھے
دسے ناگئے انتہا ہور او تیچ

ہتیاں کا عرابہ چلے میل میل
نمنا جس میں سرداراصحاب فیل

؎ بجنے

سراسر اگر بھار سارا دسے — تو یک فوجدار اس میں دارا دسے
سبک منصبی ہور بھاری کتے — اچھے کئی صدی ہور ہزاری کتے
یک یک ملک کے نام آور جوان — دو اسپہ سہ اسپہ سپہ بے گمان
مغولان کتے ملک و کئی شہر کے — کتے ہندو کئی ماوراالنہر کے
جغتی قزلباش ازبک بلی — قندہاری کتے بلخی و کابلی
مروت کے مغلس محبت کے شوم — فراست کوں طوطی نحوست میں بوم
فریب ان کے فن میں بڑا بردہے — جنم جن کا ابلیس شاگرد ہے
سمجھے جن میں اصلا مروت کی بوئے — کریں اس سوں بد جیچ نیکاں پہ ہو
بدی باپ سوں اپنی میراث جان — برادر (کا) خون شیر مادر پچھان
دیکھیں کچ ہے جہاں فائدہ آپ کوں — نچھوڑے سگے بھائی ہور باپ کوں
اچھے میرزا میر کشمیر کے — فرایب سپاہی بی چوندھر کے
خراسانیاں اصفہانی کتے — داوندی و وامغانی کتے
کمند از کوئی گرز بازی میں چست — تیر انداز کوئی نیزہ بازان درست
بھوکے ہو کے جھگڑے کوں پھرتے دلیر — لوہے چابنے دل نہوئیں اکے سیر
خلال ان کے دانتاں کا بھالا دسے — گراں گرز مکھ کا نوالا دسے
کتک ذات کے کتے روہیلے اوٹ — زبردست سنجا بیاں دل کے کھوٹ
دلیری کے بن کچ نہ اون میں اوبار — جنم رہ کے شہراں میں اپسے گنوار

....

مغل ہر ہنر میں بڑا کار ساز — لڑائی کے فن پر تو ات حیلہ باز

....

سب اس دھات فوجاں خوش آراستہ — چلیاں تھیاں عروساں ہو نو خواستہ
ہر ایک مرد کا شوق تازہ ہوا — لٹا پیٹ بدل ذوق تازہ ہوا

عجب فوج رنگین دل افروز تھی　　　ولے سخت خونریز جان سوز تھی

جنگ کا سماں۔

غنچیاں کے بیچیاں کوں کھلانے شتاب　　　خوش آنے لگیا موں میں گھرگاں کے آب
کمانان رکھیاں دل کشاکش منین　　　او بلنے لگے تیر ترکش مینن
بھوکیا تیز یوں سخت بھالیاں میں زنگ　　　کہ پھکتا ہے جوں باؤ لیکر بھوجنگ
بھڑکتے ترنگاں ہو آگاں دسے　　　سواران بھوکے رن کے باگان دسے
نکلتے ہیں جوں باگ نخچیر کوں　　　نکل یوں ملرائے دو لوۂ بیروں
رکت بھوئیں پہ پڑ پڑکے پاال ہو　　　لڑنت کا ہنگامہ رہیا لال ہو
ہزاراں ترنگاران نکالک تل بجا　　　زمین کی دہمک تے فلک ہل بجا
زبان لہو کی پیاسی کھرک کے ایار　　　نکل آئی جوں میان کے لب تے بہار
ہریک کہتے آواز سن مار مار　　　کیا جیو لے دشمن کے ہونٹاں میں ٹھار
شرانگیز باناتے شرشور اوٹھیا　　　کڑاکڑ زنبوریاں تے پرزور او ٹھیا
جو یک دم چھوٹی توپ ہر فرد فرد　　　او چایا دہواں باد ہو اک کی گرد
دسے نس میں تردار جھلکی جتی　　　پکڑ گرد میں اڑ رہی ہے جتی
دھواں جس نظر میں جو بیٹھیا دسیا　　　زمین پر فلک آکے بیٹھیا دسیا
کہے دیکھ حیران ہو اہل عرش　　　معلق ہوا پر بندیا کون فرش
مغل کا جو ہادی سیو یا پیش دست　　　انگے لیکے تھا فوج ہاتیاں کی مست
اول اس پہ شرزے کا پنجہ پڑیا　　　سلح پوش دل پر کڑاکڑ گھسڑیا
دلیران کریں نعرہ یوں ہو کے آگ　　　نیستان میں جوں گرجتے ہیں باگ
جھلکنے لگے گرگ بھالیاں میں یوں　　　لگے ہے نیستان کوں آگ جوں
بھو سا ندیاں تے لہو یوں مو نسانہ کی نلے　　　چلیں جوش سوں آہنی جوں نلے
کماناں کی رت جب کشاکش ہوئی　　　ہوا بھر کے تیران سو ترکش ہوئی
چھوٹی صف تے یوں تیر یک مشہ دلیر　　　اوڑے کمیت تے جوں ہزاران تلیر

ہوا لال گیتی پکڑ تیر اوج   کہے تو کہ ٹولاں کی نکلی ہے فوج
لگیا تیر ہر تن پہ جب بائے بال   دسیا لہو او چھلتے فوارے کا جال
دسیا زرہ پوشاں کا تیراں سوں حال   پھوکا یلہے غصے سوں جوں پیچ بال
چھبے پاکھراں پر جو تیراں اپار   ہوا ہر تُرنگ عین عفریت سار
ہتیاں کا ہوا حلقہ یوں سر بسر   مکوڑیاں کے جوں فیل کوں آئے پر
دم تیغ تے یوں او ٹھے شعلہ جاگ   لگے جا کے سورج کے کپڑاں کوں آگ
کریں قیمہ تن کوں تبر لے کمان   کیئے کوفتہ سر کوں گرز گراں
کیاں جب کٹاریاں نے سینیاں کو ریش   دلاں پھاٹ چھوڑے جو خنجر کو پیش
بھرا ہوے سب لہو کے شربت میں مل   مربا رہیا ہو کہ سینیاں میں دل
ہر یک تیر ایک مار ضحاک تھا   کرے مغز خواری تو دل چاک تھا
شتیاشپ جو برچھیاں موٹھیاں تے کھولیا   دیاں کئی سواراں کوں اٹھیاں سولیا
پڑا یار ہو جس گلے آ کمند   نکل بھار دیدے پڑے ہو کہ مند
بگو ہی کس مدد کر سکے تس گھڑی   ہر یک سر پہ آ پیچ اسپین پڑی
کیے مغل سو کوں دکھنیاں نے پانچ   یو پانچو کی غالب ہزاران پہ آنچ
ملیا وار کوں یک پہ یک آکے جو   یکیلا چ آکر بھڑیا ہو کے دو
دم تیغ قایم قیامت کرے   اجل نازل یکبارہ آفت کرے
اجل کا جو جس مرد پر ذوق ہوئے   زرہ کی کڑی موں بمو طوق ہوئے
مغل آئے کر گھر کوں مہمان جان   گئے کر یو تعظیم خاطر نشان
زمین صدر رنگین بنا لے درنگ   کرے یک بہ یک تن کو یوں رنگ برنگ
کتے سے اجل کا ج پی ہو کے مست   ہوئے دنگ سر دھونٹے بیٹھے مست
کریں نقل مستی میں تس با العزور   دسیں مغز بادام ہور طبب انگور
کنگ کھا کے پینے لگے غم کے اشک   اپس سر کے کا سیاں میں بھیجا کے کشک

سورج سخت طوفان کا ایک اوبال — منگیا چڑنے چندر کی کشتی نکال
ہلاوے جو پر زور آنے لگے — تہی نوّل میں ڈملانے لگے
ہوا سب یو ارواح سوں بھر رہے — لون پر اوک مارتے پر رہے

برسونکا کام لمحوں میں

از

علی نامہ مُصنفہ نصرتی

شاعر کا مربی علی عادل شاہ بیجا پور کا نیا نیا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک باغی کی سرکشی کے لئے وہ اپنے ایک سپہ سالار کو روانہ کرتا ہے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ تو خود یکا یک دشمن پر لوٹ پڑتا ہے۔ اور ایک بالکل چھوٹی سی فوج سے ایک ایسے فتنے کو رفع کرتا ہے جو بیحد خطرناک تھا نصرتی کی رزمیہ نگاری کا ایک پرلطف نمونہ ہے۔

سورج ہات لے تیغ آتش فشان — کیا جب رواں ابلق آسمان
لگے دوڑنے سات بادل شتاب — عناصر چلے تس کے ہو ہم رکاب
اسی وقت شاہنشہ صف شکن — کہے گڑھ کی تدبیر میں یوں بچن
لیا آج نا جائے یو گڑھ اگر — تو ہووے گا انگے یوچ فتنے کوں گھر
گیا توڑنا خار بہتر دسے — کہ چھوڑے تو ہو تخت تر خنجر دسے
سکندر ہوں مج فوج اسکندری — دیا کس مجے پنجۂ حیدری
مرن تیغ کوں شیر مردان نے جس — دیکھوں آزما باری یو تیغ وکس
مج او چار کے کام کوں کیا بجا — مری تیغ کوں یہی ہے پہلا شکار
کہے سورج شہ یوں منگا دین ترنگ — چڑے گھوڑی لینے چلے گڑھ اہنگ
کیا مین وزیران کے لشکر یہ میل — خرارہ اپس ہور اپیں خاص خیل
کسے ہوئے سکت جو سکے کر نگاہ — اٹل فوج وو ہور یو سردار شاہ

چلیا د ہم پہ د ہم شاہ جوں ہیلی   پھوٹی ہال انگے باغباں کی پھلی
جھلکنے میں شہ کی شجاعت کی تاب   سو کا شیر کی چک نے چشمے تے آب
جلالت کی جوں تیز لونی دہریا   سورج دیکہ دہشت یکرا تھرتھریا
پکڑتے تھے میدان لڑنے جو تیز   لگے ڈرسوں ڈھنڈنے کوں راہ گریز
کیا سالہا کا گھڑی یک میں کام   سٹیا کھود فتنے کا پایہ تمام
ادک پایہ مردی سوں یو شیر مرد   اوڑایا کھندل کر غنیماں کی گرد

(صفحات ۳۱۱ ا تا ۳۲ ا)

نماز ٹٹنے کا بیان

از

شریعت نامہ مصنفہ شاہ ملک

یہ نظم ادبی نہیں۔ لیکن اس لئے شامل کرلی گئی ہے کہ اس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ دو سو سال پہلے اردو میں خشک موضوعوں پر بھی کس سادگی کے ساتھ نظمیں لکھی جاتی تھیں۔

نماز کے ٹٹنے کے ہیں بیست و پنج   نمازی نے کرنا ہے یو یاد گنج
نماز میں کرے بات یا کھائے توں   پھراوے جو قبلے تے سینا و موں
بھی کرنا سلام یا توں اُس جواب   دِئے تو بی ٹٹتا ہے سن اے شہاب
نماز میں پکارے دیا آہ کہے   ٹٹیگا اگر ادہ ہور داہ کے
بھی ٹٹتا درد کے رونے منے   کرے گا عمل یک کثیرا جنے
کھنکارے اگر بے عذر کوئی یار   تو جائے گا نماز اس تے سن اے ہشیار
پڑھے گا غلط کوئی قران کوں   بھی ٹٹنا پھرے دیک فرقان کوں
طلب بھی کرے یوں خدا تے جنے   جو کرتے طلب جوں کہ ادمیاں منے
بھی دینا جواب چھینک کا در نماز   ہنسیگا جو قہقہ ستے یا اواز
ٹٹیگا فرض ترک کرنے منے   نجس پر بی سجدہ کرے گا جنے

امام مقتدی غیر بھی لیوے بول
تیتے گا بی اس تے کتا ہوں سکول
بھی بولے خطا اپنی غیر از امام
نماز ہووے فاسد بی اس کا تمام
بھی اچھنا برابر مرد زن اگر
موافق ردا تحریمہ یک دگر
زمین تے اجا وے تو سجدے میں
بھی تنتا اگر ہر دو یاوان کنے
بھی صاحب ترتیب اچھیگا جو کوں
وقت بی نماز کا اسے تنگ ہوئے
تیتے گا نماز اس تے سن نیک رائے
نماز میں قضا گر اسے یاد آئے
امام تے اگین مقتدا ہوے کھڑا
تیتے گا سوجا نو نفنا تا پڑا
خبر نیک بد یا عجائب جو کوئی
اگر چہ بقران حدیث سیتے ہوئے
نماز میں جو اس کا دیوے جاب گر
تو جائیگا نماز اس تے سن کان دہر

(اوراق ۱۴۳-۱۴۶)

سوال و جواب

از

بہرام و گل اندام مصنفہ طبعی

ان دو نظموں کی خصوصیت یہ ہے کہ غزل کی شکل میں شاعر نے دو مسلسل مضمونوں کو ادا کیا ہے اس قسم کے غزلوں کی اردو میں قابل افسوس کمی ہے۔

بہرام کا سوال

غزل

ہوا مجنوں بردستے سدہ گنوا میں
اتھا دانا سو دیوانا ہوا میں
تجے دل میں چھپایا ہوں اپس کے
خرابے میں لگایا ہوں دیوا میں

اچایاں ہوں تمہے غم کے پہاڑاں
صنم تیرے بدل ہو کر برہمن
منجے کیا دیکھتی از مان گل اندام

عجب ہے نین سنیا پھنکر ہوا میں
گلے میں اپنے بھایا جالنوا میں
پیانا ہوں نہیں عاشق نوا میں

(صفحہ ۵۹)

گل اندام کا جواب

غزل تجھے حاصل نہیں ہے مجہ تے بن غم
تیرا دل ہو گیا پھوڑا دو دکھوں تے
مرا پانچل پو سر تیرا نہ اینڑے
کدہاں لک غم توں کھا نگا بول بار
نپا گا اس چمن میں تے توں میو

نکو کر غم میں اپنا پا لو محکم
نہیں اس زخم کا شیخ پاس مرہم
کرے کھن کی نمن گر تو تکر غم
منجے توں چھوڑ دے آج بھوت خورم
ہوا کو تہ سخن واللہ اعلم

(صفحہ ۶۰)

حُبِّ وطن

از بہرام و گل اندام مصنفہ طبعی

طبعی کے یہ تین چھوٹے چھوٹے پارے اخلاقی شاعری میں ایک اچھی جگہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جکوئی یاد کرتا نہیں اپنا وطن۔
اگر کوئی غربت میں شاہی کرے
اپس کوں دیکھے کھول کر جوں آنکھیاں
وطن سب کوں دنیا میں پیارا اہے

او مرد اہے پیرن ہے اصل کا کفن
اگر مال ہور ملک لا کھاں دہرے
دیوے خاک تن کا وطن کا نشان
سفرییہ سو جوں باد باران اہے

(صفحہ ۶۳)

مقابلِ دوستی

نکو دے (توں) مجلس میں ناکس کوں راہ | کہ سہل آدمی تے خدا تے پناہ
نکمے آدمی تے توں ہرگز نہ مِل | نہ ہنس ہر کسی دیکھ کر کھِل کھِل
ہمیشہ توں اچ عاقلاں کے حضور | یو صحبت ستے جاہلاں کے ہو دور
توں مجلس تے نادان کوں دور کر | گھر اپنا بزرگاں تے معمور کر
ہمیشہ ہنرمندیوں یار ہو | توں صورت تے جاہل کی بیزار ہو

(صفحہ ورق ۴۴)

غور و مشورہ

توں اندیشہ ہر کام میں بہوت کر | کہ اندیشہ ہے بہوت عالی گہر
نکر کام ہرگز توں اندیشہ باج | کہ اندیشہ ہے کام کے سر پو تاج
کر اندیشہ ہر کام میں بے حساب | کہ اندیشہ بن کام ہوتا خراب
ہمیشہ توں مل بیٹھ عاقل ستے | توں اندیشہ کر مرد کامل ستے
نہ کر کوئی اندیشے بغیر کام کچ | یہ اندیشہ کرتا اہے کام ایچ

(ورق (۴۲) ب)

سوال و جواب

از دیوان عبداللہ قطب شاہ

عبداللہ قطب شاہ کی شاعری محمد قلی کی شاعری کے نہ تو ہم پلہ معلوم ہوتی ہے اور نہ اس کی طرز پر کی گئی ہے زمانہ کے فرق کی وجہ سے ان کے خصوصیات میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا ۔ اگرچہ لفظی شان و شکوہ اور زبان کی سلاست عبداللہ کے یہاں ضرور قابل ذکر ہیں لیکن خیالات کی بلندی اور اسلوب کی گھلاوٹ صرف محمد قلی ہی کا حصہ تھا ۔ ذیل کی تینوں نظمیں عبداللہ کی قوت شاعری کا بہترین مظہر ہیں ۔



سلطان عبداللہ قطب شاہ

سوال و جواب

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانا   گفتا کہ راست گفتی اے گھن بھرے سجانا
گفتم کہ در جہاں یا لیلیٰ ہو آئی ہر توں   گفتا کہ من چو مجنوں پائی ہوں تجہ دوانا
گفتم کہ خال و زلف کیا ہے سو بول منج کوں   گفتا کہ زلف راحت ہور خال سو ہے دانا
گفتم کہ در ہوایت پھرتا ہوں ذرہ ہو میں   گفتا کہ در دل توں کی ہوں ازل تھے خانا
گفتم کہ خانۂ تو کاں ہے نشان دے منج   گفتا کہ ذرہ پرور سورج ہوں میں توانا
گفتم کہ در دہانت امرت کا ہے چشمہ   گفتا کہ خضر ہو توں اس چشمے پاس دھانا
گفتم کہ کیست ایں جا تیرا پران پیارا   گفتا کہ شاہ عبد اللہ ہے ترا پرانا

(صفحہ ۷۸۲)

(۲)

عشرت محل

بول دل کشا عشرت محل مطبوع او تارا ہوا   جو تی زمین کی پیٹ جیوں مشتری مارا ہوا
ہر طاق یاں خوش طرح کا دستار پچا فرج کا   عاجز ہوا اس کی شرح کا حیران سینا را ہوا
انکھیاں سوں چندر سور کے دیکھ آسماناں دور کے   عاشق ہیں اس کے نور کے کیا خوب لیجے ٹھارا ہوا
دیویں صفا دیوار سو لک نقش ٹھارے ٹھار سو   خوش بان یاں عطار سو فردوس کا ہارا ہوا
نازک اچھنبا بے بدل لکھیں بھر یا ایسا محل   باندیا نہ کوئی آخر اول جمشید یا دارا ہوا
جیوں پھول تازا ین منے جیوں پوتلی لوچن منے   تیوں آج اس دکھن منے یو محل اتم سارا ہوا
صدقے نبی کے پاماں اس محل میانے ہر زماں   جم عبد اللہ شہ تر کماں بھوگی گمنہارا ہوا

(صفحہ ۷۸۲)

(۳)

انتخاب یار

اے پری پیکر ترا کمہ آفتاب   دیکھتا ہوں تو رہے نا منج میں تاب
یاد ایسا تا و دکھاتا ہے ہنوز   دیکھ تیری زلف کا و پیچ و تاب

میں تجے بلقیس کوں تو کیا عجب
ساج ہے بلقیس کا تج کوں خطاب
قند ہو نا بات گلتا ہے اچھوں
دے نہ سک ترے مٹھے لب کا جواب
تجہ بہشتی حور کوں دیکھا ہے جن
جم حرام اس پہ ہے دوزخ کا عذب
شاہ عبد اللہ نبی صدقے تجے
خوب رویاں میں کیا ہے انتخاب

(صفحہ ۲۸۲)

سخن

از

قصہ ابو شحمہ مصنفہ امین

شاعری کی فضیلت اور اس کے مادی فائدے ان چند شعروں میں نہایت خوبی کے بیان کیے گئے ہیں۔

دنیاں میں بزرگی سخن کوں اہے
سخن تے بزرگی بشر کوں اہے
سخن نے ہوئے اد بد نافل بشر
سخن جس میں ہے سوا و کامل بشر
سخن کا سبھو ن میں بڑا اعتبار
سخن تیج دنیا اہے برقرار
دلاتا ہے سب کوں سخن دو لتاں
پنا تا ہے سب کوں سخن کسوتاں
سخن خوب ہے سب جواہر ستے
سخن کے جواہر اہے سب کتے

روح افزا اور پیام یار

از

رضوان شاہ و روح افزا مصنفہ فائز

روح افزا اور شاہزادہ رضوان شاہ پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اور اس کی محبت دل میں طرح طرح کے شبہ پیدا کر دیتی ہے۔ اسے یقین نہیں آتا کہ رضوان شاہ بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک پیامبر کو روح افزا کے پیان بھیجتا ہے تو وہ اپنے درد دل کو بے اختیار بیان کرنے لگتی ہے۔ یہ شہ پارہ جذبات کی ترجمانی میں پرحسن کے اس شہ پارے کی نکر کا ہے جس میں بدر منیر کی حالت پیش کی گئی ہے۔

وے شاہ کا دیکھ دیدار میں — پلک زد منے ہوی گرفتار میں
مرے دل منے سوز پیدا ہوا — دردِ عشق کا دیں ہویدا ہوا
ہوا باو بارا مرا جیو سب — مرے دل میں بھوکلاٹ بیٹھا عجب
میں باتاں منے گڑبڑانے لگی — مری جیب بھی لٹ پٹانے لگی
مرے موں پو کی لالی شابی گئی — مری بھوک بھو تیج شتابی گئی
کیتیک دن کوں اکلا ہوا مجہ او چاٹ — کیا یہ دل کوں مرے چار باٹ
اگر سچ کہوں اب بھی بےسدہ ہوں میں — مجھے اپنے گھر میں بھی آرام نیں
میری نین کوں نیند ہوی ہے حرام — بغیر شاہ کا یاد نیں مجہ کوں کام
نہ کس سوں یو گفتار کہنے سکوں — نہ یو دو کہ اپس دل میں سہنے سکوں
نہ اس درد میں کوئی سنگاتی مجھے — نہ کس کی رفاقت بھی بھاتی مجھے
ولے جو بھی کرتی تھی میں یو تلاش — کہ جگ میں نہ ہووے مرا راز فاش
اوپر خوش ہوں یکتی ہوں باطن میں نیں — بہوت دوکہہ دیکھی اس نھنے سن میں میں
مجے وقت گنتا نہیں ایک ٹھار — پکڑتا نہیں ٹک مرا دل قرار
دیکھیا نین ہے اجنوں مرا روپ دو — سمجھتا نہیں مجہ کوں اپروپ دو
اگر خوب دیکھے مرا حسن دو — تو پکڑے جنگل پہاڑ مجنوں ہر
اگر ٹک دکھاوں مرے سور کوں — تو باطل کروں سور کے نور کوں
پھرے چاند ہرنس مرے آس پاس — کرے نور مکہ سوں مرے اقتباس
وجاہت منے مجہ کوں جوڑا نہیں — مرا حسن دنیا میں تھوڑا نہیں
ولے جب جو دیکھی ہوں شہ کا جمال — مرا حسن بسری ہوں من مجہ میں حال
بغیر وصل دل نا پکڑسے قرار — کری نین ہوں یو بات کیں آشکار
تجے جان محرم کہی ہوں یو راز — قصہ بول شہ کا توں نا آکو باز
کہ وہ شاہ فرزند ہے کس شاہ کا — وو شہ جان ہے نور کس ماہ کا
اوسے عشق پنجا کہ یا نین ہنوز — وو بیدرد ہے یا کہ ہے دل میں سوز

اسے کون محرم ہے اس بات کا
ارادا ہے اس دل میں کس دھات کا

ترے شاہزادے کی سوں ہے تجھے
کر ہے تیوں یوسف بولنا ہی مجھے

یوسنکر بوڈی ہو اول سوں خوشحال
کہی سن کہ ہے تیو سچ کہتی ہوں حال

وہ شہ زادہ ہے نانو رضوان شاہ
اوسے بی نہایت ملک ہور سپاہ

بلائی ہوں دو داس کوں تجھ پن منے
دو پائے گیا میرے دامن منے

اوسے باپ لاڑاں سوں پالا بہوت
درد ہور دکھ میں سنبھالا بہوت

وہ سمجھا کہ لادوں تجھے صید میں
پڑیا دو وچ آخر تری قید میں

آتا بھی کہتا دیکھ کر ہر کسی
- - - - - - - - - - - - - - - -

جو کچھ عاشقی میں ہے محنت کروں
لگاؤں دل اس سوں محبت کروں

کروں عشق بازی جوانی منے
یہی نفع ہے زندگانی منے

علم عاشقی کا اوچاؤں بلند
کروں آپنے دل کوں یک ٹھار بند

نکیں کا ہوا ہوں گرفتار میں
اکیس کاچ ہو کر اچھوں یار میں

حکایات مجنوں کی تازہ کروں
یو دیوانگی بے اندازہ کروں

ہوں خسرو محبت کی آئین کا
دیکھاؤں ہیکا عشق شیرین کا

پرت کی بدیع سوں کروں یوں سلوک
جو بسرے اپس دوکھ کوں سیف الملوک

کروں عشق میں اس وضع زندگی
کہ عشاق کوں ہوے شرمندگی

مری عاشقی کی روایت کہیں
مرے بعد میری حکایت کہیں

دوہی رات دن بیچ من میں بسے
اوسی غم سوں دل کھول کرنا ہنسے

برس سوں دیوانا ہے اس بات کا
نہیں آرام ہے اس کوں یک سات کا

اوسی خیال میں دیس گذرانتا
اچھوں دو ترا نانو نیں جانتا

ایکس کوں تیانا بھی یوں خوب نیں
نہیں مہر جس میں سو محبوب نیں

آتا رحم کرشہ کی جوانی اوپر
جفا بس ہے ، آ مہربانی اوپر

(اوراق ١٧ا تا ٢٠ا)

کمپنی بہادر کا آئین [illegible]

[illegible]

[illegible]

بات چیت

از

رضوان شاہ و روح افزا مصنفہ فائزؔ

اس چھوٹی سی نظم میں اس حقیقت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ طریقۂ گفتگو ہی کسی آدمی کا رعب قایم کرنے یا اثر بنانے کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔ اور یہ کہ آدمی بات چیت ہی سے جانچا جاتا ہے۔

سمجھ آدمی کا دسے بات میں — پڑے عیب سب بھار اسی سات میں
زباں سوں صدارت اچھے گیان کا — زبان سوں ہے تصدیق ایمان کا
زبان سوں اچھے دوستی دشمنی — زبان سوں ہی خاتم زباں سوہی لاڑ
زبان سون فصاحت ہے ہور شاعری — زباں سوں کرامت ہے ہور ساحری
بڑی بست ہے آدمی میں زباں — کہ سارا ہنر عیب کرتی عیاں
بندے علم منطق میں لوگاں کتاب — کہ بولیں سمجھ سوں سوال و جواب
سمجھ بات کرنا بھی آسان نیں — سمجھ گیان نیں جس میں انسان نیں

(ورق (۲۷) الف)

ایک خط

از

ظفر نامہ مصنفہ لطیف

ماہیار کا خط عمر علی کے نام جب کہ اول الذکر قید ہو گیا تھا اپنی مجبوری کا ذکر اپنے آقا سے کرتا ہے

مضمونِ نامہ

سیادت پناہ صاحب و قبلہ گاہ — مددگار تمنا اچھوں نت الا
کہ معنی نماند تمن پر یو راز — کتا ہوں سنو سر بسر کھول باز
ازیں جانب اے فدوی ماہیار — دعائے فراوان اکل استوار

کہ میں وہ محب ہوں تمارا سدا — یوں بولیا ستا یزید تیں اپندا
محمدؐ حنیفہ نہ تنہا اہے — ہنوز ان کی کے بھائی پنہا اہے
علی کے سپوتاں سو خونخوار ہیں — انن دل سے ان کے سکل یار ہیں
یو سب متفق ہوے کر ایک ٹھار — تج آخر سو ماریں گے کر خوار وزار

یو سن کر صلابت دلرزیا اٹھا — گیا تھا لے ہیبتی یوں بتا
کروں کیا کہ دنیا بدل ہوا اسیر — یو مردود کن ہو رہیا ہوں وزیر
ولیکن محب دین و ایمان تے — شریک ہوں تمارا دل و جان تے
کہ فی الجملہ کر بولیا ہوں بیان — تمن پر سو مخفی ہووے یتوں عیاں
یو مطلب سوا ئناچ تھا جان لیو — سو کر مشورت سیتے پچھان لیو
لکھیا ہوں کر اظہار مخفی کلام — زیادہ یہ کیا لیکھنا والسلام

(ورق ۹۵ب ۹۶ا)

شعری نتیجے

از

پدماوت مصنفہ غلام علی

غلام علی نے اپنی مثنوی میں ایک طرح کی جدت سے کام لیا ہے ۔ وہ ہر بیان کے آخر میں اس کا ایک اخلاقی نتیجہ نکالتا ہے ۔ جو اردو کی اخلاقی شاعری کا ایک اچھا جزو قرار پا سکتا ہے مثلاً حسب ذیل انتخابوں میں قسمت، دنیا کی بیوفائی اور نیکی وغیرہ کے متعلق اچھے اشعار پیش کیے گئے ہیں ۔

غلام علی جس کے تیں ہے حیات — جسے حق کی توفیق سوں کوئی دھات
اگر جاوے گا باگ کوں دھیٹ کر — کھڑا موں پھرا اس طرف پیٹ کر

پڑے جا اگر آگ میں ناگہاں — ہووے او اگن اس اوپر گلستان

(۵۷)

غلام علی بن دنیاں میں وفا — کدہیں ہے خوشی ہور کدہیں ہے جفا
کہ جوں کاند کا ہے چو نا زندگی — تو ہرگز نہیں کس کوں پاینّدگی
دنیا کا لیوے کام کوئی سراوپر — پھرے او کتے کے نمن ور بدر
دو دن کا سو جینا نکر پائمال — توں ست حرص کوں جو رہے خوشحال

(۷۰)

غلام علی کہہ بھلا ہر کسے — برا کہنے سوں جگ میں دشمن وسے
بھلائی ستے توں بھلا پائے گا — برائی سوں سر پر بلا لیائے گا
ہووے کوئی براتوں بھلائی نچھوڑ — برا بول کس کوں اپس موں نہ توڑ

(۶۰)

غلام علی جس سوں دل لائیے — بچھڑنے سوں بہتر جو جیو جائیے
سکتے خون دل سوں سو دل لاؤنا — تو یک تل منے توڑ کر جاؤ نا
جفا ور کے جلنے سے دکھ پائیے — تو انسان خاطر نہ غم کھائیے

(۵۵)

حالِ دل

از کلیات میر جعفر علی زٹلی

میر جعفر علی کو بالعموم ایک ہزل گو شاعر تصور کیا جاتا ہے ۔ اس کی حسب ذیل نظم ظاہر کرتی ہے کہ سنجیدہ مضمونوں پر بھی وہ قادر الکلامی سے لکھ سکتا تھا ۔ اس نظم میں جو عجز و انکساری اور انسانی فطرت کی حقیقی جھلکیں نظر آتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ایک شاعر مجبوریوں کی بنا پر ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیتا ہے ۔

دریغا از چہل بگذشت سالم — بجا باشد ازیں غم گر بنالم
کرے اب ڈھول راجا لے چڑھائی — سٹی (؟) اب سیام ٹھاکر کی دہائی
ہوا جوبن نگر جب سب لنڈورا — پھرا جب ڈھول راجا کا ڈھنڈورا
ارے من باورے اب سونا کیا — رسیلے نینواں) بن دن کھوناں کیا
بوڑھاپا آگیا جوبن گیا بھاگ — اندھیری .. میں لکن لگے ناگ
ارے جعفر نکر اب سوچ آتنا — محمد کے قدم سے لا و چیتا
محمد یار اوتارن ہار سب کا — محمد سرور سالار سب کا
محی الدینؒ صاحب پیر میرا — ملا دیں اب محمدؐ سے ۔ سویرا
خدا سین رات دن بہت سین بتا کر — محمدؐ یا علیؑ ہت سین جپا کر
نہ تو رہے گی نہ یہ پنجرا رہے گا — بولا کر لال تجھ سے کیا کہے گا
جو پوچھے بات تجھ کوں لال پیارا — کہ پنجرے بیچ تیں کیا کیا سنوارا
چہ خواہی گفت اے طوطی جوابش — بکن امروز فکر دین خطابش
دریغ اے طوطی روحانی من — کہ گہ در پنجرہ جسمانی تن
نگفتی یک سخن از راہ وحدت — نماندی یک نفس با دشاہ وحدت
زبان بر ہزل گوئی کشودی — دریغ اوقات خود ضایع نمودی
بآب و دانہ مشغولی دریغا — برنگ خانہ مشغولی دریغا

بآب و دانہ تو مت بھول طوطی — بخوش الحان تو مت بھول طوطی
نہ ایں الحان (و) آب و دانہ ماند — نہ ایں خانہ نہ صاحب خانہ ماند
نمیدانی کہ یہ پنجرہ جتن کا — کشند آخر بہ برحلہ کفن کا
کہے سب کی رہے کا تہاک میں جا (؟) — نجانوں تو کہاں اڑ جائے گی ہائے
اری طوطی کہوں میں بات کس کی — لگی کہنے برہ بیرنگ سسکی (؟)
تجے جب آپکڑے بلی دبوچے — پکڑ کر گردن پر اور مانس نوچے
تجے تب کون اے طوطی چھڑاوے — پکڑ بلی کے پنجے سے بچاوے
بھیانی رات تجہ کو سو دلی ہے — بھیا ناں دن تجے دکھ رووتی ہے
پیارے لال سے قیہا نہ جوڑا — ہوا اور حرص سے ٹک مکہ نہ موڑا
سجن سے آج توں رلیاں منالے — رنگیلے سیج پر کلیاں بچھالے
وگرنہ کیا بھروسہ اس پون کا — یکایک آئے پہنچا دن مرن کا
نمی والنے کے تب سوچے نفع کیا — پلک دو چار کے دم کو وفا کیا
اندھیری گور میں دیا نہ باتی — یکایک چل بسے سنکھی سنگھاتی
کہتا سوچ یہ من میں بہا ہے — کہ مجہ کو سوتے دن ڈھل گیا ہے
پڑی ہے دور منزل وقت تھوڑا — نہ توشہ راہ کا اور لنگ گھوڑا
بیا جعفر توکل پر قدم رکھ — خدا کی یاد دل میں دم بدم رکھ

مدح اورنگ زیب

از

کلیات میر جعفر علی زٹلی

اورنگ زیب کے ہمعصر شعرا نے جو اس کی مدح کی ہے اس میں یہ نظم اس لئے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کا نتیجۂ قلم ہے۔ جو بہت کم کسی کی مدح کرتا تھا۔ ذیل کی نظموں میں جعفر نے واقعاً پر ایک خاص نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

زہے دھاک اورنگ شاہ ولی   در اقلیم دکھن پڑی کھل بلی
دریں پیر سال وضعیت بدن   مچائی دھما چوکڑی در دکھن
برآورد عسکر بسا دھوم دھام   کہل چل پڑی بر سر روم و شام
زہے شاہ شاہان کہ گاہ وغلے   نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد ز جائے
ہما سور چو دھابلی بے بدل   چو البرز قایم چو پربت اٹل
کمر بستہ ہشیار میدان پر   شب و روز طیار گھمسان پر
بڑے ڈنڈ والے دکن بیچ آئے   سکندر حسن کوں کیا ر تیچ آئے

۲

مرثیہ اورنگ زیب

بنال اے عندلیب گلشن ہوش   بکن الحان خود از غم فراموش
اکل سب کل ہوا سنسار سارا   بخوں طیار شد مریخ تارا
کہاں اب پاوے ایسا شہنشاہ   مکمل اکمل و کامل دل آگاہ
رکت کی انجھوں جگ روتا ہی   نہ میٹھی نیند کوئی سوتا ہے
صدائے توپ و بندوق است ہر سو   چھٹا چھٹ و پھٹا پھٹ است ہر سو
بہر سو مار مار و دھاڑ دھاڑ است   اچھل چال و تر خنجر گذار است

۳

ہجو مرزا خدا یار

کروں اب خبر شہر بازار کوں   لگے آہ میری خدا یار کوں
خدا یار پر صبح میرا پڑا   کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
تڑا تڑ تڑا تڑ لگی لاگنے   ٹک چال مرزا لگے بھاگنے
مصاحب نہ کیجئے کفن چور کوں   کہ پھوڑے پدر پیر کی گور کوں
مجہ اوپر جو کوئی شفقت رکھے   جگت بیچ اس کی خدا پت رکھے

ریختی

از

دیوان ہاشمی

دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ ریختی کی ابتدا شمال ہی میں کی گئی۔ ہاشمی کی ریختی اگرچہ اس نوع کی شاعری کی ابتدائی کوششوں سے ہے لیکن اسقدر اعلی درجہ کی ہے کہ کوئی اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی زبان محفوظ کر لی گئی ہے۔ آخری غزل شاید نسائی فطرت کی بہترین ترجمان ہے۔

بہوت روزوں سوں جیا میرا ملنے دھن کس کنارے میں
کہا کیا چھٹ لگالے کی پوری ہر جیٹ تمہارے میں

بہ چنچل توں ہات پکڑی سو ہوئے ہیں بخت مجھ غالب
عجب جھلکاٹ دستا ہے میرے جس کے سنگار میں

او جس دن گول کنڈی میں گئی ہو یاد ہیں باتاں
ہیں تم مل کو بیٹھے تھے سکی جس دن دولارے میں

او بار اگھر میں ہوتا اگر پلنگ لیا لمبار لیانا سو
انگن سے تب ہلوں آکر بتیں جب سو بارے میں

اے ددن دل برا کر توں یو اجڑیا چاندنی چند تا
کہ میں تحقیق آتی ہوں تجھے ملنے اندھارے میں

سکیاں پھر کہی ستے گیاں ہور کہی گیاں ہاشمی مجکوں
کہ اداے شوخ کیسی خون رکھی ہو جیو نظارے میں

لاس کوں جا سہیلی میرا سلام بولو
یو عرض ہے ہمارا دل کا تمام بولو

پیچان اے سنگاتی تجھ تے بچھڑ رہی ہوں
ان پانی سب تجی ہوں سونا حرام بولو

فاقہ درس کا پیارے نینوں اوپر پڑیا ہو
بھوکیاں کوں دے صوابی درس طعام بولو

مجھ تن نگر کوں قابض برہے ملنے آگیا ہے
پھرتی ہوں جوں مسافر نئیں مجھ مقام بولو

پیدن زباں میں میری جاگا کیا ہے آکر
شہد و شکر سوں میٹھا تیرا ج نام بولو

پھرتا سو آس نیں بوجھ موں جہ دیکھ بچھڑا
ہو ہیران غم سوں روتا ج شام بولو

عرفان کیاں کتاباں پڑنا تھی ہوں تیرے تے
جب تے لگی ہوں پڑنے تیرا کلام بولو

کیسی پرت پیارے سی دن چھپا رکھی ہوں
کہتی ہوں دل رہے نا اب خاص عام بولو

ان سوں کرو وفائی اب بیوفا کوا!! لائق نہیں تمہارا یو کون کام بولو

سچ بول ہاشمی توں عارف سمجھ کو پوچھے
لالن کہ ان ملیں گے سو مجھ ہنگام بولو

مجھے پکڑے ہیں کی چھوڑ وا او دیکھو ہانک مارونگی
خدا کی سوں میں منتی ہوں پڑی یو کو یو کارونگی

جنے جھوٹ موٹ باتاں کر بولا کر لیائے ہیں تمنا
میری بیزار پرتے لے سواس کسنی کوں وارونگی

اسے کسنی میں تو سمجھی منجھے کئی آڈ واری میں
کنگھی کرتی ہوں چوٹی بھا پنا بستان سنوارونگی

اولے ہنگے تو میں یوں کئی آیا تو ناچ طلسوں میں
صباح ملکر سہیلیاں کن یو باتاں سب بچارونگی

تماشا ہوئے ہانک مارے پراتسا اوس تجھ چپ ہتی ہوں
صباح کسنی کا سر مونڈ کر میرا یو دند سارونگی

او جڑ گئے کیا ظلم کرتا پڑوسی کوئی دیکھیں گے
منجھے ٹک چھوڑ دے بارے جو پردا جا اوتارونگی

نکل جا ہاشمی توں تو خدا ستار ہے میرا
اگرچہ کوئی دیکھیں تو میں سوگند کھا چپارونگی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھونگی
بہانا کرکے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی

اونو یہاں آ دیکھیں گے تو کہوں گی کام کرتی ہوں
اٹھلتی ہو مٹھلتی چپ گھڑی دو چار بیٹھوں گی

نزیک میں ان کے جانے کو خوشی سوں شاد ہو دل میں
ولے لوگاں میں دیکھلانے کوں ہو بیزار بیٹھوں گی

پکڑ کر ہات پردے میں لیجاویں گے تو میں کونگی
گھونگٹ میں کہ چھپا کر یک میں ترکا مار بیٹھوں گی

بلایا جیو کالے جیو میں پڑونگی یا نوں دلسوں میں
ولے ظاہر میں دیکھلانے کوں ہو اغیار بیٹھوں گی

کرونگی ظاہر چپ میں غصہ ہو زبان ہٹ لیکن
سیر سجن پرتے جیوا پنا یہ جیو میں وار بیٹھوں گی

سولا دیں گے تو نا سو سوا دھونگی وانتے یوں کہہ کر
بہ جیو خون وا خوشی میری میں ہو ہوشیار بیٹھوں گی

کنے کوں چپ کتی ہوں میں ولے میں دل میں گھٹ کی ہوں
نزیک ہو ہاشمی سوں ملکو آلوں بہار بیٹھوں گی

ایک جانور کا ایفاۓ عہد

از

ہدایت ہندی مصنفہ ضعیفی

یہ ایک عام اور مشہور قصہ ہے۔ ایک جانور کا آنحضرت کی خاطر قید میں واپس ہونا۔ عمدگی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ مخطوطہ کی خرابی کی وجہ سے اس نظم کے بعض لفظ سمجھ میں نہیں آتے تاہم مطلب صاف ہے۔

بہی ایک روز پیغمبر راہ پر　　گئے تھے جو اطراف کمن گذر
سو دیکھے یہودی کوں آتا ہے　　لگر ایک ہرن کوں لاتا اہے
یکایک ہرن نے زبان کھول کر　　نبی سات وہ رمزوا بول کر
کہی یوں کہ اے خاص خیر البشر　　میرا بند چھوڑ آنکہ اے بول کر
تمیں لگ میرے واسطے ہو زبان　　زبان ہو منجی تک دلا تو امان
کہتا جاتوں اپنے بچوں پاس میں　　کروں دور دل کا سو وسواس میں
کہ آیا ہے میرے چو چپاں بیچ دود　　جو تک پاؤں تو جا کہ میں آؤں زود
بچوں کوں پلا دود آتی ہوں پھیر　　تمیں تک میرے حق میں ہو دستگیر
بچے میرے رات سوں ہے بھوکے　　ہوئے ہونگے ان کے سینے سوکے
کہوں سخن تصدیق کے قول سوں　　سنے بات ہرگز نہ جھوٹ بول سوں
ٹھنڈا کر میرے دود کا دیگ میں　　یدی میاک آتی ہوں پھر بیگ میں
چھوڑاؤ مجھے اے رسول امین　　جو پاؤں تمہاری سوں میں بے غمی
جو حیوان کی منہ سے سنے جب رسول　　سو بولی ہو میرے سوں یوں تب رسول
کہے چھوڑ دے تک اسے جان دے　　بچوں کوں پلا دود پھر آن دے
سو سن کر یہودی نے بولا یہ بات　　کہ حیوان چھوٹے یہ کب آئے ہات

تیس اے محمد چھوڑ امت ادے
کہیں ہیں زماں اس کادی چھوڑ تیں
خلاف یوں نہ ہرگز کرے مجھ سوں بات
نہ اندیش کر چھوڑ دے چھوڑ توں
بہت وہ یہودی نے ہو کر عجب
بہت خوب کر کر دیا چھوڑ بند
خوشی سوں وہ اپنے ٹھکانے چلی
پلا دودا اپنے بچوں کوں اونے
بزان پھر اسے راہ دھر اپنا یک
او اک تازگی سوں وہ لینے اونے
خوشی سوں پھر آئی دیا دوڑتی
جو دیکھا ہوئی تب سے ہرنی کو دیر
سچا توں کہیے نبی سات وہ
دیکھا معجزہ وہ نبی کا عجب
اکے او نبی کے قدم پاس او
کہا صدق سوں اے رسول امین
آ مجکوں تم دیلا کی بیج لاؤ
کرو مجھ اپر یہ شہادت بیان
جو دیکھے نبی اعتقاد اس کا راست
تب اس وقت وہ رحمت عالمین
شہادت زبان سوں بولا اسے
جدا ہو کر تب وہ راہ ہیں سوں

ہی پھر کرد آوے تو پوچھوں کسے
میری اتنی فرمود کے مان توں
آتا جا کو آوگی پھر تیرے ہات
یو میرا کہا کہ نکو توڑ توں
بارے وہ نبی کا کہا مان تب
سو ہرنی چلی خوش ہو کرتی انند
سو جا اپنی وہ بچوں سوں ملی
سو ہکی کر اپنے چھتیاں کوں اونے
نبی اس جگہ جا کھڑی ہیں ملک
سو لیکر بچوں کوں شکل آپ نے
نبی سامنے دیں ٹھکاں پھورتی
نبی کو سو وعدے کوں آتی ہے پھر
سو آئی یہ یہودی ہر بات وہ
فدا ہو یہودی نے فی الحال تب
دی بوسہ کہی اپنا راس وہ
سچی ہے سچائی تمہارا سو دین
مجھے دین اسلام کے راہ دکھاؤ
جو ایمان لایا تہاں اور عیاں
کہ دھرتا ہے ایمان لانیکا خواست
دکھائی اسے راہ ایمان دیں
اس دیں میں تب ملائے اسے
ملا کر ایمان اور دین سوں

اِمام حسینؑ کی تیاری جنگ

از

جنگ نامہ شاہ محمدؒ

یہ بحر دکھنی شاعروں کے یہاں غالباً کم استعمال کی گئی ہے۔ شاہ محمد نے ادب پیدا کرنے سے زیادہ واقعہ نگاری کو ملحوظ رکھا ہے۔

اگرچہ زبان صاف ہے لیکن ادبیت کے فقدان کی وجہ سے دلچسپ ہیں۔

بزاں حسین دیکھی وین — کوئی نرینہ رہیا نین
بزان آپیں آئے ہیں — قصد عزا پر لیائے ہیں
نفر چاکر تاہیں کیں — تیزی اوپر بھائی زین
شہر بانو ویں اُٹھ آ — اپنی ہاتوں زین اُچا
بھائی تھی جوں تیزی پر — دیکھی حسین شہ سرور
دل میں افسوس ہور غم لیا — پوچھی تم یو کرتی کیا
بزاں بانو اتنا سن — بولی ایسا لکھیا ان
کوئی دن ایسی تھی اے شاہ — تمن خاطر تخت بچھا
آج کے دن ہی کیا آہ — دندیاں میں توں جاتے شاہ
تم پر ایسا وقت کٹھن — تیزی پر میں بھائی زین
اتنا کہتی نعرا مار — روتی سب مل ہاک پکار
بھی یوں بولی سن اے شاہ — رات میں دیکھی خواب بچھا
جوں ستی ٹک تکیہ کر — روکر ہاتاں سرانے دہر
تو لک اس میں سپنا دیک — جالو سپیں ایکا ایک
آئی بی بیاں کی بی بی — نبی محمدؐ کیری دہی

حسین کیری سکی ماں
خاتون جنت شمع جہان
فاطمہ زہرا جس کا ناؤں
سرسوں اتری آئے پاؤں
جانو فاطمہ مادر آ
کربل میں ایک جا گا جا
چادر سیتی باند کمر
دستی تھی لی غمگین پر
جانو اٹکرا اپنی ہات
دامن کیری پلو سات
جھاڑی وانکی بھین ضرور
کنکر پتھر کیتی دور
میں ہو پوچھی اے مادر
دو جگ بی بیاں کی رہبر
بولو منجہ دہیر کھول تمام
اے بھین جھاڑتیں سو کیا کام
بڑاں یوں کر میری دہیر
بولی ہیں او پاک ضمیر
پھر کر بولی سن ری ہاں
میں ہوں حسین کری ماں
دن صبا کی ایسی ہٹھار
فرزند میرا اشہ سوار
سرور غازی شاہ حسین
جس یگ دیکھی روشن نین
سوان پر کر ایسی ہٹھار
شہید ہوگا کر تر وار
کنکر تن میں چو ہیں مت
تو میں جھاڑی یہ ہی گت
مت ای چو ہیں اس کی انگ
کسبت کانٹی کنکر سنگ
یوں روکہے فاطمہ بات
سپنا دیکھی ہوں میں رات
اتنا دیکھی خواب اے شاہ
تعبیر اس کا دستا آہ
بولی بانو ایسا خواب
سرور بولو منجہ جواب
ایسا خواب میں دیکھی نین
رات کوں دیکھی ویسا میں
ہیں بہی دیکھی خواب نوا
مظلومی کا حال ہوا
دشمناں کی خوش وقتی
ہمنا اوپر یو سختی ک
کیوں کر رہوں سینا گھٹ
رونی لاگے یوں نپٹ
غم یو کرتی شہر بانو
یوں بلاتی او بانو

ایسا منجھ پر حال کھڑیا   اصغر بالک او مریا
اس پر داماد او قاسم   رن پر گذریا او خاتم
داماد قاسم نیک جوان   شہید ہوئے کربل میان
اس کی شادی کا احوال   لہو میں احمر کھوت لال
بیوہ بیٹی میری ہے   رو رو کہ او دھوتی ہے
پھوڑ کر چوڑیاں ننگی ہات   ملتی بیٹی دونوں ہات
نت کوں کاری توڑ بیسر   غم سوں روتی سینا بھر
مہندی جو دیکھو ہات   لہو میں بھرکر دونو ہات
ایسی شادی نین دیکھی   جیسی دیکھی بیٹی کی
جلوے کے دن ہو جدا   دولا اس کا کر ددا
رن پر جاتے مارا یا سٹ   اس کے خاوند کا سر کاٹ
ایسی دکھیاں کوں اے شاہ   چھوڑ کر جاتے تم ایتا
یو دک ابلیا ساریاں کا   رونے لاگے ہیبت کھا
عم پر غم ہے ساریان پر   اہل زنا کی ناریاں پر

حکایت راجہ

از

بیجھی باجھا مترجمہ وجدی

نظموں کی زبان سلیس اور ادبی ہے اگرچہ محض واقعات بیان کئے گئے ہیں لیکن۔ ادبی حلاوت سے خالی نہیں ۔ ایک راجہ کا قید ہوکر مسلمان ہوتا اور پھر اسلام کی خوبیوں سے واقف ہوکر اس خیال سے پچتا کہ کاش میں پہلے ہی مسلمان کیوں نہ ہوگیا۔ نہایت خوبی سے قلم بند کیا گیا ہے ۔

ہند واں میں کوئی راجہ تھا گنبھیر
کیں ہوا محمود سلطاں کا اسیر

لیک آئے جیوں اسے محمود پاس
دین سوں کیتے بنی کے روشناس

جب ہوا اسلام سوں او آشنا
دل دو عالم سوں کیا اپنے جدا

ایکلا جا بیس گوشب کی جھہار
رات دن روئے لگیا جب زار زار

کچھ نہ تھا کام اسکوں غیراز سوز و آہ
روز اس کا رات سوں بدتر سیاہ

سوز و زاری جب گئے حد سوں گذر
ہوئی بزاں محمود سلطاں کو خبر

بس بولا راجا کوں شاہ نامدار
مہربانی سوں کیا توں کیوں ہے زار

میں تجی دیونگا تیا کچہ ملک و مال
جی توں یک ساعت میں ہو جا نہال

اون کو رسبھانت ای راجہ گھنبیر
دکھ منے اپنا نکو گالوں سر پر

بس لگیا کہنے کوں راجا شاہ سوں
میں روتا ہین جو ملک و مال سوں

سوز و زاری ہے منجے اس کے سبب
جی قیامت میں کہیگا پونچہ رب

ای میرے بدعہد بندے بے وفا
کسو ضا کتیا ہے توں ایسا جفا

نیں کیا توں یاد میرا تو لگوں
تجہ منیں سلطان آیا جو لگوں

جب کیا لشکر کشی تیرے پہ او
آسرا میرا لیا اے زشت خو

نیں کیا توں یاد لشکر میں منجی
دوست سمجھوں یا کہ دشمن کر تجی

کر لگوں تجسوں جفا منجہ سوں وفا
یوں وفاداری منے ہے کیوں روا

شرمساری ہے منجی اسبات کی
سوز دن کا ہور زاری رات کی

تو بھی اے درویش دلریشی پہ آ
راہ انصاف و وفا درپیش لیا

جی وفا تجکوں تو عزم راہ کر
نین تو بات اسبات سوں کوتاہ کر

کوئی اچھے راہ وفاداری سوں دور
ہے جوان مردی منے اسکے قصور

(ورق ۱۳ ب تا ۱۴ ب

حکایت عاشق

از

پنچھی باچھا مصنفہ وجدی

ایک عاشق تھا دیوانہ بے خبر — سو رہیا تھا نیند میں یک گور پر
از قضا معشوق نکلیا اک وہاں — نیند میں عاشق کوں دیکھیا ناگہاں
پس یک لکھ کو اس کے بند سوں — باندکر جاتا رہیا آنند سوں
عاشق اوٹھکرا چٹھی دیکھیا جو کھول — یار کے خط سوں دسے ایسیچ بول
اے دیوانے اسو ضا سوتا ہے کیا — اوٹھ جو سوداگر ہے تو دوکان پہ جا
ہور اگر زاہد ہے تو بیدار رہ — بندگی میں سب اپس ہشیار اہ
بھی جو عاشق ہے تو آتا ہے عجب — نیند جک میں عاشقاں کے آئے کب
مرد عاشق تو سدا بیدار اچھے — دن کوں حیراں رات کوں ہشیار اچھے
تجکوں ناپو ہے نہ آئے مرد خام — لاف میری عشق کا ہے تجہ حرام
عشق میں سونا تجے گر سہل ہے — عاشقی کے کسب میں نااہل ہے

(ورق ۱۱۴)

ایک غلام کا فخر

از

جنگ نامہ حیدر مصنفہ اشرف

اس نظم کا اسلوب نہایت رواں ہے۔ لڑائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ کسی غلام کو اپنے آقا کی قوت اور خیال انتقام پر اس سے زیادہ اعتماد نہیں ہو سکتا۔

قنبر نے سو یک وار بد کر دیا — سحل نے سو او وار رد کر دیا
پیاپے کیا وار تیسرا قنبر — سحل نے لیا تا زیانے اوپر
بھی جو تھا ضرب دے لہو گھونٹ کر — قنبر کی سو تلوار گئی ٹوٹ کر
قنبر کا نچلتا ضرب ہات کا — سحل تھا کتا کفر کی ذات کا
سحل بعد ازاں گرز اسمان کر — سو مارا قنبر کے) اوپر تان کر
حیالے قنبر کی اتھی پور پور — سو گھوڑا قنبر کا ہوا چور چور
قنبر سو ہوا (یا) پیادہ وہے — سحل نے کمند کھول ڈالیا گلے
پڑیا جب کمند میں قنبر ہو اپنک — سحل بھی پیادہ ہوا بے درنگ
قنبر کوں بندیا ہات سوں استوار — ہو سر کاٹنے کوں سینے پر سوار
سو اس میں قنبر کوں تبسم ہوا — سحل نے کہا کیا رسم ہے ترا
"مگر ہے دیوانہ یا خفتی مگر" — مرا جیو جاتا ترا کیا فکر
سنیا نیں ہے تو خواجہ میرا علی — وو شیر خدا پہلوان نبی
نچھوڑے تجھے کیں زمانے میں جابر — اگر باد ہو توں تو اد شہسوار
نچھوڑے تجھے ساتھ اسمان میں — نچھوڑے جنگل ہور بیابان میں
نچھوڑے تجھے سات دریا کے پار — نچھوڑے تجھے کیں زمین کے تلار
نکالے ترا جیو یک لات سوں — امید وار دوزخ ترے ذات سوں

سحل نے کہیا اے تو خفتی گر سحل کی شجاعت سنیا نیں مگر
اول ماروں خواجہ کوں تیرے حضور بزاں مار تجکوں کروں چور چور

(صفحات ۸ ا ۰۰ ب ا)

شہید کربلائے غم

از

مراثی اشرف

دونو مرثیوں میں حضرت شہربانو کا غم بیان کیا گیا ہے۔ ایک بیوی اور ماں کے جذبات، رنج والم کے بیان کرنے میں فطرت نگاری اور ادبیت دونو کو عروج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

کہاں ہے وہ ولی والی حیدر حسن میرا کہاں ہے وہ حسین ابن علی صفدر شکن میرا
اگن سوں ماتم شہ کے جلا ہے تن بدن میرا برنگ برق خرمن سوز دل ہے ہر سخن میرا
لگا ہے بسکہ تیر ماتم شہ دل منے کاری شہید کربلائے غم ہوا ہے جگ میں من میرا
ہوس گلگشت رضوان کی کرے کیوں عندلیب دل محبت کی گلی میں شاہ دین کے ہے وطن میرا
ہوا ہے بسکہ زخمی خنجر داغ غم شہ سوں برنگ لالہ ہے لبریز خون دل کا چمن میرا
مہ و خورشید کے جھلکار سوں ہیں دن ہی روشن تر ضیائے حب آل مصطفےٰ سوں انجمن میرا
کیا ہوں بے بدل یو مرثیہ جب لال مونکا ہوا مشتاق ہر یک شاعر ملک دکھن میرا
جو کوئی ہے صدق دل سوں دوستدار آل پیغمبر اے اشرف اس کے پگ کی خاک ہے کحل نین میرا

(بیاض مرثیہ نمبر ۱۳۰)

۲

حضرت شہربانو کا بانو

بانو کہیں اصغر نہیں اب میں جھولاؤں کس کے تئیں سونا ہوا ہے پالنا اب میں سولاؤں کس کے تئیں

ہلا کے میں کپڑے بنا اس کوں نہاتی گل بدن
وہ پھول سو کھا نیر بن اب میں نہاؤں کس کے تئیں

سوتا تھا وہ جب نیند بھر بیٹھی اوٹھاتی دود کوں
بیدم ہے دیکھو آج وہ اب میں جگاؤں کس کے تئیں

جب مسکراتا وہ بچا میں شاد ہوتی دل منے
بے جان پڑا ہے گود میں اب میں ہنساؤں کس کے تئیں

جب شہ کو غم گیں دیکھتی لیجا کے دیتی گود میں
سوتا کفن وہ اوڑکر اب میں لیجاؤں کس کے تئیں

جاتے تھے شہ جب ان منے اصغر کو میں چھاتی لگا
دکھ میں بھولاتی اس کہلا اب میں کہلاؤں کس کے تئیں

اوٹھتا اٹھ رو رو دودبن اب یوں چو پی لیکر رہا
تیس دھاران دود کی اب میں پلاؤں کس کے تئیں

آتش کے شعلے دل سنے اوٹھتے ہیں تجہ بن اے بچے
اس کے بجھانے کوں گلے اپنے لگاؤں کس کے تئیں

یک تل نہیں ہے چین مجہ غم کا بیان کیوں کر کروں
رو رو کے میں بیہوش ہوں اب میں رولاؤں کس کے تئیں

اشرف نہیں محرم کوئی اس درد کا دنیاں منے
تجہ بن اے احمدؐ کا جرا غم کا سناؤں کس کے تئیں

(بیاض - مرثیہ نمبر (۲۱۶))

فراق گجرات

از

کلیات ولی اورنگ آبادی

اس نظم میں شاعر اس ملک کی یاد میں اپنی بے قراری دکھاتا ہے - جس نے اس پر بہترین نقوش تاثر چھوڑے ہیں -

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سنے منیں آتش بہار دل

مرہم نہیں ہے اس کے زخم کا جہاں منیں
شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل

اول سوں تھا ضعیف یہ پابستہ سوز میں
جیوں بال ہے اگن کے اپر بے قرار دل

اس سیر کے نشے سوں اول تر دماغ تھا
آخر کوں اس فراق میں کھینچا خمار دل

میرے سنے میں آکے چمن دیکھ عشق کا
ہے جوش خوں سوں تن میں میرے لالہ زار دل

حاصل کیا ہوں جگ میں سراپا شکستگی
دیکھا ہے مجہ شکیب سوں صبح بہار دل

ہجرت سوں دوستاں کے ہوا جی مرا گداز
عشرت کے پیرہن کوں کیا کیا تار تار دل

ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن منیں
ہر دم میں بے قرار ہے مثل شرار دل

سب عاشقاں حضور، اچھے پاک سر خرو
اپنا اپس ہو سوں کیا ہے فگار دل

حاصل ہوا ہے مجہ کوں ثمر مجہ شکست سوں
پایا ہے چاک چاک ہو شکل انار دل

مجمر نمن ہوا ہے بدن سوز ہجر سوں
اسپند کے مثال ہے آتش سوار دل

افسوس ہے تمام کہ آخر کو دوستاں
اس مے کدے سوں اٹھ کے چلا شد ملال

لیکن ہزار شکر ولی حق کے فیض سوں
پھر اس کے دیکھنے کا ہے امید وار دل

(۲۸۴ - ۲۸۵)

شہر سورت

از

کلیات ولی اورنگ آبادی

شہر سورت۔ یورپی تہذیب و تمدن کا وہ واحد مظہر ہے جہاں اردو کے کسی بڑے شاعر کا اس زمانہ میں گذر ہوا تھا۔ ایک ایسا شہر کسی قدیم شاعر پر جو اثر چھا سکتا تھا اس کا اس سے بہتر نقشہ شاید ہی دستیاب ہو سکے۔

عجب شہراں میں ہے پر نور یک شہر
بلا شک وہ ہے جگ میں مقصد دہر

اہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جا وے جس کے دیکھے سب کدورت

جگت کی آنکھ کا گویا ہے یہ نور
اچھو اس نور سوں ہر چشم بد دور

شہر جیوں منتخب دیوان ہے سب
ملاحت کی وہ گویا کھان ہے سب

سرج سن آگ اس کی جگ میں کانپا
سمندر موج زن رگ رگ میں کانپا

کنارے اس کے ایک دریائے تپتی
کہ دنیا دیکھنے کوں اس کے تپتی

کیا سب تن خجالت سوں یہ جیوں عرق
ہوا دریا اپس کے عرق میں غرق

شہر سوں ہے وہ ہمسر بازو ہمیشہ
دریا سوں ہے وہ ہم پہلو ہمیشہ

کہ آب خضر کی ہے اس میں تاثیر
ہوا دیتی ہے اس کی یاد کشمیر

عجب قلعہ ہے وہاں اک با قرینہ — انگوٹھی میں دنیا کے جیوں نگینہ
نزک قلعے کے باڑا گھاٹ ہے وہاں — کہ دایم گلزاراں کی ہاٹ ہے وہاں
اسے اس حاشیے پر جائے آرام — طلسمی باغ وہاں ہوتا ہے ہر شام
اے بلبل پاک بینی سوں نظر کر — مشتاقت کی قطار سوں بس حذر کر
کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل — ہر اک گل کے نزک وہاں پر ہے بلبل
جو کئی دیکھا ہے ان کا باغ رخسار — ہوا اک دید میں وہ محو دیدار
جو ہیں وہ محض تصویرات اخلاص — سو تھا شوق پردے میں ہیچ ہیں خاص
کہاں ہے ساقی اخلاص آمیز — محبت کی کرے مجھ اپر ریز
صفائی سوں کیلے مجھ جیو کا باغ — کروں اس دردمے کوں مرہم داغ
ہے سورت حقیقت کی نشانی — کہ ہیں معمور وہاں اہل معانی
شرافت میں یہ ہے جیوں باب کر — تو ہے سب ملک پر اس کا جو سایہ
اگر دیکھے ہیں لوگاں شام و تبریز — نہ دیکھا کوئی ایسا ملک زرخیز
کہ اس بہتر کتے ایسے ہیں تجار — کہ تاروں کوں نہیں ان کے نزک بار
اتے آتش پرستاں کی ہے بستی — سکھے مرود واں آتش پرستی
فرنگی اس میں اتے ہیں کلہ پوش — عدد وہاں جن کی گنتی میں ہے بیہوش
وہاں ساکن اتے ہیں اہل مذہب — کہ گنتی میں نہ آویں ان کے مشرب
اگرچہ سب ہیں وہ ابنائے آدم — ولے بینش میں رنگا رنگ عالم
بھری ہے سیرت و صورت سوں شوخ — ہر اک صورت ہے وہاں تصویر موشخ
ختم ہے امرداں پر او صفائی — ولے ہے بیشتر حسن لبنائی
سبھا اندر کی ہے ہر اک قدم میں — چھپا اندر سبھا کو لے عدم میں
کشن کی گوپیاں کی نہیں ہے یہ نقل — رہیں سب گوپیاں وہ نقل اصل
ہزاراں اس سبب شیدا ہیں بلبل — کہ ہیں وہاں غنچہ لب ہور نما گل
نہ کئی رفت سوں کھینچے شوخ چنچل — وہ مکھ کے باغ کن دیوار اپخل

نظر بھر کر دکھو ہر گلبدن کوں — کہ ہے پردے سے بے پرواشن گل
رہے وہاں عاشقاں کوں عام آواز — کہ نہیں پردہ بغیر از پردۂ ناز
کسی کوں نہیں نظر بازی بناچین — کھلے ہیں رات دن سب غرفۂ عین
شہر بھیتر جو آوے محتسان کا دن — ہندو کی قوم کے اشنان کا دن
ہر اک جانب دکھوں میں فوج در فوج — تجلی کے سمندر کی اٹھے موج

صفحات (۳۷۹ تا ۳۸۰)

عرسِ شاہ وجیہہ الدین

کلیاتِ ولی اورنگ آبادی

یہ قصیدہ کئی باتوں میں خاقانی کے قصیدوں کے مشابہ ہے۔ اوجِ تخیل، وسعتِ مضامین۔ اور پاکیزگی زبان اس کی سب سے نمایاں خصوصیتیں ہیں۔

اردو شاعروں میں نصرتی کے بعد اس شان کا قصیدہ غالباً ولی جیسا شاعر ہی لکھ سکتا تھا۔

ہوا ہے خلق اوپر پھر کے فضلِ ربانی — کیا ہے ابرِ رحمت سوں گوہر افشانی
یہ آبِ صاف ہیں گوہر کوں دیکھ خجلت سوں — صدف کی بیت میں گل کو ہوا ہے حیوانی
تمام پات "یسبح بحمدہ" کے بحکم — زبانِ حال سوں کرتے ہیں ذکرِ سبحانی
قطار قطرۂ شبنم سوں آج سبزۂ خضر — لے سبحہ ہات میں کرتا ہے ادعیہ خوانی
ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزشِ باراں — کیا ہے آج تفرج لے جوشِ طوفانی
اس آبِ روح فزا کے کمالِ لطف کوں دیکھ — چھپا ہے پردۂ ظلمت میں آبِ حیوانی
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے غیرتِ گوہر — ہر ایک پات پہ برسا جو ابرِ نیسانی
اب سوں حضرتِ حق کے زبسکہ سینچے ہے — ہر اک کلی ہے سو جیوں کودکِ دبستانی
چمن میں اس کے کرم نے دیا ہے حکمت سوں — ہر ایک پھول کی پنکھڑی کوں رنگِ مرجانی
یہ لطف دیکھ ہوا ہے دماغ بسکہ محال — بدل ہوئی ہے اتی حافظے سوں نسیانی

تمام ملک ہوا حق کے فضل سوں آباد
رہا نہیں ہے جگت میں نشان ویرانی

جو اس کے بھید کے پیاسے تھے وہ یہ پانی دیکھ
پیے ہیں آب نمط رازہائے پنہانی

زہے بہار حلاوت، زہے بہار طرب
کہ بلبلاں نے لیا شیوۂ غزل خوانی

سو اس بہار میں آیا ہے عرس حضرت کا
ہوی ہے پھر کے عیاں حشمت سلیمانی

چراغ گرد میں روضے کے جو ہوے روشن
ہر اک چراغ ہے جیوں آفتاب نورانی

ہوا ہے بسکہ طراوت سوں یہ مکان سرسبز
ہر اک سفال یہ دستا ہے رنگ ریحانی

چراغ یہاں کے ستارے نمن ہیں گردانت
دئے ہیں چرخ کوں تعلیم سجہ گردانی

ہوا ہے گنبد پرنور آج طبلۂ مشک
زبسکہ عود و عنبر کی ہوی فراوانی

قبر ہے آج لطافت سوں غیرت گلزار
کیا ہے خلق نے اس پر جو بس گل افشانی

وہ جسم روح اور اس کا ہے جسم مرقد پاک
کہ جس کے گرد ملائک کریں سبق خوانی

یو دین پاک میں بے شک ہے تاج جیہ دین
عدم ہے آج زمیں کے اپر ترا ثانی

تری طبع کوں دیا حق نے فہم پر مقصد
تری زباں کوں سزاوار ہے سخن دانی

ہے ملک دیں میں تری ذات کو شہنشاہی
ہے نقد علم ترا ار مسئلہ مسلمانی

ہر اک کوں اس سوں خبر نہیں ہے جگت کے بیچ
تجھے جو کشف ہوئے رازہائے پنہانی

دیا ہے حق نے تجھے جامع الکمالاتی
عطا کیا ہے تری ذات کوں ہمہ دانی

عجب نہیں جو دوے عقل کوں وہ آج سبق
جو اس جناب میں آ کر کیا سبق خوانی

سچہ آفتاب سوں جو کوی کیا ہے کسب شرف
وہ سرخ رو ہے سو جیوں جوہر بدخشانی

خدا کی یاد میں ازبسکہ محویت ہے تجھے
ہوی ہے ختم تری ذات پر خدا دانی

تو وہ ہے فیض رساں جگ میں ہے مبارک ذات
کہ تجھ سوں فیض لیے عالمان ربانی

تجہ آستان پہ نسیم آ کر کرے سجدہ
ہوا ہے سر سوں قدم تک تمام پیشانی

تری جناب سوں ہے فیض طالبان کو مدام
ترے کرم سوں ہے اکثر کوں قرب حقانی

تری ہے ذات سراپا حقیقت انسان
اگرچہ حق نے دیا سب کوں شکل انسانی

ترے کرم سوں ہوا دل خوشی سوں آج بدل
وہ غم کہ طول میں تھا جیوں شب زمستانی

تجھ آستان مبارک پہ مثل نقش قدم — رکھے ہیں سیس چہ ایرانی و چہ تورانی
تری جناب کا وہ صحن ہے سراپا نور — کہ جس کی خاک ہے از سرمہ صفاہانی
وہ آب خضر سوں دل سرد کیوں نہو دایم — یہ حوض پاک سوں جو کئی کہ آپیا پانی
تلک حوض کے کنو اں ہے آبروے زمین — کہ جس کی چاہ میں دایم ہے ماہ کنعانی
فلک پہ فخر زمین گر کرے تو نہیں ہے عجب — کہ اس کے سر پہ یہ گنبد ہے تاج خاقانی
ہے آرسی کے نمط مدرسہ یہ روشن و صاف — نگاہ کوں ہے تماشے سوں اس کے حیرانی
ترے جو ذکر میں رہتے ہیں ذاکران قایم — ہے ان کوں حضرت داؤد کی خوش الحانی
کئے ہیں وصف ترے گرچہ صد ہزار اتیج — ولے ولی نے کیا مدح میں گلستانی
نلکے قلم ہے مرا نیشکر سے شیریں تر — کیا ہوں بسکہ حلاوت سخن شکر افشانی
لکھا ہوں دل کوں ولی یہ مصرع عرفی — کہ ایں قصیدہ بیاضی بود نہ دیوانی

(۳۷۱ - ۳۷۶)

ایک مسافر کا عشق

مستزاد

از کلیات ولی اورنگ آبادی

ایک دکنی شاعر شمالی ہند کے سفر کے لئے نکلتا ہے۔ وہاں کسی بانکے سے اس کی آنکھیں دو چار ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا جی نہیں چاہتا کہ اپنے وطن کو واپس جائے۔

لاگی ہے لگن تم سوں چھڑا کون سکے گا ؟ — ہے کس میں یہ قدرت
اب مجھ کوں وطن اپنے لیجا کون سکے گا ؟ — کر دل سوں رفاقت
ہے نقش کناری کا ترے جامے کے اوپر ، — اے ہند کے بانکے
دامن کوں ترے ہاتھ لگا کون سکے گا ؟ — نہیں زور نہ طاقت
ہوں خاک تمہاری ہی گلی کا اے سریجن — نہیں کام کٹھن سہل
اب مجھ کوں چبارے میں اٹھا کون سکے گا ؟ — یوں گر ہے حقیقت

مت مار ولی کوں میں یہ کہتا ہوں کہا کر
اس ہجر کے طومار کوں یا کون سکے گا ؟

سن بات ہماری
بن غمزہ ظرافت
صفحہ (۳۱۱)

عاشق کی ایک اہم آرزو

از

کلیات ولی اورنگ آبادی

نکو کر آشنائی غیر سوں اے سیم تن ہرگز   نہو اے شمع رو ہر انجمن میں شعلہ زن ہرگز
نہ مل مائل ہو ہر طوطی سوں اے شکر شکن ہرگز   نہ مل ہر بلبل مشتاق سوں اے گلبدن ہرگز
ہر ایک گلشن میں جیوں نرگس نہ کھول اپنے نین ہرگز

فصیحان خلق کے سارے تجھے شیریں بچن کہتے   پیشانی روز روشن اور زلف کالی رین کہتے
مبصر ہو جواہر کے تجھے دُرِّ عدن کہتے   جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر ملکیاں کے کانٹاں پر نہ رکھ اپنے چرن ہرگز

سدا مشتاق ہے طوبیٰ ترے قد جیوں صنوبر کا   تجلی میں ترا یہ مکھ اہے خرشید محشر کا
دہن تیرا سو خیر انجام ہے یہ جام کوثر کا   تو بے شک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا
بجز تجھ روح کے قایم نہو جگ کا بدن ہرگز

دو رخسارے ترے روشن یہ دو انور ستارے ہیں   ترے چنچل نین آگے چکارے کیا بچارے ہیں
عزیزان مصر کے سارے تری خاطر سنوارے ہیں   زلیخا سے کتے عاشق ترے پر جیو وارے ہیں
نہ کر مسکن ہر اک یوسف کا یہ چاہ ذقن ہرگز

تو ہے محبوب عالم کا ولے عالم سوں ہو یکسو   تو محبوباں میں عنقا ہے نکو دکھلا کسی کوں مکھ
جو آتش دان کیا دل کوں پی بیجا وہاں الفت عنبر بو   بغیر از عید مت دکھلا کسی کوں ہلال ابرو
نہ مل مہتاب میں بھی کس سوں اے چندر بدن ہرگز

دو غزلیں

از

کلیات ولی اورنگ آبادی

مت غصے کے شعلے سوں جلتے کوں جلاتی جا
ٹک مہر کے پانی سوں یہ آگ بجھاتی جا

تجھ چال کی قیمت سوں نہیں دل ہے مرا واقف
اے ناز بھری چنچل ٹک بھاؤ بتاتی جا

اس دین اندہیری میں مت بھول پڑوں تس سوں
ٹک پاؤں کے بچھووں کی آواز سنہاتی جا

مجھ دل کے کبوتر کوں پکڑا ہے تری لٹ نے
یہ کام دہرم کا ہے ٹک اس کوں چھڑاتی جا

تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
اے بت کی پجن ہاری اس بت کوں پجاتی جا

تجھ عشق میں دل جل کر جوگی کی لیا صورت
یکبار ارے موہن چھاتی سوں لگاتی جا

تجھ گھر کی طرف سندر آتا ہے ولی دائم
مشتاق ہے درشن کا ٹک درس دکھاتی جا

(صفحہ ۲۳)

وہ صنم جب سوں بسا دیدۂ حیران میں آ
آتش عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

ناز دیتا نہیں گر رخصت گلگشت چمن
اے چمن زار حیا دل کے گلستان میں آ

عیش ہے عیش کہ اس مہ کا خیال روشن
شمع روشن کیا مجھ دل کے شبستان میں آ

یاد آتا ہے مجھے جب وہ گل باغ وفا
اشک کرتے ہیں مکاں گوشۂ دامان میں آ

نالہ و آہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
دفتر درد بسا عشق کے دیوان میں آ

پنجۂ عشق نے بے تاب کیا جب سوں مجھے
چاک دل تب سوں بسا چاک گریبان میں آ

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

شیخ یہاں بات تری پیش نہ جاوے گی کبھو
زہد کی چھوڑ کے مت مجلس رندان میں آ

غم سوں تیرے ہے ترحم کا محل حال ولی
ظلم کو چھوڑ سجن شیوۂ احسان میں آ

(صفحہ ۲۶-۲۷)

امام حسینؑ کی شہادت

از

روضۃ الشہدا مولفہٗ ولی ویلوری

خالص مذہبی موضوع ہے اور مصنف بھی ٹھیٹ مذہبی آدمی۔ لیکن نظم دلچسپی اور ادبیت سے خالی نہیں۔ گو ولی اورنگ آبادی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ولی ہو روضۃ الشہدا کا مالی
نہ یکدم فکر ہے مجلس سوں خالی

تو اگل مدح کے گلشن سوں لاکر
کرے ہی شاہ کی مجلس معطر

شکاری تھا عقیدے کا سچا ایک
نبی کوں لا دیا آہو بچہ ایک

قبول اس کوں شہ عالم نے فرمائے
جو اتنے میں حسن مسجد میں آئے

دیکھے آہو بچہ حضرت کنے وو
حسن کوں خوش کیا ہے دل منے وو

اسی ساعت نبی نے اس ہرن کوں
کرم فرما کے بخشے ہیں حسن کوں

یکایک آ حسین ذوالکرامات
حسن کوں کھیلتے دیکھے ہرن سات

پوچھے اے بھائی یہاں تم کاں سوں لائے
ہرن کا یو بچا تم کاں سوں لائے

حسن نے کہے ہرن کر پیار منجہ کوں
دیے ہیں جد بزرگ وار منجہ کوں

نبی سوں گئے حسین آ دوڑ کر دیں
ہرن ان کوں دیے تم مجکوں کو نیں

یہی جھنجھلے کریں تکرار پھر پھر
نبی کے ہات اوپر پاؤں پو پڑکر

تسلی شاہزادے کوں کئی دہات
کریں حضرت رکھ اس کے سر اوپر ہات

ہو نزدیک جو شہزادہ رو میں
ہرن نیں ہات کہ دیگر رہو نیں

جو یک ہرنی نے بچہ لیکے ہمراہ
لو کاری اور مسجد لو ناگاہ

دی سے نے بچہ کوں ان کی ڈال
دیکھنے لائی حضرت پاس فی الحال

سلام آکر فصاحت کی زبان سوں　　لگی کہنے رسول انس جان سوں
بچی تے تھی ان میں ایک دہرکر　　شکاری چھین لیں یا قید کرکر
رہا تھا ایک دن میں ایک خوشنود　　جنگل میں میں پلاتی تھی اسے دودہ
ندا اتنے میں آیا آسمان سیں　　پیغمبر پاس لیجا اس بچے کوں
کہ شہزادہ ہرن سنگتا کھڑا ہے　　ہرن کے ساتھ شوق اسکوں پڑا ہے
مبادا گر ہوئیں اس کی نین نم　　فرشتیاں پر ہوئیگا عرش کے غم
ندا کر اضطرابی اضطرابی　　بجا لائی ہوں خدمت میں شتابی
ہور اس کے آنکھیاں سوں حمد اللہ　　انجو رخسار پایا ہے نہیں راہ
یو سن سب دل میں غم کا بیج بوئے　　جتے حضار مجلس تھے سو روئے
دعا ہرنی کوں حضرت نے کئے، تو　　بجا لے شاہزادی کوں دئے تو
دو ہرنی نے دعا سوں پاکہ پھرا　　ندا کر کر گئے ہیں رو بصحرا
عزیزاں سب فرشتے ہور پیغمبر　　نچا ہے جس انجو پینے کوں مکہ پر
جکوئی کر اس کی سر پر زخم کاری　　کئے ہیں لہو کوں رخسار اوپو جاری
وہ روشن موں جنوں کی کرکے سرخوں　　رگ خورشید کوں کہتے ہیں گلگوں
انوں پر کیا اچھے رخ روسیاہی　　اچھے گا کس وضع قہر الہی
روا ہے یو پیارا مصطفےٰ کا　　ہوئے حیران دشت کربلا کا
کہ جس کا باپ اچھے ساقی کوثر　　روا ہے وہ پیتے پانی نہ پاکر
صفت اس کا ہے سب عالم یہ معلوم　　زمانے کی ہے وو دفتر پو معلوم
تو لد مدح سوں شہ کا قلم میں　　لے آیا اب کروں کچھ بات غم میں

ایک محبت آمیز خط

از

چت لگن مولفۂ عشرتی

ایک عاشق غمناک کی طرف سے بے پروا دوست کی خدمت میں نہایت ہی دردناک التجا ہے زبان کی قدامت اور مخطوطہ کی خرابی کی وجہ سے بعض جگہ الفاظ سمجھ میں نہیں آئیں گے تاہم مضمون کا تسلسل اور خوبی دلچسپی کو برقرار رکھتی ہے ۔

لکھیا دل کے لہو سوں یو نا ما تجے ۔۔۔ جو تج بن دسیا دن قیامت مجے
تیری زلف مشکین کی سوگند ہے ۔۔۔ کبھی کہب میں جس جیو کا ایک بند ہے
کہ جب تے انکھیاں لہو بھریاں ناصبور ۔۔۔ رہیاں ہیں تیری موکے پھول بن تج سوں دور
تدہاں تے ڈوبیا لہو میں لانے نین ۔۔۔ جو ازبس سٹی لہو کی انجواں نین
لکیا اس روشن سوں بہنے لہو کا نین ۔۔۔ کہ غیرت لیجا تا ہے اس پر کہیں
یوں شاہد ہے ہور ستارے گواہ ۔۔۔ کہ منج دل کی تنگی پہ کر یک نگاہ
گلی گل کی دہر بول ہنسی نین سو نین ۔۔۔ ہو این میں منج بن زدی نین سو نین
دہونڈن ہار سنسار کے راز کے ۔۔۔ وو مجنوں ہور پیر دین شہباز کے
جنتی برہ ہور عشق کی سب حکات ۔۔۔ کہیں کہیں کی دفتر سوں دہنڈ لیں رات
مقابل کو یہ لینگے جو منج حال سوں ۔۔۔ تو اپچ دس آئی کا خیال سوں
کہ ان بے دلاں کے درد کا کتھا ۔۔۔ ہے میرے برہ سوں وو سب یک قصا
سنج ہیچ تو دو دن کے بچھڑے گا رک ۔۔۔ منج عاشق او پر جن سٹیا پیاس بھوک
کہریا یوں کہ مجنوں ہور فرہاد تی ۔۔۔ اول آخر یک عمر میں ایلی
جو دستیا ہے سورج اگن کا کنواں ۔۔۔ ہے میرے کلیجے کی اگ کا دھواں
اگر اس غصے کا سبب ہے یو کاج ۔۔۔ جی ظاہر ہوا نین دو تقدیر باج
پرت کوں خلل کیا ہے اس بات سوں ۔۔۔ جو منج دل کی درپن میں سو رات سوں

ٹلیا جا نو تیری پرت کا خیال
بہی کس حب کا نقش اس میں پڑنا محال

ملک دل کا تجہ سوں پایا ہے رد ج
کسی کا حکم نا چلے اس میں کوچ

تیرا برہ لین سرسری ہور نبل
کہ جاوے میری سرسوں بہی کیں نکل

بنا عاجزی نین جو عاشق کوں لاب
تو اب بات کو نا بڑھاوے حساب

نہ چوکیا جو اس کوں بہی چوک ہسکے جان
پشیمان ہوں میرا عذر توں مان

ایس کی خطا ہور خودی کا حرف
نین جل سوں دہو کر کیا بر طرف

بہلا ہے جواب پیڑ یو نامی کوں بیگ
کہ جیوں پر تپنکی لک حرفاں کوں سیک

سپند ہو جلے منج اگن سوں نقط
دہواں عود کا یتوں نکلتا فقط

چندر بتوں یو سورج سوں نا مکہ پھرا
نہ ہر جیب پر کوچ بہلا ہور برا

گلے ہور جھگڑے کوں سب چھوڑ کر
سرو قد ایس کا ادہر موڑ کر

تماشا میری جگ کے حشمے کا دیک
کہ کیوں کر بہتا ہے تیرا برہ سیک

دو دن بیچ بچھڑے بین لیس دیس جوک
رہیا کیوں ہوں کاری ہو تج دوک سوں سوک

تیرا موکہ دیکہیں موک ابجواں سوں ہو
ہوا امانت تن کیوں نیٹ جہر مو

اگر کمڑی منج تن پہ جا لاستے
کہی دیتوں میں نا ہل سکوں اسنین

چلے جیتی منج بند پالو اپر
جہوڑا نا سکوں ہل اپن ٹھا نوں سوں

بچن بن پرن سوں میرا تن ایتا
نیاوے کد ہی کوئی ڈہونڈے جیتا

میری دہڑ کوں ملنے بجز خاکسوں
نہ کوئی فام سکتا ہے ادراک سوں

اتا جو یکی نا تو پہنچ رہیا ہے گگر
نین تو نہووے کوچ میرا اثر دل

خدا نا بن جیوں توں اپیچ بول
کہ اس کت سوں کیوں کر جیوں میرا بول

الٰہی نرم کر توں وہ سنگ دل
دیوے مو میائی میا کی وو پل

بہر اس کی غصی کی اگن کی بلا
کہ جالی ہے جن میرے جیو کا کہلا

بوجہا وصل کا جل جہنک آس پاس
بجز اس کے نین کوچ منج دل کا اس

قلم دو زبان ہوی یو کہا وان ستی
ہوا اس کا میری دوک کی ال ستی

ہوا کا لا جیوں تیری مشکین الگ
تو یو دوک انگے کی لک سکے کان تلک

ایک سیناسی راجہ اور ماں کی محبت

از

مثنوی دیپک پتنگ مصنفہ عشرتی

ماں کو بیٹے سے جو بے لاگ محبت ہوتی ہے اس کا نہایت اعلیٰ درجے کا خاکہ پیش کیا ہے، اور پھر بیٹے کی غرضی محبت بھی ساتھ ہی واضح کر دی ہے ادبیت اور خوبیٔ مضمون دونو کے لحاظ سے یہ عشرتی کی ایک اچھی نظم کہلائی جا سکتی ہے۔

بچاری ہو رہی تب بچاری وو مائی ۔۔۔ بچار یاں نن دو کسوں رو ہائے ہائی
لہو گھوٹ لی بھر کے سینے میں خار ۔۔۔ گلی کے نن دل رکھی لہوں تلار
چندر گھر کے گہن کی ہٹیلی وو نار ۔۔۔ نکل راج کے غم سوں آئی بہار
سنا مار سر پیٹ کی ہائے وائے ۔۔۔ چندر مین پر دھر انجو اچل نہوائی
کہ اے گل مجے آگ تجہ بن ہے بن ۔۔۔ کہ گھر تجہ سجن بن دسی جیوں سجن
جگت میں تجسوں میرا نام ہے ۔۔۔ کہ تجہ سور بن دن میرا شام ہے
تسوں کھائے حسرت میرے لالہ زار ۔۔۔ بغیر تجہ ہے منج سیج میں پھول خار
اے تجسوں میرے حوض میں نیر ہے ۔۔۔ تیرے باج نت خاک منجہ سیر ہے
ای تجسوں میرا حاصل ہر مدعا ۔۔۔ اگن تجہ بنا مجکوں باد صبا
تسوں بخت ہیں زیر مجہ زور میں ۔۔۔ ہے تجہ باج آرام مجہ گور میں
اے تجہ شمع سے بزم انوار ہے ۔۔۔ بغیر تجہ میرے دل سنے نار ہے
اے تجسو بخ ہے مجکوں راز ہور نیاز ۔۔۔ نہ تج بن بغیر سوز دستا ہے ساز
نہو بیکٹ رسٹ کہ مجہ دل بوخسار ۔۔۔ جدائی کی نہر دے کا ناچیستر تار

نکر بیوفائی دغادار ہو / میری دیکھ زاری نہ بیزار ہو
ہوس اس سفر کی توں سٹ دے اپال / نہیں تو لے چل مجکوں اپنے دنبال
منجے ذبح کریں تو کیس موند کر / اگرچہ ہنوے تن لہو بوند بھر
تیرا من ہری تجہ کرے یاد جب / دی اس یو بشارت ہوی شاد تب
کیا راج اے چھند بھری نازنین / ڈویا یا انجو جل میں اپ گھر کتیں
نکو مجہ جیتا سرلے اپنے ہنر / جدائی میں حسرت بھرے دل کوں دہر
سحر بھی اوچا دل کرے کوڑ تے / لگا آگ پانی کتیں دور سے
جہلوں سوں تیرا دل دہکایا انگار / جلیا تس تے تن من تیرا گھر کے سار
ایتا میں ہوں ہور یرہ دل سوز کا / توں ہور گھر بھی جہکنا شب و روز کا
ہو بلبل اوڑوں میں سوین کے کدہن / توں کانٹیاں میں اچہ ملکے گل کی من
پھروں میں جنگل میں پون کی مثال / توں اچہ دکہ سوں ناٹی نن پائمال
جلوں میں چمن دہیر پانی کی دہات / توں نت جلتی اچہ آگ ہوں بن سنگات
جلوں میں پتنگ ہو کہ ہر شمع پر / توں اس گھر میں اچہ غم تے شمع سحر
ہوں جیو تا جلگ جیو تی گلتی اچہ / مروں تو اگن میں جسم جلتی اچہ
پیم سوں لگیا خیال میرا آنال / میرے خیال سوں توں نبد اپنا خیال
توں دہلیز گھر کی نہوے ہم سفر / میرا چیت چورایا سو دوی ہم سفر
چلے جیب اس جب لیوی پیو کا نام / دہرے لب پو آگ جیوں شمع وقت شام

نہانے کی دعوت

از

دیپک پتنگ مصنفہ عشرتیؔ

نوجوان سہیلیاں غمزدہ اور مہجور شہزادی کا غم غلط کرنے کی کوشش کرتی ہیں اس نظم میں شاعر نے ایک پر لطف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا ہے کہ شہزادی کو نہانے کی طرف مائل کر کے سہیلیاں خود اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں۔

اول سب جنیاں جا کے پدمن کے دھیر ۔۔۔ ادب سوں رکھیاں اس کے پاواں پہ سر
جوبن کے مہر سوں تھی من میں امنگ ۔۔۔ دریا جوش دل کا جوانی ترنگ
کیاں تج تے اے شہ پری نیک نام ۔۔۔ رسکیا ہنس چلن ہور صنوبر قیام
یو دو دن کی دنیا میں دکھ سب بسیار ۔۔۔ انا کر کرے سٹ فکر غم تے بھار
کہ کل پرسوں کی آس ہے جب ہوس ۔۔۔ خوشی جگ میں ہمنا ہیں دم دو بس
کسے کیا خبر ہے کہ یو آسماں ۔۔۔ رچیا کیا ہے پردے میں بازی نہاں
ہو غم تے ملٹ کر لیویں کوچ آج ۔۔۔ صبا کن دیکھیا ہے دہریں رہج آج
صبا سا ہو رہے جانے گی تیہ جوڑ ۔۔۔ چلے جب سگے ہوراں یاپ چھوڑ
ہمیں تو تجھے غم میں رہناچ ہے ۔۔۔ بدل گل کے سو خار کھاناچ ہے
وہ اپ بل چنچل نار سدھ گیان دہر ۔۔۔ سہلیاں کی سن دو بچن کان دہر
نزاکت سوں دل مین کا نیر کر ۔۔۔ قدم سرو کا جک پو پانی کے دہر
سورج کے تن جل میں ڈوب تہ پری ۔۔۔ صدف تیو نج جلد موتیاں سوں بھری
ڈوبیاں جل میں گم کے سکل حور زاد ۔۔۔ ہویاں شاد پایاں جو اپنی مراد
ڈوب اس حوض میں شوق سوں کھیلتیاں ۔۔۔ اگن تن پو پانی ٹھنڈا میلتیاں
کلولاں اچا جل یکس یک پو سیل ۔۔۔ ایس دل کی آتش پو ٹیاں تیاں تیل

میدانِ جنگ

از

نیہ درپن مصنفہ عشرتی

لڑائی کے آغاز اور اختتام کا ایک نہایت واضح اور دلچسپ سماں پیش کیا ہے۔

طبل بجتے تھے ہور رنسنگ دپر عشم — دمامے ہر کدہن بجتے تھے دہسم دہم
گھتر ہووے تلگ دو دہر کے رن سور — ابلتے تھے غضب سوں جیونکہ سمدور
اٹھے یوں منتظر جو ہووے گھتر — نکالیں میان سوں کینے کا خنجر
کھرگ لے ہات میانی ایک بارا — کریں جوہر ا پس کا آشکارا
بری ہر حال وو آخر ہوی رین — چھپیا کولے میں جا آرام ہور چین
دکھایا سور اپس خنجر کا جھلکاٹ — ستاریاں کا سکل لشکر گیا نھاٹ
ہوئی دو دہر ستے مستید دو دل — دسیں جیوں کھیں پوپار ہور گھن پوبادل
دلیران لے صفاں آراستہ کر — دئے تھے مردمی کے داد یک سر
پڑے ہر تن اوپر واران ستے غار — بدل پانی کے نکلیا لہو کا انگار
لگا چھاتی سوں چھاتی ہو کو گل جوڑ — سٹے سر ہور سینا ہور ہات یک توڑ
کرے گرزاں کے ایسے دہات سوں مار — پڑے تھے دہرت کوں پاتاں لگ غار
زرہ پوشان پڑے ہور رن میں پامال — پڑے جیوں میں کھیں اپرال بے حال
کریا یوں پھوڑ ہر یک ہات کا تیر — کہ جو میا ہات ہر ایکیں کا زنگیر
دہنک جب کھینچتا ہر یک کمان دار — چلا کھتا زہ بازہ اسکوں سو بار
دسی یوں پاکھران سوں ہست کا دل — کہ جیسا نیر بھر بادل دیا جیل
دسی زخمیاں کا عکس اس میں رگت سوں — دکھایا جیوں شفق بادل منے موں
لڑے دلسوز گر پڑ ہوکر اس دہات — دیوانیاں کوں ہوا جیسا کہ سنپات

دعوت

از

نیہ درپن مصنفہ عشرتی

قدیم تمدن کے لحاظ سے ایک شادی یا کسی اور خوشی کے موقع پر جس ٹھاٹھ اور تکلف کی دعوت دی جاتی تھی اس کا اس نظم میں عشرتی نے ایک مکمل اور یادگار نقشہ ہمیشہ کے لیے پیش کر دیا ہے۔

بچھائے چاندنی کا فرش نرمل — کہ جیسا چاندنی میانے صفا جل
بچھائے سوزنیاں زربافت کے صاف — ہے اس گل پر سورج بلبل کو انصاف
رو پیری اور سنیری مسنداں پر — صدر رہری رکھے جیوں سور و چندر
اتھے بردار تکیئے برنیاں بافت — پریاں کے گال جیسے نازک ہور صاف
سرنگ اسمان گیریاں تھی شفق سی — اتھے گلدار جیوں گھنگے طبق سی
لطافت کا ہوا گلشن وہ مندیر — دیوار گیریاں کے کھنچے باڑ جیوں پھیر
رکھے پھولاں سوں بھر اس ٹھار گلدان — رکھے تھے پان سیتے بھر تنبول دان
جڑت کے شمع داں میں شمع کا نور — نوی چند تیوں لگن میں گھن کے پر نور
محانی تھے چراغاں سات پر نور — دسے تھی نین میں ہورین کی سور
قندیلاں کی دکھت جھونکے سہانے — انگوراں کے جھڑے خوشیاں کے دانے
دیویاں سوں کنگراں ایسے سنوارے — کہ جیوں قوس قزح میانی ستارے
دسے حوضاں میں اڑتے سو پھنیارے — کٹ ماکاں سوں بالیاں کو سنوارے
جو ایا قوت کی پیالیاں ہیں گھالے — سرنگ رنگ سوں دسی مانند لالے
طبق بلور کی خوشبوئے سوں بھر — ہزاران چاند تھے جیوں بھیں کے اوپر
دلے تھے منڈفان پہ جو نہیریوں راث — کہ کھن اس جل صیوں بادل کیا بجات
قمر کا دور جو دسنے میں ناآئے — وہ پیالے بدر سے بھر بھر کو د کہلائے

حریفاں جھیلتے جو جام ادہنتر
کریں چوگان بازی جیوں ہوا پر

ہوس کے جو ترنگ کوں خوب دوڑائے
گرم ہو لال کرہوں جوئے بھر لائے

دسیں رخ لال پر بند جوی کے سارے
شفق ہے چاند پر تس پر ستارے

ہوی جب می سوں دلکوں شادمانی
تماشے کی منگے دل کامرانی

سبد شیرین ستے ہووے بہوت سکھ
پری رخ دلربا سوں ہوی بھنجن سکھ

طرب سازی کے مطرب تان لگائی
بہت کچ خوب گائے ہور بجائے

ان آواز کے شعلے پہ رکھ دل
تننگ ہوی گگن پو زہرہ بن میں کوئل

بلند آواز پران کے رکھیا دھیان
چندر ہور سور سوں گگن کے کھلے کان

بجنتر تا پڑان جب ناچنے آئے
عجائب دلربائی کے گتاں لائے

دو زلفاں مکھ پر اپنے جو مکھولے
تھے دل عشاق کے ڈستے سپنولے

نین مٹکائی جو ہر یک مدن مست
ستارے گگن تے اس دیکھت ہوی پست

انچل گردان کر جب بھاؤ بتلائے
طلب داراں کی دل جوندی ہوئے لجائے

چھبیلیاں چھپت ستے جب چرخ میں آئے
بھنور تس چل سوں غوطی جل منے کھائے

ڈہلکتیاں رقص میں آکر سلک جائیں
گتاں سیماب کے چھند وسوں دکھلائیں

کریاں رقاص ہو عاشق دل باغ
دہریاں مہوراں کے تن پر رشک کا داغ

تماشا دیکھ جب نیناں اگھائے
کندوری بار کر کھانا کھلائے

جو کچ کھانے کی ہووے چیز بہتر
چنے تھے سب چتر گیانی بچیتر

دکھت خوش رنگ پاکیزہ مزعفر
تسر النّاظرین آوے زبان پر

رکابیاں بھر رکھے تھے سو قبولی
طبیعت سے لئے اسے اول قبولی

تتجن کا اتھا ہے خوب مہکار
کھلیا تھا بن میں گویا ہار سنگار

جو جتنیاں بیچ خشکہ صاف بھر لائے
ہے گل چینی دو اچلی کو کھیا جائے

مصالح دار کھچڑی تھی سہانی
کھلی دل دیکھ تس رنگ زعفرانی

تھی ناناں بھنجہ کس بیجنی عروسی
کرن جہان کی بیتن دست بوسی

کھلیا تھا موں ہر یک ورتی سنبوسا — دیون مہمان کے لب تائیں بوسا
لگا جان سوں ہوی ماندے متقابل — کرن یو بحث جو ہیں کون فاضل
صلح کارن انن سینے پو رکھ ہات — ملائی موں میں مہماناں کر یک بات
رکھے رنگیں قلیئی نادر ہے ہشار — اچاران ہور مربے مزہ دار
دسیں یوں تیر تے گھیو میں چقندر — بچے سرخاب کے جیوں نیرا اندر
صفائی سوں کرم رکھے کرامات — انن کی گرم جوشی تھی ہر یک سات
کدو کی ہوئی تھے گردن فرازی — نہ تھی رغبت کوں اس تے بے نیازی
کویلی ہور جھونڈی جو رکھے لا — کندوری کا ہوا سر سبز منڈوا
دسیا خوش رنگ نظراں تل نیالا — جل اس جھل سوں ہوا ریحان کالا
دکھت تس سیز رنگ محبوب جانیا — ہوا اینٹھی ایر دونا دیوانا
کلی دلکی گرہ کفتیاں نے کھولے — انگوراں کھائے تس جھل کے ظلولے
جو پیالا دال کا سفرے پو آیا — صندل تس رشک سوں اپیں گھسایا
چمن نعمت کے ایسے دیکھ ستھرے — خیا ور سیخ کی جھاڑیاں سوں اترے
دراجان مست تھے اپنی سدا سوں — نہ تھی سد جو پکڑ لیتے انن کوں
بٹیران بلبلاں سفرا تھا — تھے قلیئی نرگسی ان یتی نشیمن
رکابیاں حوض خالی گھیو جیوں نیر — لوے مرغابیاں تیوں اسمیں رہے تیر
کباباں مرغ کے یاقوت کے رنگ — ہوا تاج خروس ان رنگ پر دنگ
تھے موتی چور لڈواں کے انباران — انن رشکوں سوں لہو گھونٹتے اناراں
شکر باری نزاکت سوں سنوارے — تھے سندر کے ادہر شیریں تے پیارے
جلیبیاں کے کچھل شیری پو رکھ آنکہ — جھمکتے چپٹیاں کے شہد رہی جھانک
نہ کوزے قند کے تھے صاف قندیل — بنائے چاند کے بلور سوں جھیل
نہ کے جاوے کہ تھے شکر بتاشے — ثریا کی تھے وو جھونکے کے دلنے
دکھت فیرنی کی پیالی وہ سیر چندر — گلے جیوں پنج نہ ہو سک اس برابر

جو کوئی دیکھیا ہے وو پالودہ رنگدار
نظر اس کی رنگا رنگ ہوئے گلزار

کر ایسی دہات کے نعمت جہتا
بٹھاے میہان تائیں لی آ آ

کندوری کے صفا میداں میں جب آئے
ترنگ کوں اشتہا کی اثر بتلائے

ملیدے کی کدہی ٹینکاں پو لائے
کدہی حلوے کے دل دل میں بھنائے

اڑائی جب نمن بنکھے کی دی چھال
پڑیا تس پگھنے سینہ یاں کرا جال

لگا سر کے کی اسکوں تیز مہمیز
چلائے واں تے کر بیگی جلوریز

وو چلبن کا کرے سب سیر یک بار
لئے چن کر جو کچ تھا ان کوں درکار

مزعفر کے لئے تھے جو لولائے
دسیں صد برگ کے پھولاں میں آئے

ملا کر دال کوں خشکے کے سنگات
کرے جنتری گل عباسی اپس ہات

جو تھے خوش رنگ جیوں یاقوت دانے
گل اور نگ کر کفتیاں کوں جانے

کانچاں جس کے ہاتاں بیچ آئے
گل چندر کے نمنے وو سہائے

کبابان آتشی گل کے سوں بہتر
لئے دور اشتہا کان ستے بھر

غرض جسکوں ہوا جس دہات رغبت
ملے ویسیچ واں اس تائیں نعمت

مٹھے کھانے کے جو میں وصف بولوں
قلم سیتے جھڑی شربت کی کھولوں

جو کھارے کی صفت کا میں کروں کام
سلونیاں مج ستے لیویں نمک دام

کندوری خرچ کر جب سب اٹھاتے
لگی ہر ایک کے ہاتاں دہلانے

دہلا کر ہات دی ان تائیں لی ماں
دئیے عزت ستے ہر ایک کوں پاں

موم کا بچہ

از زوجہ تاجر ؟

مولفہ سید عبداللہ قیاسی

ایک عورت کو روپیوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اُن کے حاصل کرنے کے لیے وہ جو طریقہ اختیار کرتی ہے اپنی حیثیت سے بالکل یکتا ہے موم کا بچہ بنا کر دوکان پر چھوڑ آنا عجیب و غریب دھوکہ بازی ہے۔

رہتی تھی نت عشرت میں او من ہرن ۔۔۔ مرد جا کے گذرے سو کیتے قرن
رتب ہوی گھر کی خرچی تمام ۔۔۔ ہوا بھار کا بلکہ کچھ ایک وام
نہ آیا ہے تب لگ بھی خاوند او ۔۔۔ سو اس دھن میں بے حد فکر مند ہو
اٹھی دائی گھر میں سو اس کوں بلائی ۔۔۔ کہی کیا فکر اب کریں بول دائی
دہنی جا کو گھر کا ہوے کھوت روز ۔۔۔ نہ آیا ہے اب لگ خبر نیں ہنوز
ملھائے کون باقی رہیا ہے ایا ۔۔۔ کریں فکر کیا کچ تردت بتا
کہی دائی بی بی کریں کیا علاج ۔۔۔ نکچہ فکر چلتی ہے اللہ کے باج
کسی طور اب زندگی کاٹنا ۔۔۔ کہیں پینا کوٹنا کاتنا
کہی سن کو اس بات کوں موہنی ۔۔۔ اچھی بات بولی اری ماجنی
بڑا خرچ گھر کا یتی جان یو ۔۔۔ ہو وے کیوں مزوری میں گذران تو
کریں فکر ایسی کہ درحال کچھ ۔۔۔ ہوے گھر کا گذران ہر حال کچھ
کہی دائی بی بی مری بات سن ۔۔۔ ہنوتا ہے کچھ اب مرے ہات سن
جو کچھ فکر کرنا سو اب تو بچہ کر ۔۔۔ تیتا بول رہی چپ کے موں موچ کر
سن اس بات کوں نار اس تل منے ۔۔۔ کری یک اندیشہ اپس دل منے
بزاں موم دو تین روپیے کا منگائی ۔۔۔ سو اس موم کا ایک پتلا بنائی

کہ ایسا بنائی او نادر عجب — جکوئی دیکھ بولیں ہے ادمی سچا
عجب صنعتی سوں بنائی اوسے — کہ کپڑے او پستان نیانی دسے
کہی جاں اہے جوہری کی دوکان — اے دائی لیجا مجکوں وہی ٹھکان
بچے کوں لیکر آپنے گود کے بیچ — سنوار سرا پر او پر برقے کوں پیچ
لیکر دائی کوں سات نکلی بہار — چلی ڈولتے ٹھیکے سوں جوں گلعذار
چلی پیش خدمت اگے ہو کے دائی — جہاں جوہری تھے وہاں لیکو آئی
سو آچھب سو دوکان میں بیٹنار — کہی جوہری کوں اے دوکاندار
ترے پاس موتی بڑے مول کے — ہے کچہ بے بہا قیمتی تول کے
دیکھا جوہری سو وہیں سدہ لیار — تعجب ہو دل میں کیا یوں بچار
عجب نور بخشا ہے اس کوں خدا — ہے کس گھر کی بی بی یا شہ کی ددا
او بے عذر ہو کر رکھیا در ترور — کیتک د صنع کے لاکو موتی حضور
او موتی سبوں میں اتھے نامدار — رکھی مول ان کا چکا تین ہزار
پوچھی لعل ہیرے ہیں تیرے کنے — کہیا نیں ہیرے لعل میرے کنے
ہے بازو کے دوکانداراں کے واں — حکم ہوئے تو ان کو بلا لیاوں یاں
کہی لا بلا کر یہاں ان کے تیں — بلا کر لے آیا ہیراں ان کوں وہیں
کتک دہات کے او جواہر لے آئے — بہوت بے بہا بیش نادر لے آئے
ہیراں ان میں تے ایک ہزار جا کا — لئے لعل یک آٹھ ہزار کا
ہوئے پیسے تینوں کے پندرا ہزار — ہیراں جوہریاں کوں کہی یوں اوتار
جواہر میں دیتی ہوں دائی کے ہات — تمیں تین آدمیاں دیوا سکے سنگات
جواہر لیکر گھر کوں جاتی ہے دائی — تماری جو پیسے دلاتی ہے دائی
کہ میں بیٹھتی ہوں او پھر آئے لگ — تمارے جو پیسے یہاں لیائے لگ
تبوں لے سن اس بات کوں جوہراں — تمیں کے دے سات تین آدمیاں
چلی دائی لیکر او تینوں کے تیں — شہر کے گلی ہور کوچیاں میں [illegible]

کیتک وقت لگ شہر سارا پھرلی
بہوٹ کر کے ماندے سو یک ٹھار لالی

بڑا ایک کوچے میں بھٹر کل اتھا
وو تینوں کوں اس جائے اوپر بٹھا

کہی یاں اچھو گھر میں جاتی ہوں میں
تمارے اے پیسے لے آتی ہوں میں

بیٹھا ان کوں ہو آپ بھٹر کل کے پار
او بھٹر کل اندر راہ تھے تین چار

سو یک باٹ تے ذوق سوں گھر گئی
جو اہر رک آرام سوں بیٹھ رہی

کیتک بیر لگ بیٹ کر ہو ہلاک
لگے مارنے گھابرے ہو کے ہانک

نہ او دائی ہے نا جواہر نہ مال
لگے پیٹنے سر اوپر خاک ڈال

تب اوروں کوں پوچھے پو کسکا ہے گھر
کہے لوگ سب باٹ کا ہے اے در

کہے گئی دغا دے کو ہمنا او رانڈ
ہمیں کاں سوں خاوند کوں دیویں دلوانڈ

چلو جائیں جلدی سوں دوکان لگ
جو بی بی او مکار کی ہے تلک

ہو ہیبت زدہ دائی کی آس چھوڑ
لگے آنے دوکان کوں اپنے دوڑ

بزاں اس وفا سوں ہوا دان سب
بڑے یاں ہوا سو سنو حال اب

سلا مار اس ٹھار بچے کے تین
کہی استنجا کر کو آتی ہوں میں

بچا سو رہیا ہے سو پر نیند ہو
نہ بیٹھے مکھی یتوں اڑاتے رہو

تیا بولکر واں سوں جیوں آئی بہار
چلی نا پچھیں پھر کو دیکھ ایک بار

نسنگ بیگ سوں آپنے گھر کوں آئی
ہوی جمع خاطر اپیں ہور دائی

(اوراق ۸۴ تا ۹۶)

ایک دولہا دولہن

از دیوان ہاشم علیؒ

امام قاسم علیہ السلام اور حضرت بی بی سکینہ کی شادی اور حضرت علی اصغر کی شہادت اردو مرثیہ نگاروں کے نہایت اعلیٰ موضوع ہیں ان پر قدیم سے لیکر موجودہ زمانہ تک کے مرثیہ نگاروں نے طرح طرح سے خیال آرائی کی ہے۔ اور ہر وقت ایک نیا اثر پیدا کیا اور نئی کامیابی حاصل کی۔ ہاشم علی کے یہاں ان موضوعوں پر ایک سے زیادہ مرثیے ملیں گے اس نے مکالمہ کا طرز اختیار کرکے ان میں جان ڈال دی ہے۔ ذیل کی نظم میں بھولی بھالی دلہن کے سوالات اور ایک ذمہ داری محسوس کرنے والے دلہا کے جواب نہایت پاکیزگی سے ادا کئے گئے ہیں۔

جلوہ میں اوٹھ کے رن کوں چلا تب کہی دولہن — دامن پکڑ کے لاج سوں انجواں بھرے نین
مت چھوڑ کر سدھارو تم اس حال میں ہمن — تم بن رہے گا ہائے یہ سونا بھون مرا

کیسی یو کدخدائی و کیسی ہے یو برات — آتا فراق تم سوں یہ جلوہ کی آج رات
گھر کوں نہ لے گئے ہو نہ بولے ہو ہم سوں بات — دیکھا نہیں جمال کوں بھر کے نین مرا

اس کربلا کے بن میں اکیلی میں کیوں رہوں — تجھ باج میں جہاں میں پھر امید کیا دھروں
جد کے مدینہ کیونکہ میں اس ٹھار سے پھروں — تم اپنے ساتھ لے کے دکھاؤ وطن مرا

جاتے ہو چھوڑ رن کی طرف مجھ کوں تم رولا — نہیں شرم کا ہنوز یہ سر سوں گھونگٹ کھلا
کرتے نہیں محبت دجاتے میا بھولا — اس زندگی سوں آج بھلا ہے مرن مرا

شعلہ لگا ہے دل منے اس غم کا کیا کروں — مجھ کوں روا ہوا ہے اگر زہر کھا مروں
دوری میں اپنے تیری میں دن رین کیوں بھروں — فرقت کی آگ سیتیں جلے گا بدن مرا

قاسم کھڑا تھا، روتے نین، سن دولہن کی بات — غمناک، اپنا دیکھ کے دامن دولہن کے ہات
تب آہ دردناک سوں بولا دولہن کے سات — اے بوستانِ راحت و سرو چمن مرا

مجھ کوں نہیں ہے تیری جدائی کا اختیار — تیرے فراق سات میں جاتا ہوں اشکبار
میں کیا کروں صلاح نہیں حکم کردگار — حق نے کیا ہے رن میں مقرر رہن مرا

ہے داغ دل میں تیری جدائی کا کیا کروں — ہنیں ہے امید رن سے پھر آکر تجھے ملوں
جو کچھ ہوا ہے مقدروں میں راستی کہوں — وعدہ ہوا ہے حشر میں تم سوں ملن مرا

بچے کا غم

بالے اصغر کے تئیں بلاتی رہی — سونا یہ پالنا جھولاتی رہی
جھولا تیرا پڑا ربا خالی — ڈوری مجھ ہات میں ہلاتی رہی
ہاے کیوں روٹھ کر گیا مجھ سوں — مرے پیارے کے تئیں مناتی رہی
بھول کیوں توں چلا میا میری — آرے اصغر تجھے بولاتی رہی
میں ملاقی تھی جب لگا چھاتی — آنچل اپنا تجھے اوڑاتی رہی
رات دن میں کبھو نہ دی رونے — کر کے باتاں تجھے ہنساتی رہی
تھا برس گانٹھ کا تجھے ارمان — لال باماں ترا سلاتی رہی
قاسم آیا ہے جب بھیانے کوں — میں تماشا تجھے دکھاتی رہی
لہو بھرا کیوں ترا چندر مکھ ہے — جس کوں ہاتوں سے میں صلاتی رہی

دودھ پیتا مرا گیا بالے — غم سوں چھاتی مری بھرآتی رہی
تجھ کوں بھاتی نہ تھی اندھاری ترا — تری خاطر دیوا جلاتی رہی
کرکے تعویذ دل اُوپر رکھتی — بد نظر سے تجھے چھپاتی رہی
کیوں نہ آخر ہوئی عمر میری — تجھ بنا حیف مج حیاتی رہی

اصغر کا ماتم

آج پرخون کفن ترا اصغر — آج سوکھا دہن ترا اصغر
لال ہے گلبدن ترا اصغر — حیف یو بالپن ترا اصغر

کیوں ہیں زلفاں کے بال تاروں تار — کیوں گلے سیں لوہو کے جاری دھار
تجھ کوں سوتے کبھو نہ لگتی بار — حیف یو بالپن ترا اصغر

اوٹھ گلے کا لوہو دھولاؤں میں — نیند آتی تجھے سولاؤں میں
چل ترا پالنا جھولاؤں میں — حیف یو بالپن ترا اصغر

کیوں جدا مجھ سیتیں کیئے تجھ کوں — پھر میں گودی لئے پھروں کس کوں
کیوں نہ لاگی بلا تری مجھ کوں — حیف یو بالپن ترا اصغر

اللہ اللہ کیا تجے پالا — من میں یوں تھا کروں گی بسم اللہ
ہاے تیر آگیا جیا بالا — حیف یو بالپن ترا اصغر

کس کا اب پالنا جھولاؤں گی — لولی دے دے کے کسے سولاؤں گی
کس کوں چھاتی سیتیں لگاؤں گی — حیف یو بالپن ترا اصغر

بی بی فاطمہ کا بین

آیا محرم اوڑتا دھولا را — روتا ہے عالم اس غم میں سارا
خیرالنسا نے تب یوں پکارا — میرا حسینا ناحق مارا

ہے ہے حسینا تیری جوانی — تھا قطب تارا تیری پیشانی
دوجا نہیں تھا کوئی جگ میں ثانی — میرا حسینا ناحق مارا

جب تشنگی سوں توں تلملایا — ساتوں سمندر تب کھل بلایا
نیں ظالماں نے پانی پلایا — میرا حسینا ناحق مارا

توں عرش کا تھا روشن ستارا — تیرا شرف تھا سب آشکارا
ہے آج تیرا سر تن سوں نیارا — میرا حسینا ناحق مارا

غم کے بادل

پھر گھٹا ہوئی غم کے بادل کی گگن پر آشکار — کربلا میں میگھ برسے لہو کے دھاراں بے شمار
تیغ چمکی سر اوپر بجلی کے مانند بار بار — کیا سماں ہے ہے پڑا سارا جہاں میانے اندھار

یہ جھڑی دس دن لگے گی ماہ غم عاشور ہے — کربلا کے موج غم سوں دل کی ندیاں پور ہے
نعرہ ہائے کہیں گرج کر آج نفخ صور ہے — چوطرف گھن گھور ہے لہو کی برستی ہے پھوار

نہیں نکلتا ہے سورج سوے نہیں سکھ کے نین — خون دل سوں جہاں ملک دیکھو ٹپکتی ہیں نین
ترپتے ہیں اشکباری سوں، لرزتے ہیں بدن — آہ کا ہر دم ہوا ہے گا، دلوں سیتیں پوکار

قاسم کی رخصت

از مراثی غلامی

غلامی نے ہاشم علی ہی کی طرح حضرت امام قاسم اور حضرت سکینہ کی شادی اور حضرت علی اصغر کی شہادت پر نہایت کامیابی کے ساتھ مرثیے لکھے ہیں اس کے یہاں زبان کی سلامت اور بندشوں کی صفائی نے ادبی شان میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے اگرچہ تخیل زیادہ بلند نہیں ہے لیکن اسلوب نہایت شاندار ہے۔

دولہا انجم آ کے گھیرے گا شاہ زمن کون آج — جلوے میں کیوں بٹھانے ہیں ابن حسن کون آج
گھونگھٹ میں سوگ آن پڑے گا دولہن کون آج — قاسم خدا کے واسطے مت جاتوں رن کون آج

غلطاں بخوں ہوئے ہیں سب احباب واقربا — [illegible] شہادت وہ مقصد ا
قاسم نے اذن حرب طلب کر کے یوں کہا — [illegible] کو رضا دو ہمن کون آج

رحلت کے دن پدر نے وصیت کیا مجھے — تجھ پر نثار ہونے نصیحت کیا مجھے
تاکید کر کے کام کی رخصت کیا مجھے — یہ سن انجھو سیں شہ نے کیے پر نین کوں آج

بولے اگر تجھے یو وصیت کیا پدر — حق میں ترے مجھے بھی جو کہے وہ نامور
لاؤں بجا میں حکم برادر توں کر صبر — یو بات کر طلب کئے سرور دلہن کوں آج

خیمہ میں اپنے لایا وہ دولہن کوں نوجواں   ہل من مبارز اہل ستم بولے ناگہاں
دست عروس چھوڑ کے قاسم ہوئے رواں   بولے خدا کوں سونپ چلا ہوں تن کوں آج

دامن پکڑ عروس لگے رونے غم سیتی   کہتے میاں ابھی سیں اوٹھانے ہو ہم سیتی
بولے کہ شوخی کرتے ہیں اعدا ستم سیتی   جا کر ہٹاؤں فرقۂ دو نسع دمن کوں آج

کہنے لگے کہ ہوتے ہویا ابن عمّ جدا   بیکس اکیلی چھوڑ مجے دوکھ میں مبتلا
تم کوں کریں شہید مبادا یہ اشقیا   بیوا ہو ترستی رہوں پھر میں ملن کوں آج

زنشہ ہیں کہ جیتے پھریں گے نہیں ہمن   دنیا کے بیچ پھر کے ملیں گے نہیں اپن
محشر اوپر ہے وعدۂ دیدار جان من   ہونا ہے پارہ پارہ ہمارے بدن کوں آج

پوچھے کہ روز حشر میں پاؤں تمہیں کہاں   دل بھر کے مکھ تمارا نہیں دیکھی در جہاں
کیونکر پچھانوں مجھ کوں بتا جاؤ کچھ نشان   نک بیٹھو تا کہ سن لو یہ میٹھے بچن کوں آج

یاراں بیاں یہ غم کا نپٹ بے شمار ہے   بہتر ز طول قصۂ غم اختصار ہے
لعنت دو ظالماں کوں ہزاراں ہزار ہے   جو دکھ دیئے ہیں عترت شاہ زمن کوں آج

ہے شش جہت میں غم شہ بیکس کا برملا   روتے ہیں انس و جن و ملائک دریں عزا
غم کی خزاں سکئے ہیں جنت میں کربلا   یکبارگی سوکھاتے ہیں سرو و سمن کوں آج

رونے میں مت قصور کرو رے موالیاں   آنسو یہ غم کا حشر میں نہیں جائے رائگاں
اجڑا ہے کربلا میں محمد کا خانداں   بے آب کر دیئے ہیں علی کے رتن کوں آج

ہرگز نہ رکھ توں خوف غلامی زماسداں   آل عبا ستی توں مدد مانگ ہر زماں
دیکھلاویں کربلا تجے آخر دو سروراں   جو آرزو ہے کہہ توں حسین وحسن سوں آج

(ایڈنبرا بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۱)

بی بی شہربانو کا الم

ظلم کیا ہے دشمن ہے ہے فلک کیا کیا   شہ سوں چھوڑایا وطن ہے ہے فلک کیا کیا

. . . .

اب میں جھولاؤں کسے چھاتی لگاؤں کسے   دودھ پلاؤں کسے ہے ہے فلک کیا کیا
نکلی ہیں سب از وطن کیسی ہوئی تھی گھن   گم ہوئے سارے رتن ہے ہے فلک کیا کیا
لوہو میں کیر مرا زخمیں بدن ہے پڑا   تن ہوا سر سوں جدا ہے ہے فلک کیا کیا
حال مرا زار ہے جیونا دشوار ہے   عابدیں بیمار ہے ہے ہے فلک کیا کیا
میری سکینا نڈھال پیاس سوں ہے خستہ حال   کیا کروں اے ذوالجلال ہے ہے فلک کیا کیا
آئی تو آئی کہاں بیٹی بیاہی کہاں   میرا جوائی کہاں ہے ہے فلک کیا کیا
شہ مرا مارا پڑا کوئی نیں والی مرا   بیوہ ہوی اے خدا ہے ہے فلک کیا کیا

(ایڈنبرا بیاض مرثیہ نمبر ۱۵۵)

لڑکی کی ضد

بانو پہ کربلا میں کیسا یہ دکھ پڑا ہے   گودن میں پیارا اصغر دودھ مرچلا ہے
ہور اند بیٹھی بیٹی وابا بد مرچکا ہے   سر کا چتر بھی ڈھلنا کوئی دم گزر رہا ہے

سمجھانا اوس بچی کا اس وقت کیا مصیبت   بابا بناں تڑپنا اور تشنگی کی شدت۔

"اے بیٹی! تیرے بابا کھانے گئے ضیافت" معصوم کا یہ سن کر دو چند جی جلا ہے

کہنے لگی کہ "اماں ستے ہے یہ کیا غضب ہے مرتی ہوں بھوک سیتی پیاسوں سیں جاں بلب ہے
ضیافت میں گئے ہیں بابا مجھ بن سو کیا سبب ہے بابا نے مجھ پہ شاید شفقت کوں کم کیا ہے

مجھ سیں کبھو نہ کرتے بابا مری جدائی اصغر کوں لے گئے ہیں مجھ سیں میا ادھائی
باور نہووے جو تم کوں بتلاؤ کاں ہے بھائی اصغر کا پالنا بھی خالی دیکھو پڑا ہے
(کہاں)

رو رو حرم میا سیں اوس طفل کوں مناتے ہر یک لے بر میں اوس کوں چھاتی سیتی لگاتے
کہتے تھے "تیرے بابا اب کوئی گھڑی میں آتے واللہ ساقہ شہ کے اصغر نہیں گیا ہے

سمجھا کتے ہیں سارے پن کرتے نیں وہ باور کہتے جو لے گئے نیں بابا نہیں کیوں اصغر
لاچار ہوکے تب اہل حرم نے یک سر اصغر کی لاش لاکر اوس کو دکھا دیا ہے

بھائی کو دیکھ روتے دوڑے ہیں بہر لینے ہر روز کی طرح سیں لاگے ہیں بوسہ دینے
کہتے کیوں آج بھائی نیں اوٹھتا دود پینے کیوں اوس کے پیرہن کوں تازہ لوہو لگا ہے

ہے بسکہ مرثیہ میں مذکور ظلم و بیداد اطفال شاہ دیں کا ہے شرح ظلم و بیداد
یاراں یہ مرثیہ کا پایا جو فیض داد بیداد نام اوسکا ساروں نے مل رکھا ہے

یہ مرثیہ لکھا جب اے دو جہاں کے مولا سینہ ستیں دھڑک کر غم کا اوٹھا ہے شعلہ
سب حاضریں کے مطلب شاہا شتاب برلا آمیں کہو محباں اب فیض کا نما ہے

اول وہ سب کی حاجت بعد اوس کے لطف کر کر　　مداح کمتریں کے سب مدعا دو سر ور
امرزش، پدر کی خواہش ہے دل کوں اکثر　　مادر کے تئیں شفا دو یہ مدعا بڑا ہے

سب ذاکراں میں کمتر ہے خستہ دل غلامی　　دو دو ادجلد ہرچند ہے عاصیاں میں نامی
پاوے گا اپنے شہ سیں دو مدعا تمامی　　جس آرزو کے غم سیں دن رات جل رہا ہے

(ایڈنبرا بیاض۔ مرثیہ نمبر ۹۹)

الوداع

(از مراثی مرزا)

مرزا کے مرثیئے مشکل زمینوں میں ہیں اور لطف یہ کہ پڑھنے والے ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کی زبان بھی زیادہ سلیس نہیں لیکن کلام میں اثر زیادہ ہے۔

الوداع اے الوداع شاہ شہیداں الودا
الودا ابن علی دو جگ کے سلطاں الودا

یو شفق یں ہے گگن پر صبح و شام اس درد سوں
نت بھراویں لہو سنے دامن گریباں الودا

اس جفا کے تیر بیٹھے ہیں گگن کے تن اوپر
نیں ستارے پھر یو سب دستے ہیں پیکاں الودا

یں ہیں تاراں سوں گگن تعریف لکھنے شاہ کا
اس ورق اوپر ملک کیتے ہیں افشاں الودا

شہ کا ماتم سن دریا کے موج نت نعرا کرے
غرق ہیں اس غم سوں سب لولو و مرجاں الودا

درد و غم شہ کا پتھر کے دل سنے کیتا اثر
تب سوں لہو میں غرق ہے لعل بدخشاں الودا

کان پتھر کچھ اچھے طاقت او نوکوں یوں کریں
اس وجہ خاصاں کو ازماتا ہے سبحاں الودا

جو کنول پانی میں ڈوبے تیوں ڈوبے شہ کے روکھوں
اس جگر کے لہو سنے دو چشم گریاں الودا

ہر محرم میں حسین کے درد کے تازے ہزار
دل اوپر مرزا کوں ہوتے ہیں یوں داغاں الودا

(ایڈنبرا بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۲۴)

دنیائے غم

ہوی نہ تہا لباس نیلا ہے سب محبا کے تن میں غم تیں
سیاہ پہیرا ہے پتلیوں نے ازل سوں جگ کے نین میں غم تیں

ہنوز زاری کا حق نہوتا ادا ہمارے گلے سوں بیٹک
بسان مینا ہو لوہو کی ہتیں اگر ہے سب کے بدن میں غم تیں

ملا تہا بلبل سوں میں سحر کر سنا ہوں احوال گلستاں کا
نہیں ہے کوئی گل بغیر نرگس و لے ہے گریاں چمن میں غم تیں

ختن کا احوال نسیم کہتا ہے جب کہ پہونچی ہے یہ خبر واں
ہوا ہے سودا سوں دل کے کالا او ہو غزال ختن میں غم تیں

حسن کا احوال عشق کے تئیں صدا نہ دکھلانے اس زمانوں میں
نین ڈوبے ہیں لوہو میں رو رو زلف پڑی ہے شکن میں غم تیں

خبر جہاں کی اتنک تیزی کی جب بدخشاں سوں گئی عرب میں
عقیق جتنے تھے سب لہو ہو کے بہہ چلے ہیں یمن میں غم تیں

یو مرثیہ بوتراب سیتی قبول پاوے تو کچھ عجب نیں
کہ روح قادر کی زار رو رو سے پڑے جو مرزا دکھن میں غم تیں

(ایڈنبرا بیاض - مرثیہ نمبر ۲۱)

ایک مسافر قیدی

از مراثی کاظم

کاظم کا اسلوب نہایت شگفتہ ہے۔ خیالات زیادہ گہرے نہیں
ہیں لیکن ادبیت اور مرثیہ پن دونو موجود ہیں جس کی ایک اعلےٰ
مرثیہ گو ہی سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کیوں یزیداں نے ستم بر سر سلطان کیا ۔۔۔ اوس رخ پاک کے تیں خوں سے گل افشان کیا
زلف جمعیت ایماں کو پریشان کیا ۔۔۔ دین کوں ہات سیں دے کفر پہ طغیان کیا

. . . .

. . . .

بستر خاک سیں اوس پیکر خونیں کو اوچا ۔۔۔ سینہ اپنے سوں لگا کر سر زانو پہ رکھا
بند سیں بند لگا ٹوٹنے دل کا ہر جا ۔۔۔ آہ سینہ سیں نکل چرخ پہ جولان کیا
آہ کر کہنے لگے اپنے جگر کا احوال ۔۔۔ کہ جدائی سوں ترے ہے ہدف تیر ملال
تا قیامت تلک اِس درد کا دارو ہے محال ۔۔۔ لاجرم گریہ و زاری کو میں درمان کیا
لے چلے مجھ کوں طرف شام کے وہ نار سیاہ ۔۔۔ صبح امید مری کر کے پریشان و تباہ
کیوں کٹے گی تری فرقت منے مجھ سوں یہ راہ ۔۔۔ یو عمل کافر بے دیں نے جو شیطان کیا

. . . .

لے چلے اون کوں طرف کوفہ کے واں سیں تا شام ۔۔۔ جو کچھ اوس رہ منے گذرا ہے جفا اون پہ تمام
کیا لکھے کاظم غمناک قلم کا نہیں کام ۔۔۔ غیر تسلیم جو کچھ ایزد رحمان کیا

(انڈیا آفس نمبر ا بیاض ۔ مرثیہ نمبر ۶۶)

خبر لو علی ولی

(از مراثی کاظم)

تم اپنے دلبراں کی خبر لو علی ولی — بے تاج سروراں کی خبر لو علی ولی
نیزوں اوپر سراں کی خبر لو علی ولی — ظلم و ستم گراں کی خبر لو علی ولی

آرام دل سکینۂ بے تاب کوں نہیں — انکھیاں میں اوس کے راہ دیکھو خواب کوں نہیں
کہیں انتہا یو درد کے اسباب کوں نہیں — غم ہائے بے کراں کی خبر لو علی ولی

جن کو سولاتے گود میں، رکھتے تھے دوش پر — دریائے خون سر سیں چلا اون کے جوش کر
کیا صبر کر رہے ہیں دو لب کوں خموش کر — اوس ناز پروراں کی خبر لو علی ولی

ہے سر پہ اون کے تیغ کوہستان کے روش — دل خوں ہوا ہے غم سوں بدخشان کے روش
برسے انجھو نین سیتی نیسان کے روش — اوس پاک جوہراں کی خبر لو علی ولی

گلزار احمدی پہ چلی صرصر خزاں — کانٹوں پہ سوگوار ہو بیٹھے ہیں بلبلاں
ہر سرو راستی پہ کریں نوحہ قمریاں — بیدل صنوبراں کی خبر لو علی ولی

دریائے خوں میں غرق محباں ہیں شاہ کے — تا آسماں بگولے اوڑاتے ہیں آہ کے
آتش لگے ہے خرمن ہستی میں ماہ کے — اوس خاک بستراں کی خبر لو علی ولی

دنیا منے ہے بس کہ محباں اوپر ستم — طاقت نہیں ہے اون کا بیاں جب لکھے قلم
فضل و کرم سیں اپنے، یو سن ماجرائے غم — کاظم سے مضطراں کی خبر لو علی ولی

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۴۔)

مرثیہ

از مرائی ذوقی

ذوقی کے مرثیے زیادہ تر غزل نما ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سلیس ہے مطالب عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں لیکن اثر کم معلوم ہوتا ہے۔

اے شمع بزم مرتضیٰ گھر آج آتے کیوں نہیں ... تاریک ہے تم بن جہاں جلوا دکھاتے کیوں نہیں
وو دو جاہل دو زخ وطن آئے ہیں بادل کے نمن ... جوں برق تیغ صف شکن شہ جگمگاتے کیوں نہیں
وہ شمع بزم مصطفیٰ باد اجل سوں گل ہوا ... سب سوز دل سوں تن سدا یاراں گلاتے کیوں نہیں
چھوڑو سکل دنیاں کے کام دس ن تلک اے خاص عام ... ماتم کے آتش میں مدام تن کوں جلاتے کیوں نہیں
سنتے ہو تم اے مومناں شہ کی شہادت کا بیاں ... سب خاک و خوں کے درمیاں تن کوں ملاتے کیوں نہیں
ذوقی تمارا ہے غلام از فضل و کرم سے یا امام ... اپنی زیارت کوں مدام اس کوں بلاتے کیوں نہیں

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ٢١٣)

امام حسین اور بی بی شہر بانو

تمارا اتم تخت گردوں پر درا ماہِ حسن ... فوج غم نے ملک دل ویراں کئے ہیں چوکدھن

. . . .

تب ہزاراں درد و غم سوں شہر بانو نے کہا ... مجہ کوں کس کوں سونپ کر جاتے ہو اے سرو تمن
تم بناں اے جان جاناں کیوں کروں میں زندگی ... تم بناں کس کوں کہوں میں یہ اپس کا دکھ کٹھن
تم بناں ہر روز مجہ سینے منے یک سال ہے ... تم بناں ہر رات غم سوں مجہ اوپر ہے یک قرن
شہ نے فرمایا کہ کچہ نہیں چارہ جز صبر و شکیب ... ہے تمارا یاور اس غم میں خدائے ذوالمنن
تم کوں روتے سوں نہیں کرتا منع اے غم گسار ... مو پریشاں مت کرو اور پارہ پارہ پیرہن

. . . .

گرچہ اے ذوقی ترے بے حد گناہاں ہیں ولے ... شکر للہ ہیں شفیع روز محشر پنجتن

—— (بیاض مرثیہ نمبر ٢٢٣)

ظلم دشت کربلا

از مراثی رضی

رضی ٹھیٹ مرثیہ گو شاعر تھا۔ اُس کے کلام کے انتخابات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ادبیت کی معلق پروانہ کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سوز و گداز موجود ہے۔

نالۂ وفریاد و دوا ویلا ہے اے پروردگار　　غم سیتی آل نبی کا دل ہوا ہے بے قرار
ظلم دشت کربلا میں دیکھ بے حد و شمار　　او ستی محشر تلک روتے ہیں دوکھ سوں زار زار

داغ غم سوں شاہ کے ہر ہر طرف کھیلا ہے باغ　　لالۂ خونی کفن ہے دل میں تب سوں داغ داغ
پھول بن میں جب ستی پایا ہے اس غم کا سراغ　　جامۂ اپنے بدن پے پہنا ہے سوسن سوگوار

ماتم شہ سوں پڑی خرمن پہ دل کے بیجلی　　تب ستے حاصل ہوی افسوس ہم کوں بے کلی
نین جوں بادل کئی، ہو رواہ جیسے بانسلی　　غم کے جنگل میں بجاتا ہوں سدا بے اختیار

آج خاطر جمع کہاں ہے مجھ پریشاں حال کی　　گرچہ ہے ترک ادب تفسیر اس اجمال کی
ایک عاشورا قیامت ہے نبی کے آل کی　　دیکھ تن سوں سر جدا جیوں آفتاب نیزہ دار

نہیں رضی معلوم راز حق تعالیٰ کا سبب　　نور چشم ساقیِ کوثر بہوت ہو مضطرب
چشم تر جوئے فرات اوپر کھڑے جب تشنہ لب　　نوح کا طوفاں مگر او سوقت ہوتا آشکار

(بیاض - مرثیہ نمبر ۲۳)

میرا دل

(از مراثی رضی)

غم سوں ہے بے قرار میرا دل — دکھ سوں ہے زار زار میرا دل
گلشن غم میں ہے شہیداں کے — لالۂ داغدار میرا دل
یشہیداں کے زخم غم سیتی — شق ہے جوں ذوالفقار میرا دل
بجلی پڑی ہے جب سیتے — تب سوں ہے شعلہ زار میرا دل
بسمل نمن تڑپتا ہے — ہو کے غم کا شکار میرا دل
گرد غم سوں امام کے اے رضی — کیوں نہ ہو پر غبار میرا دل

(بیاض - مرثیہ ۱۹۴)

ماتم امام زادہ اصغر

از مراثی ندیم

یہ خاص طرز کے مرثیوں سے ہے۔ قدیم اردو شاعر بعض وقت غزلیں بھی اس نوعیت کی لکھتے تھے۔ زبان نہایت پاکیزہ ہے اور ساتھ ہی پُر اثر مرثیہ ہے۔

ہے ہے اصغر ابن حسین سونا تیرا پالنا ۔۔۔ رو رو بانو کرتے ہیں بین سونا تیرا پالنا
تجہ بن بانو ہیں بے حال، کھویں بکھرے سر کے بال ۔۔۔ کہتے، ہے ہے میرا لال، سونا تیرا پالنا
تھا تو شہ کا من کا چاؤ، مجہ دکھیا کے من کا بھاؤ ۔۔۔ کاری ہے مجہ دل پر گھاؤ، سونا تیرا پالنا
تھا جو تجہ پر ایسا گھات، مجہ کوں بی لیجانا سات ۔۔۔ اصغر مجہ سوں کر کچہ بات، سونا تیرا پالنا
تھا مجہ دل میں یہ ارمان، سالگرہ کرتی سامان ۔۔۔ تجہ کوں تھا یہ برس ندان، سونا تیرا پالنا
چھاتی کوں کس لاؤں میں، کس کوں دودہ پلاؤں میں ۔۔۔ اصغر تجہ کہاں پاؤں میں، سونا تیرا پالنا
کیونکر دیکھا تیرا دکھہ، تجہ پر بھاری ہردم دکھ ۔۔۔ جیونے کا اب کیا ہے سکھ، سونا تیرا پالنا
گودی میں اب کس کوں لوں، کس کوں تجہ بن لوری دوں ۔۔۔ گورمیں جا کر سویا توں، سونا تیرا پالنا
تجہ بن جوگن کا کر بھیس، رآکھ لگا موں کھولے کیس ۔۔۔ تجہ کوں ڈھونڈھوں دیس بدیس، سونا تیرا پالنا
دکھ کی کنتھا پہنوں تن، غم کی دھونی جالوں من ۔۔۔ تجہ بن مجہ کوں گھر ہے بن، سونا تیرا پالنا
غم سوں تیرے روؤں زار، اصغر اصغر کروں پکار ۔۔۔ جیونا مجہ کوں ہے دشوار، سونا تیرا پالنا
آج ندیم اس غم کے بین، کرتا انجھواں بھر کر نین ۔۔۔ اصغر شہ کے نور العین، سونا تیرا پالنا

(ایم نمبر ابیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۲۲)

اصغر کی ماں

(از مراثی ؔ فرؔ)

نہایت پُراثر اور حقیقت حال کو ظاہر کرنے والے مرثیوں میں سے ہے۔

سیج جھولے کی میں بناتی تھی — بالے اصغر کوں تب جھولاتی تھی
جب دولارا وہ نیند بھر سوتا — دودھ پینے کوں میں جگاتی تھی
پھر چھیاں سب تے اوسکے جایاں تھیاں — چاؤسوں جب اوسے اوچاتی تھی
میں جب اصغر کوں گود میں لیتی — پھولے نیں آنگ میں سماتی تھی
پانی بن خشک ہو گیا ہے شیر — دیکھ اصغر کوں تلملاتی تھی
آج بالک مرا نہیں دستا — باس اوس کی مجھے بھی آتی تھی
ظالماں سنگدلوں نے مارا تیر — سخت فولاد اون کی چھاتی تھی
تیر گذرا گلے سوں اصغر کے — ہائے کس دکھ سوں جان جاتی تھی
شاہ بھر کر لے آئے اصغر کوں — بولے یوں کر "اپنی جیاتی تھی"
آج جنگل میں توں اکیلا ہے — رات دن میں تری سنگاتی تھی؟
آج کہہ کیا پکاروں کہہ مجھ کوں — تب میں اصغر کی ماں کہلاتی تھی

شہر بانو کے شور کی آواز
اے اشرف لامکاں کو جاتی تھی

بی بی فاطمہ امام حسین کے غم میں

(از مرا ثی قایم)

یہ اگرچہ زیادہ ادبی مرثیے ہیں لیکن سوز و گداز کی وجہ سے قابل قدر ہے۔

تجے فاطمہ آ بولا دیں حسین　　　ترے بن کیتا تلملا دیں حسین
ڈھونڈیں بے خودی سوں پنا دیں حسین　　　رو دیں ہاتہ مل حیت کھادیں حسین

کہیں مرے جیو کے پیارے کہاں　　　مجھے چھوڑ اکیلا سدھارے کہاں
دیکھو مجہ دکھی کے دو کھیارے کہاں　　　سبب کیا نہیں آج آویں حسین

پلا تھا مرے گود میں وو سدا　　　ہوا نیں کبھو مجہ سوں یک تل جدا
ہوا کس بلا میں وو جا کر ملا　　　کہ نہیں آ نجے مکہ دکھاویں حسین

دریغا مجے چھوڑ نیارا ہوا　　　اکیلا کہاں جا بچارا ہوا
یو غم اس کے جیو میں انگارا ہوا　　　لگے دوں سینے آ بو جھاویں حسین

ہے قایم غلامی میں امیدوار　　　گناہاں میں غرق گرچہ ہے بے شمار
ہے محشر کوں حامی مرا برقرار　　　شفاعت جو کر کر چھڑاویں حسین

(بیاض - مرثیہ نمبر ۵۲)

ایک نئی طرح کی شادی

از مراثی سید

یہ بالکل نئی طرز کا مرثیہ ہے موت کو شادی کی صورت میں پیش کرنا انتہائے رجائیت ہے۔

ماہ محرم میں دیکھو چندا ہو ماتی آئیا — تارے گگن کے گوند کر سہرا جو شہ کوں لائیا
کنگنا ستم کا باند کر روکہ کا او بنا کوں لگا — حیرت کی چوکی کے اوپر انجھواں سے تن نہلائیا
دونا حینا اچھوٹ تر رنگ، سر ڈال کمنا نور کا — سارے براتی سات لے دولہن کوں بجیا دھیانیاں
باجے جنتر دین کے غم کے نغیریاں کا ہے غل — ملعون لشکر لسی منڈف تیروں کا چھائیا
اپنے لوجیو کوں وار کر دیوے دھنگانا یس کا — ہر یک نے شہ کے سنگ سوں خلعت سہانی پائیا
قاضی قضا کا عقد جن، کر ختم شرطاں شرعیاں — ڈھالاں کے خواناں کر انگیں، شمشیر جو بجا کھائیا
تھا بر دشت کربلا، ظلمات بحر خون کا — ہیں پیاس میں طفلاں سکل پانی سیتی ترسائیا
آکر شتا موت کی، دولہن شہادت کی بنا — تقدیر کے سو تخت اوپر، شہلا کے جلوا لائیا
سید سنا شہ کا سدا، میدان تر کرنے بدل — نینوں کی مشکاں اشک سوں بھر بھر کے نت چھڑکائیا

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۲۲ سرا)

مرثیہ

(از مرزا قلی امامی)

زبان اس قدر صاف ہے کہ دھوکہ ہوتا ہے کہ کہیں انیس کے کسی ہمعصر نے تو نہیں لکھ دیا

کیا ظالماں نے ظلم کیا بے حساب آج　　　منظلوم کربلا میں ہیں خالی جناب آج
اس غم سوں مومناں کوں ہوا پیچ و تاب آج　　　گویا علی کے گھر کا کھولا غم کا باب آج

تھا آئینہ رسول کو درشن حسین کا　　　ہے وہ جفا کی گرد میں درپن حسین کا
زخماں کے جوہراں میں دسے تن حسین کا　　　دستا ہے جوں شفق میں نول آفتاب آج

کیوں عرش فرش پر نہ گرا بے قرار ہو　　　کیوں تاب لا سکے نہ فلک دیکھ ظلم یو
مینا سے قد کوں شہ کے شکستہ کیا دیکھو　　　سنگیں دلاں نے ظلم کی پی کر شراب آج

یارب (بہ) حقِ خواجۂ کونین مصطفےٰ　　　یارب (بہ) حق فاطمہ ناموس مرتضیٰ
یارب (بہ) حق جملہ امامانِ مجتبیٰ　　　برلا ہر یک مراد امامی شتاب آج

(بیاض - مرثیہ نمبر ۱۲)

پژمردہ پھول

(از مراثی روحی)

یہ ایک مرثیہ نہیں بلکہ غزل معلوم ہوتا ہے اور ادبی حیثیت سے قابل قدر ہے

آج غمناک ہیں چمن کے گل — بلکہ دل چاک ہیں سمن کے گل
غمزدہ سینہ داغ بے سراں ہیں — نرگس و لالہ یاسمن کے گل
یوں نہ لائے شفق کے دستے ہیں — لہو میں ڈوبے ہیں سب گگن کے گل
جب سنے شہ کی بات مجلس میں — جل بجھے شمع انجمن کے گل
نقش پا دیکھ دل ہوس رکھتا — سر پہ رکھنے کوں تجھ چرن کے گل
خوش لگے تجھ طبع سیں اے روحی — دل کے باغاں تے سخن کے گل

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۹۰)

ایک مرثیہ

(از مراثی نظرؔ)

یاراں ہزار حیف رسولِ خدا نہیں — اور فاطمہؑ، علیؑ، و حسن مجتبا نہیں
تنہا حسین رن میں، کوئی آشنا نہیں — بازو نہیں، رفیق نہیں، دلربا نہیں

اصغر کوں غم نے گود میں لیکر منگے جو نیر — ملعون نے جواب میں مارا ستم کا تیر
بیداد کیا کیا تری تقصیر، یو صغیر — سیانا نہیں، زبان نہیں، دست و پا نہیں

کہنے لگا ہے جب سوں الم کے نظم میں بیت — دنیاں کوں ڈال اس سیں سکے توں بول اس الم میں بیت
دو جگ سنے نظرؔ کوں بجز حب اہل بیت — مقصد نہیں، مراد نہیں، مدعا نہیں

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۳۲)

غم شاہ عالی

(از مراثی قادر)

ہوا شہرت محرم میں یو غم ہے شاہ عالی کا
کہ ہے فرزند پیارا وہ دونو عالم کے والی کا

ہجو پا ہے دین کا چندر کہ جسکے سوگ سوں جگ کے
فلک ہر ملک میں تانے شمیانا رات کالی کا

ستارے سب یہ قدسیاں نے ملا کر سب گگن اوپر
حسین کے عرس کو اس باندھے منڈف موتیاں کی جالی کا

نہیں یو اشک شبنم سوں کھوے ہیں آ کے گل ہو
دیکھو غم کے چمن سیانے لطافت غم کے لالی کا

قیامت کا نمونا قادر تزلزل جب کرے ظاہر
مچے تقویٰ تب آخر ہے حسین سرور دوالی کا

(بیاض۔ مرثیہ نمبر ۱۲۷)

اُردو شہ پارے

جلد اوّل

حِصّۂ نثر



قطعہ چہارم - عید اور نوروز

معرفت کے پردے

از

معراج نامہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ

تصوف کی عام عبارتوں کی طرح اس کا اسلوب بھی پیچیدہ ہے بعض جگہ الفاظ سمجھ میں آتے
اور عبارت بے ربط معلوم ہوتی ہے تاہم یہ عبارت اس لئے قابل غور ہے کہ قدیم ترین کہلا
جاسکتی ہے۔

تحقیق خدا کے میانتے ستر ہزار پردے اوجیالے کے ہور اندہارے کے نہی کہے۔ اگر اس میں تے یک پردہ اٹھ جاوے تو اس کی آنچ تے میں جلوں۔ ہور یک وقت ایسا ہوتا ہے سمجھو اور دیکھو بے پردا اندہارے کے اوجیالے کے عارفان پر ہے و لے واصلا پر پردے نورانی و بے واصلان کا صفا پردا ہوتا ہے۔ سو محمدؐ کا نور اے عزیز یا ول ربوبیت کا پردا سوائے تن جمالی جسم کے پردے کوں انپڑے باج اس جمال الوہیت کے پردے ممکن الوجود کوں انپر سکے۔ الوہیت کے پردے کوں انپڑے عارف الوجود کوں انپڑ سکے اس روح القدس کے پردے کوں انپڑے باج اس کبریائی کے پردے کوں بہتر جیا گا دولو عالم اسے دیکھنے کے معنے یوں محمد دیکھے جو آفتاب کے اوجیالے میں تارے اچکر نہیں دستے یوں ہی دونوں عالم کوں یوں آفتاب ہو نیکر اسے معلوم ہوئے گا۔ قولہ تعالیٰ کل من علیہا فان۔ خدا دونوں عالم اچکر دستے ہیں۔ تو معلوم ہوئے گا اس کے معنی دایم خدا تیاں کون ویبقیٰ وجہ ربک اس کا معنی دایم خدا تعالیٰ کا دیدار بقا کرے قال علیہ السلام۔ لا یدخل احد فی عبادۃ حتیٰ لا یدخل نفسہ فی عبادۃ حتیٰ عبادۃ نفسک ہے۔ حضرت جبرائیل خدا تے یو حکم ایک لائے۔ دع نفسک و تعال اس کا معنی ستر ہزار پردے سیر کر لوائے۔

ایمان

از

رسالہ سہ بارہ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

سوال۔ ذاتی ایمان کونسا اور صفاتی ایمان کون۔
جواب۔ اگھنڈا حال ثابتی ہے۔ سو ذاتی ایمان وہ ہے ثابتی آتی اور جاتی ہے۔ سو صفاتی ایمان۔
سوال۔ ایمان کے جھاڑان کیا اور ایمان کے ڈالیاں کیا اور ایمان کے پات اور ایمان کا وطن کیا اور ایمان کا بیج کیا اور ایمان کا پوست کیا اور ایمان کا سر کیا۔ اور ایمان کا جیو کیا۔
جواب۔ ایمان کا جیو قرآن۔ ایمان کی جڑ توبہ۔ ایمان کی ڈالیاں سو بندگی۔ ایمان کی پات پرہیزگاری۔ ایمان کا تخم سو علم۔ ایمان کا پوست سو شرم۔ ایمان کا وطن سو مومن کا دل ہے۔
(رسالہ سہ بارہ حضرت خواجہ بندہ نواز رح مخطوطہ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر)

لوازمِ عشق

از

سب رس مصنفہ شاہ میران جی

عشق کے اسرار بالعموم ایسے اسلوب میں لکھے جاتے ہیں جنکو عوام آسانی سے نہیں سمجھ سکتے لیکن ذیلی انتخاب میں مطلب کی گہرائی کے ساتھ ساتھ عبارت کی سادگی مصنف کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

"جکوئی عاشق کون اس سات چیز تے منع کرے خدا تعالیٰ اسے دنیا میں سوں فنا کرے خوشبو دیکھ راگ سن، ریجہ، خوشبوئی، خوش کر کیف کہا۔ بے پرواہ اور شعر پر خدا کوں بہوت یاد کر۔ محبت سوں بدہا اپنے کام میں مشغول رہ کس سوں نکو جھگڑ، یہاں آرام، یاں کام، یاں حال، یاں وصال، یاں یو کہہ رے، بالے جو کچھ توں دیکھے گا سو سنے گا۔ سو سب ورد سیر ہے مشاہدی۔ مراقبی میں رکھتیا سیر طیر میں توں رہے گا، اس زمانے میں کشف کرامات ہوا جو تجھے ہوے کا یو جوں کیمیا کرے سکا دھندا نہیں، ہوتا اور ہوا آپچہ کا کردل پر آتا۔ سیدھے بات پکڑ کر کو آں توں کوں، زبان میں کائی کون جاتا، اول تجھے جو کوئی سکھلاتا ہے، اسے بوجھ، توں منجھیں سکلاتا سو تجھ پر کھلا ہی اس کا کام اس پر نہیں کھلیا، سو تجھ پر کیا کھلیگا توں کیا سمجھ کر بھولیا ہے'۔ بھو سکیگا تو ادھر ادھر کیا چار حکایتاں۔ اس حکایتاں سوں کیا حاصل، جس کام کوں توں دوڑتا ہے اد کام ناں ہوئے تو اس باتاں سوں تجھے کیا حاصل توں دنیاں کے دھندے میں ہلکیا ہے اور اس کی بات بھی آزاد ہے۔ وہلے یو خبر ہے کہ اس کی بسر نین میں بھی اسی کا یار ہے، اور ایسی اپی آپ کون یاد دلاتا ہے توں بھی اسے یاد کر۔ عاشق تو اسے بسر نکو، اس کی یاد سوں دل کوں خشاد کر اور ایس کون آپی یاد دلاتا سو ایس کوں دکھلاتا ہے، کہ یو دیکھو یو میری صورت ہی تجھے دیکھ کا کون بے دل ہوتا ہے میں آتا۔ تیرے نزدیک ہوں، اور توں تو مجھے نہیں دیکھتا۔

نبی اور ولی

از

سب رس مصنفہ وجہیؔ

عشق خدا کون بھید پایا تو اس کی خاطر آسمان زمین ہویدا کیا، عشق خدا کوں بھید پایا تو اپنا حبیب کر محمدؐ کون پیدا کیا۔ اگر محمدؐ نا ہوتا تو آسمان زمین نا ہوتا، اگر محمدؐ نا ہوتا تو ماہ و پروین نا ہوتا۔ اگر محمدؐ نا ہوتا تو دنیا ہور دین نا ہوتا۔ جس کے نور تے عالم نے پایا روشنیٔ لولاک لما خلقت الافلاک کا دھنی۔ اول خدا ہے بنی دوم، سویم ہے ولی، یو تین ناؤں نکلتے مومن کے دل کون تجلی۔ محمدؐ کوں جس رات ہوئی معراج۔ وہاں دوسرا نہ تھا۔ کوئی علی باج۔ گیان دھیان کے کام تمام محمدؐ نے لیایا، جو کچھ پانا تھا۔ سو محمدؐ نے پایا۔ جو کچھ محمدؐ نے پایا۔ سو علی کوں سمجھایا یو سچ علی کی تعظیم آیا، علی خدا کوں بھایا، رسول کوں بھایا۔ محمدؐ نبی علی ولی، نبوت خدا کی پیشوائی ولایت محبوبی ہور استغنائی، نبوت کارسازی، ولایت بے نیازی۔ ولایت ہار گلے یار کا۔ نبوت دھندا گھر دار کا۔ ولایت اگر نبوت آئی، نبوت آئی تو کیا ولایت جاتی۔ فرق دھندے کا ٹک بیارے آتا کسے کچھ سپڑتا۔ کوئی کچھ پاتا۔

دُنیا جھوٹ ہے

از

سب رس مصنفہ وجہی

اس انتخاب میں دنیا داری کے بڑے کامیاب گر نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

اس انتخاب کی ادبیت بھی قابل قدر ہے۔

یعنی دنیا جھوٹ ہے۔ نہیں حاصل جھوٹ بغیر ہوتی۔ یہ حدیث تو فکر کو کہیں کا کہیں لیجاتی اس ٹھار عاقل کے عقل کو بھی قرار نہیں ہے۔ یہ اس میں رہیں گے ٹھار نہیں ہے۔ خدا کا یہ کام راست لاوے کسی کے بھاندے نا بھاوے، جتنی دوستی جتنی یاری اچھے تو بی (بھی) جتنی محبت اور اہور، جتنی مروت جتنی دلداری اچھے توبھی اپنی جاگا (جگہ) بہت سادھیٹ (تدر) رہنا جلکوئی (جو کوئی) اپنی دوستی دکھلاوے تو اپے (آپ) اپے دوستیج کہنا۔ جوں حافظ شکر جتر سوں جان غیب کی بات بولنہارا (بولنے والا) کہ با دوستان مروت با دشمناں مدارا۔

منھ پر بھوتیچ دوستی دہرنا مو نہہ پراستی بھی محبت کمال چار زیادیچہ یاتاں کرتا اس کے ادہرے اس کے ادہرے خوب آتا تو تمہارے ادہرسے بھی خوب اتا۔ نیں تو چار باتاں کرنے تمہارا کیا جاتا۔ مقصود جان اچھو تان دلے مون پر ہاں کو ہاں۔ غرض اپے اپنی سمجھ سے اچھے تو کچھ برا نہیں ہے۔ اپنا تمام کام سمج سے اچھے تو کچھ برا نین ہے۔ ہشیاری مرداں کو بہت پیاری جو دکھن میں مثلاً مسئلہ چلا ہے کہ میاں میٹے دنیا میں رہتے۔ ہاں کو ہاں۔ نین کو نیں کہتے اس گردش فلک میں کیا جانے کیا ہوتا ہے۔ ایک پلک میں کیا جانے کیا ہوتا۔"

طالب تحقیق

از

رسائل شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ امین کی تصنیفات اگرچہ بعد کی زمانہ کی پیداوار ہیں لیکن ان کی عبارت میں خاصی تنقید پائی ہے۔ انتخاب ان کی عام طرز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔

لو ج اے طالب تحقیق اس لاہوت کے مقام میں اکر واصل ہوا سو اسکوں حاصل ائے گی سو۔ تجلی بھانت بھانت کی رویش ہے۔ اس کے تیئں اس کی استعداد کے مناسب حاصل ہو ویگا یعنے ازل کی موافق حاصل ہویگا۔ اس لاہوت کتی سو مقام پونچا سو اس کے تیئں نہایت تجلی اس کے تیئں اعیان ثابتہ سوں ظاہر آتا اس وجہ جو کوئی اپن اعیان ثابتہ کون آکر پاویگا او نہایت کون پایا سو ہویگا۔ اور بھی بوج ای طالب تحقیق نہیں۔ ادیر کا مذکور ہور مقام یاد سوں کرے۔ یک کی پچھین بیک پی دری آنا تمام کب تک مریداں ہودیں گی سوت کتی سو مقام میں کی کی شغل میں ہور گرفتار ہو کر بھریگا۔ اس وجہ سے کی گرفتاری میں اللہ تعالی جذب لیسین اس کے تیئں لاہوت میں واصل کراویگا۔

پچاسواں بیان

از

شمایل الاتقیا - میران یعقوب

یا ایہاالذین آمنوااصبروو وصابرو ورابطو۔ یعنی اے مومنان صبر کرد ہور استوار اچھو تہیدات اس آیت میں تن ہور دل ہور روح۔ یو تینو صبر کرو کر حکم ہوا یعنی صبر کرد تن سوں خدا کی طاعت پر۔ یعنی فرمان) برداری رہو ہور صبر کرد اپنے دل سوں خدا کی بلا پر ہور استوار اچھو اپنے روح ہور سر سوں، خدا کے دیکھنے کے شوق ہور محبت پر۔ صبر تین روز کا ہے۔ پہلا الصبرفی ا ہے یعنے خدا کی بات میں صبر کرے۔ یعنی اس کی بات میں رہے۔

دوسرا الصبر للہ ہے۔ یعنی یو اخلاص ہے۔ یعنی خدا چہ خاطر صبر کرے۔

تیسرا۔ الصبر مع اللہ ہے۔ یعنی خدا سوں صبر کرے اور دایم کا مشاہدہ ہے یعنی ہمیشہ۔ اس کے یعنی ہمیشہ اس کے دیکھنے میں رہے۔ صبوری خدا کے سات رہنا ہے کہ ان اللہ مع الصابرین یعنے خدا صابران کے سات ہے۔ خواجہ برہان الدین کہے کہ صبوری سو خدا کی صفت کا غلبہ ہے۔ نفس کی صفت کے غلبے پر یعنی صبوری تھے نفس مغلوب ہور عاجز ہوتا ہے" اکثر گناہ دو چیز تھے ہوتا ہے۔ اپنے پیارے چیزاں سے تھوڑا صبر کرتے ہیں۔ اور اپنے بھالے چیزاں پر تھوڑا رہتے ہیں۔ قول خواجہ برہان الدین۔ بندہ ضعیف ہے صبر نا کر سکے وے تصبر کرے یعنی کوشش سوں صبوری کا ورزش کر سکے رسالہ قشیری صبوری در (وضع) کی ہے ایک صبر بندے کے کرنے ہور کوشش سوں ہے دوسرا امر نہی رہنا ہے۔ دوسرا صبر اس کے کرنے تھے نہیں سو خدا کے بلایاں ہور رنج پر اچھنا ہے دیگر خدا فرمایا ہے۔ وصبرک الا باللہ یعنی تیرا صبر خدا سوں ہے یو عبودیت ہے یعنی خدا سوں اچھ۔ جیکوئی اللہ کے درجے تھے ترقی کرے سو باللہ درجے کو اپڑے یعنی عبادت کے مقام تھے عبودیت کو پونچے للہ یعنی خدا کی خاطر اچھے باللہ یعنی خدا سوں اچھے۔

ایک مصنوعی عورت

از

طوطی نامہ

یہ اور اس کے بعد کے دو نثری ٹکرے طوطی نامہ کے ایک نامکمل دکھنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ جس کا ایک نفیس مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ دراصل دراصل فارسی طوطی نامہ کا ہے۔ اور اس میں ہر سطر کے نیچے غالبًا مالک کتاب نے بالکل لفظ بہ لفظ اردو ترجمہ لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ کتاب کے آخر میں اگرچہ یہ ضرور لکھا ہے کہ ابوالفضل بن مبارک متوطن لاہور کا طوطی نامہ ختم ہوا۔ لیکن کاتب کا نام اور مقام اور سنہ کتابت کچھ نہیں لکھا۔

اردو ترجمہ کے رسم الخط اور کاغذ وغیرہ پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ترجمہ کافی قدیم ہوگا اور یہ بھی کہ یہ دراصل مترجم ہی کے ہات کا مسودہ ہے۔ تین چوتھائی کے قریب کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیوں مترجم کام جاری نہ رکھ سکا۔

اس مخطوطہ کا اردو رسم الخط نہایت ہی عجیب ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آیندہ تحقیقات کرنے والوں کو اس سے کوئی فائدہ پہونچے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس کی چند خصوصیات درج کر دیتے ہیں۔

ڑ اور ڈ کو ہمیشہ ڑ اور ڈ لکھتا ہے۔

دلی، گلی، لکڑی وغیرہ الفاظ کو ی معروف کے لئے ہمیشہ دلے۔ گلے۔ اور لکڑے لکھتا ہے۔ کرے، کے، میرے وغیرہ الفاظ کی ی مجہول کے لئے ہمیشہ کری، کی، میری لکھتا ہے (گویا ی کا املا) آج کل کے رواج کے بالکل برعکس تھا)

جملوں یا فقروں کے بعد وقفہ ظاہر کرنے کے لئے اکثر اس علامت کا استعمال کرتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظ بہ لفظ کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے بعض جگہ عبارت میں پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے جس کو خود مترجم نے بھی کئی جگہ محسوس کیا ہے اور جس کو دور کرنے کے لئے خود ہی قوسین اس کا مطلب بھی لکھدیا ہے۔

ایک مصنوعی عورت سے کسی قسم کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ قدیم اردو نثر کی

بعض خصوصیات ظاہر کرنے کے علاوہ یہ انتخاب اپنے قصہ پن کی وجہ سے بھی غالباً دلچسپ ثابت ہوگا۔
خود طوطی نامہ کے پلاٹ کے متعلق کچھ لکھنا یقیناً بے سود ہے کیونکہ اس کے ایک سے زیادہ اردو
ترجمے شایع ہو چکے ہیں۔ اور اردو دان اس کی نوعیت سے کم و بیش واقف ہیں۔

نقل چھٹی سنار اور بڑائی اور پرہیزگار اور درزی کی' اور صورت لکڑی کی' اور عاشق ہونا سات عاشق کا۔ سات عاشق کا اوپر اس صورت کے اور جانا ان سات عاشقان (پیکر چوب کا آگو جہاڑ کے اور بے نصیب رہنا وہ سب عاشقان کا۔ (یعنے بیتی باتان اسی داستان میں ہیں ۱۲)

جب ستارہ بڑا (یعنے آفتاب) طرف مغرب کے دوڑیا اور اندھارا رات کا میدان جہاں کے تیں کالا کیا۔ خجستہ واسطے طلب کرنے رخصت کے دوڑیا۔ طوطی کے گئی۔ طوطی بولی کب تک عاشق کے تیں بیچ جلن کے چاہے گی توں رکھنے چلا یا (یعنے ملاقات کر) ایسا نہ ہووے کہ خبر مرد کو تیرے پہونچے۔ اور میرے تیں مانند جبڑ جہاڑ کے کاٹے اور توں مانند سات یار کے محروم رہے توں۔ خجستہ پوچھی کیونکر تھی وہ نقل۔ طوطی بولی'۔

بڑائی اور سنار اور درزی اور پرہیزگار مسافری کو نکلے' اور ایک رات بیچ جنگل دہشت بھرے ہوے کہ تیا یا گاں کا ڈر سیں اس جنگل کے پانی ہوتا تھا۔ یکایک اپنا اس جاگا میں پڑیا (یعنے ہوا) وہ چار و یار مصلحت کرے کہ ہم ہر ایک موافق باری کے یک یک پہر نگہبانی کرے۔ اول بڑائی جاگتا تھا لکڑی یک بیچ نہایت بہتری کے چھلیا (یعنے اچھی صورت بنایا) اور پھر دو گڑی سنار اس صورت کے تیں زیور سیں سنواریا۔ تیسری پہری میں درزی اس کے تیں سات لباس کے زینت وار کیا۔ چوتھی پہری میں زاہد موں عاجزی کا طرف قبلہ کے لایا۔ دعا کیا۔ اور جان بیچ بدن اس کے پھوگے گیا ہوا۔ جب جاگا قبول کیا گیا تاریکی کا (یعنے آفتاب) آیکی میں تھا سو ڈیرے سیں کالی رات کے نکل کر سات قصد عالم روشن کرنے کے۔ منزل مانینے ہارا آسمان کا ہوا۔ ہر ایک کوئی (یعنے اون چاروں یارسین) ہر ایک یار جنگل لڑائی کا بیچ دامن یک دوسرے کے مارے (یعنے ہر ہر شخص وہ عورت کوں اپنے لیوں گا بولتا تھا ۱۲) بعد از لڑائی بہوت کے قرار پایا کہ اوپر سر راہ کے کھڑے رہیں اوں (یعنے سب ملکر راستے پو کھڑے رہنا) کوئی ایک کہ اول پونچا اس سین فیصلہ قضیہ کا طلب کریں۔ او نو سات اس نیت کے اوپر سر راہ کے کھڑے رہے۔ مسافر یک پونچیا۔ اور او پر لڑائی کی کیفیت کے خبردار ہوا

جلدی جنگل دشمن کا اور لڑائی بیچہ دامن ان چار یار کے مار یا کہ عورت میری کی تیں تم چار وڈا نکا پڑ کر (یعنے رہ زنی کر کر) لے گئے ہیں ۔ آگو کوتوال کے آؤ تو کیا انصاف بولتا ہے ۔ آگو کوتوال کے گئے کوتوال بھی عاشق حسن اس صورت کا ہوا ۔ اور بولیا یہ عورت بھائی سیں میری ہے (یعنے میرے بھائی کی عورت ہے) تھیں بیچہ راہ فلانی جاگا کے لوٹ لے گئے ہیں ۔ عورت کے تیں پایا میں مال اس کے تیں جواب بولو ۔ (یعنے میرے بھائی کا مال دیو) وہ کوتوال آگو بادشاہ کے لے گیا ۔ اور داد چاہا ۔

بادشاہ اسی وقت باندے گیا زلف کے کے سر یکے اس کے ہوا (یعنے بادشاہ بھی عاشق اس کا ہوا) عالم ایک واسطے تماشا کے جمع آئے ۔ اور انصاف قضیہ کے تین بوڈے ایک جہاندندہ سیں چاہے ۔ وہ بوڈا بولیا ۔ چالیس کوس اس شہر سیں جہاڑ حکم کرنے ہارا کر کر نام جھاڑ ایک کا ہے ۔ قضیہ نین فیصل ہونے ہارا ۔ اسی جا کا فیصلہ پاتا ہے ۔ اس جا گا جا ؤتمیں تمام لوگ دعوی کرنے ہارے اس عورت کے نزدیک اس جہاڑ کے پہونچے ۔ اور مدعا اپنا ظاہر کرے ۔ انتظار سخن نادر غیب کا رکھے (یعنے نادر بات غیب سے کیا آتی ہے سو او انتظار کرے) بیچہ اس نیچے کے (یعنے ایسے میں پیڑ جہاڑ کی چیرے گئی ۔ اور عورت بیچ پیڑ جہاڑ کے اندر آئی ۔ اور دراڑ مل گئی ۔ اور پاتال سیں جہاڑ کے اواز یہ آیا کہ تمام چیز رجوع کرتی ہے طرف اصل اپنے (یعنے وہ تصویر لکڑی سیں ہوی تھیں آخر پھر لکڑی میں مل گئی) تمام دعوی کرنے ہارے ناامید ہوئے ۔ اور پھر کر آئے ۔

اے خجستہ تو بھی سات جلدی کے اس محبوب کے تیں پا ۔ خجستہ چاہی ویسا کرے (یعنے جاوے) آفتاب نکل آیا قصد جانے کا اس کا موقوف ہوا ۔

(برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۱۰۵۸۹ ۔ ورق ۱۶ب تا ۱۸ب)

فن موسیقی

از

طوطی نامہ

ترقی یافتہ ملکوں میں ہلکے ادب اور خصوصاً قصہ کہانیوں کے ذریعہ سے عوام کو علمی اور فنی باتیں بھی معلوم کرائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں ہمارے اہل علم بھی اس گر سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ طوطی نامے جیسے کہانیوں کے مجموعہ میں اس زمانے کی دست معلومات کے مطابق موسیقی کے متعلق طوطی کی زبان سے جو کہلایا گیا ہے۔ اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ مترجم نے لوگوں کے فارسی ناموں کے بھی اردو ترجمے لکھے ہیں جن کے آگے اور نیچے توسین میں مولف نے ناظرین کی اطلاع کی خاطر اصل فارسی اصطلاحیں بھی نقل کر دی ہیں۔

موسیقی علم ایک ہے پاک، سات اپنے سب کے جو نیا گیا (یعنے راگ اپنے چیزان سیں بنائے ہیں) اور بیچ ہونے اس کے (یعنے راگ کے ہونے میں) اختلاف ہے۔) ہر ایک طبیعت احاطہ کرنے ہاری اس کی نہیں ہو سکتی ہے۔

جماعت ایک اوپر اس بات کے ہیں کہ حکیم ایک ہندوستانی سیں بیچ راہ ایک کے جاتا تھا، بادر بیچ نظر کے آیا کہ اوپر ڈالیاں جھاڑ کے پھرتا تھا۔ یکایک لکڑی سیں ڈال ایک کے بیٹ اس کا چیر یا گیا ہوا ہے اور انتری اس کی بیچ دو ڈالیاں کے جاگا کرے۔ اور بعد از لحظہ ایک کے رو ود سوگ گیا۔ اور بارا اس انتری کو پہنچیا۔ آواز ایک دل لشکانے ہارا نکلیا (یعنے اس انتری سیں آواز بہتر نکلیا) وہ حکیم انتڑی کو جھاڑ سیں اوتار کر سات لکڑی ایک کے خم دیکر اوپر باندیا، آواز بہتر اس سیں سننے کوں پہنچنے ہارا ہوا۔ کیتے تار اوپر اس کے زیادہ کیا۔ اور اسی طرح ہر ایک حکیم اوپر ساز کے یک کام نوا بناتا گیا۔ تا یہاں تک کہ وقت اوپر چنگ اور رباب کے دور دوسرے سازوں کے پہنچیا (یعنے بنائے)

اور بعضے حکیم نکالنا سازان راگ کا طرف شیطان کی نسبت دینا کرتے ہیں۔ کہ یکبار دیج بنایا اور آپ وہ شیطان ہنسیا۔ پوچھے اس شیطان کوں کیا ہنستا ہے توں؟ بولیا اوپر

گروہ ایک کے جنتا ہوں میں کہ اوپر اس آواز کے خوش ہو ویں گے۔
اور کیتے ایک لوگ کہتے ہیں کہ بیچ ہندوستان کے قفس کر کر نام جانور ایک کا ہے بدرخ کے سری کا اچونچہ چوڑی ساتھ چھید رکتا ہے۔ بیچ دنان بہار کے بیچ خوشی کے ہوتا ہے اور ہر ایک چھید سیں چونچہ اس کی ستر ہزار نادر نکلتے ہیں۔ اور یہ علم راگ کا اسی جانور سیں پیدا کئے ہیں۔ (یعنے نکالے ہیں)
اور بعضے لوگاں اوپر اس بات کے ہیں کہ فیثاغورث حکیم عراق کے ملک کا واسطے ظاہر ہونے خوب حرکتاں اور آوازاں آسماناں کے (یعنے آسمان چلتا سو حرکت اور آواز دیکھ کر) راگ کے تئیں بنایا (یعنے آسمان میں بہوت آواز اچھے ہیں)۔ اور سات پردہ کے نام کیا۔ (یعنے ہر راگ کا نام علیحدہ رکھیا) اور حکیماں وقتاں اس راگ کے مقرر کرے۔ اور جب راگ بیچ اس وقت کے بجانے میں آوے۔ خوشی تمام حاصل ہوئے۔
فجر کے وقت بھیرو کا راگ اور اس کی راگنیاں (صبح نزہادی) اور آفتاب نکلتے وقت بلاول راگ (حسینی) چار گھڑی دن کون توڑی راگ (راسیس) اور پھر دن چڑھے آساوری (بوسلیک) اور دوپہر کو سارنگ (وندی) اور ظہر کو دھناسری (عشاق) اور ظہر عصر کے درمیانی پوربی (حجاز) اور عصر کو سری راگ (عراق) اور مغرب کو چہرا اور کلیان اور کانڑا (باخرز و میانہ) اور آخر رات کو پنچم (یعنے مالکوس) اور بھیاس (رمل کلاں وخورد) بجاتے ہیں یہ راگان اصل ہیں۔ اور وہ جو کچھ کہ اس راگاں سیں نسبت کئے گئے ہیں (یعنے اس راگاں سیں جو راگنیاں کہ نکلے ہیں)۔ مانند ابریشم کی تاران کے اور بالوں کے ہے (یعنے ریشم کے تاران اور بالاں کیسے ہیں ویسے ہیں راگنیاں)

(برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۱۰۵۸۹ ۔ ورق ۸۴ ب تا ۸۴ ب)

مرد اور عورت کی شرافت کا معیار

از

طوطی نامہ

یہ معلوم کرکے کہ قدیم زمانہ میں طالب و مطلوب کو ایک دوسرے پر اعتماد حاصل کرنے کے لیے کس قدر سادہ اوصاف درکار تھے۔ آج کل کے سالکان راہ عشق میں ضرور یہ احساس پیدا ہوجائیگا کہ کاش وہ بھی اسی بھولے بھالے عہد میں پیدا ہوتے!

کمال آدمی کا سات دس صفت کے ہے۔ وہ صفتاں اگر کوئی آدمی بیان کرے وہ آدمی نجیب ہوئے خجستہ پوچھی بول کہ میں سیکھ کر اس عاشق سیں سوال کروں۔ طوطی بولی۔ پہلے حسن اور دیدار یہ صورت کا۔ دوسرا محبت کرنے ہارا سات ہر کسی کے خاص سات محبوب کے نفرت کرنے ہارا ہووے۔ تیسرا لکھنے ہارا کہ معشوق کے تیں بھید سیں اپنے خبردار کرے۔ چوتھا ہتیار کو درست سکھے کہ کوئی اپر اس کے قابو نہ پاوے (یعنے دغانہ دیوے) پانچواں تیرنے ہارا کے بچہ کشتی کے سات معشوق کے پہنچے۔ چھٹا مردانگی اور دلیری رکھے کہ عاجز کسی کا نہ ہووے ساتواں سخی اچھا کہ سر اپنا بھی کسی کو دینے دغانہ کرے۔ الواں جان لینے ہارا کئی زبان کا ہووے نواں شراب اس طرح پیئے کہ بے خبر نہ ہوئے۔ دسوا جاننے ہارا علم راگ کا ہووے۔ اے خجستہ اگر وہ عاشق تیرے سین پوچھا سات خصلت عورتاں کا کرے توں کیا جواب دیگی؟

خجستہ پوچھی وہ کونسی خصلتاں ہیں؟ طوطی بولی:— اول خصلت یہ ہے کہ عورت تمام وقت ہنستی رہے۔ دوسرا گھٹموں والی نہوے۔ تیسرا سخی ہوئے چوتھا بخیل نہ ہوے۔ پانچواں بہوت سنوارنے ہاری نہوے۔ چھٹا پریشان اور بے سامان نہ ہوئے۔ ساتواں تمام وقت پاک صاف ہوئے۔

نماز تٹنے کا بیان

از

ترجمہ شریعت نامہ

پہلا نماز میں بات کیے تو نماز تٹتی ہے ۔ دوسرا ہری بھری کی مقدار کھانے سوں ۔ تیسرا قبلے سوں موں پھرانا جیسا کہ قبلے کی طرف پیٹ ہوئے ۔ چوتھا کسی سلام کرنا کہ السلام علیکم ' یا سر پر ہات رکھنا ۔ پانچواں کوئی سلام کیا تو علیکم السلام بولنا ۔ چھٹا درد سوں ارڑ ڈالنا ۔ ساتواں آہ یا اوہ یا واہ کہئے تو ۔ اٹھواں درد سوں رونا ' یعنے دونیا کے درد سوں ۔ نواں ایک ہات سوں تین کام کرنا ' یا دونوں ہات سوں ایک کام کرنے سوں ۔ دسواں ستی کھنکارنا جو اس میں حرف ظاہر ہوئے تو نماز جاتی ہے ۔ گیارواں اگر قرآن یعنے الحمد یا سورت میں غلط ایسا پڑنا کہ معنے میں تفاوت ہوتا ہے ۔ بارواں مصحف پر دیک کر پڑنے سوں ۔ تیرواں منگنا ۔ خدا کنے جوں آدمیاں کنے منگتے ' یا بار خدا منجے گھوڑا دے یا جورو دے ' یا اس سری کا دنیا کی چیزاں سوں ' اگر آخرت کی چیز منگیا تو نماز نین تٹتی ۔

چودواں اگر کوئی چھینک کر الحمد اللہ بولیا ہور نماز کرنے والا رحمۃ اللہ بولیا تو نماز جاتی ہے

پندرہواں نماز میں بکار کر ہنسنا ' نماز ہور وضو بی تٹتی ہے ۔

سولواں نماز کی فرضاں سوں ایک فرض چھوڑنا ۔

ستراواں نجس زمین پر یا نجس کپڑے پر سجدہ کرنا ۔

اٹھارواں اگر امام قرات سوں کچ بسریا ہور مقتدی بولیا ہور امام اوپریا تو نماز جاتی ہے ۔

انیسواں اگر ایک شخص اگر اپنے امام کے غیر کوں کچ چکیا سو بولنے سوں نماز جاتی ہے ۔

بیسواں اگر عورت مرد کے برابر نماز میں کھڑی رہے ہور دونوں پہلے تکبیر میں برابر ہیں تو نماز

جاتی ہے - یعنے اقتدا کے وقت -

اکیسواں - نماز میں دونوں پاؤں بے عذر اٹھایا تو -

باویسواں - اگر صاحب ترتیب کوں نماز میں قضا نماز یاد آئی - ہور وقت بہوت ہے تو یو نماز کہ کرتا ہے سو ٹٹتی ہے، مثلاً اگر ایک شخص ظہر کی نماز کرتا ہے - اس میں سے یاد آیا کہ فجر کی نماز اس پر قضا ہے پچھیں رو دیکھے اگر وقت ظہر کا بہوت ہے تو او ظہر کی نماز ٹٹی اول فجر کی نماز کر کر پچھیں ظہر کی کرے - اگر ظہر کا وقت تنگ ہوا ہے تو ظہر کی نماز نین ٹٹتی -

تیویسواں - اگر مقتدا امام سوں آگیں کھڑا رہیا تو نماز ٹٹی ہے

چوبیسواں اگر کوئی نماز میں سنیا کہ فلانے کوں بیٹا ہوا تو نمازی الحمد اللہ بولنا -

پچیسواں اگر نمازی سنیا کہ فلانا موا تو نمازی اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونْ بولنا اگر کسی لئے آیت کا جواب یا حدیث کا جواب دیا تو بی نماز ٹٹی ہے -

(اوراق ۱۴۳ - ۱۴۶)

آدمی اور لباس

از

اخلاق ہندی

یہ اور اس کے بعد کے دو مختصر قصے ایڈنبرا یونیورسٹی کے اس اردو مخطوطے سے ماخوذ ہیں جس کا نام اخلاق ہندی ہے اور جس کے مصنف اور سنہ تصنیف وغیرہ کے متعلق فی الحال کوئی علم نہیں ہو سکا۔ تاہم زبان کی خصوصیات کے مدنظر مولف کا خیال ہے کہ یہ ولی کے کسی ہم عصر ادیب کا کارنامہ ہے۔

زبان اور مطلب دونوں کے لحاظ سے یہ قصے خود اس قدر دلچسپ ہیں کہ ان کے متعلق کچھ لکھنا حاصل ہے۔

ایک دانشمند ایک شہر میں گیا سنیا جو اس شہر میں ایک شخص سخاوت بہوت رکھتا ہے ہور مسافران کے تیں کھانا کھلاتا ہے۔ دانشمند پورانے اور خراب کپڑے پہن کر اس شخص کے سامنے گیا اوس شخص کچ نگہ نین کیا ہور جا گہ بیٹھنے نیں دیا۔ دانشمند شرمندہ ہو کر پھر آیا دوسرے روز کپڑے بہتر کرایہ کوں لیکر پہنکر اس کے سامنے گیا اور گھر والا تعظیم دیکر پاس اپنے بٹھایا ہور کھانا لذیذ دانشمند کے واسطے منگایا جب دانشمند کھانے پر بیٹھیا تو اوے کپڑے پر اپنے رکھنے لگیا۔ گھر والا پوچھیا کس واسطے یوں کرتا ہے۔ دانشمند کہا کل کے روز پورانے کپڑے پہن کر آیا تھا۔ میں کچ کھانا نین پایا۔ آج کے روز جو کپڑے اچھے رکتا ہوں جانتا ہوں میں اے کھانا واسطے کپڑے کے ہے۔ میرے واسطے نیں او شخص شرمندہ ہو کر عذر خواہی کیا۔

دو مُصوّر

از

اخلاق ہندی

دو مصور اپنے میں کہے جو ہم دو نو تصویراں کھینچ دیکھیں کون بہتر تصویر کھینچتا ہے ایک مصور خوشہ انگور کا نقش کیا ہور اور خوشہ کتیں دروازہ پر لٹکایا۔ اسے دیک کر جانور آئے چونچہ سوں مارتے۔ دانہ انگور کے سمج کر لوگاں اس تصویر کوں بہوت پسند کئے۔ ہور لوگ دوسرے مصور کے گھر میں جاتے ہور پوچھے جو کہاں تصویر کھینچیا ہے تو دوسرا مصور کہا پیچھے اس پردہ کے تصویر لکھیا ہوں۔ مصور اول کا چاہا جو پردہ اٹھاؤں ہات پردہ پر رکھا۔ جو پردہ اٹھاول معلوم کیا جو پردہ نیں ہے بلکہ دیوار ہے جو اپر اس دیوار کے تصویر کھینچیا ہے۔ مصور دوسرا بولیا توں ایسی تصویر کھینچیا جو جانوروں کو دیوانہ کیا ہور میں ایسی تصویر کھینچیا ہوں جو مصور کوں دیوانہ کیا۔

ضمیمہ

ضمیمہ نمبرا متعلق باب اوّل

(قدیم اردو مصنفین اور اُن کے کارناموں کی تاریخ وار فہرست)

نوٹ:۔ ان تمام ضمیموں میں عیسوی سنین لکھے گئے ہیں تاکہ عام طور پر تحقیقات کرنے والوں کے لئے آسانی ہو جائے۔

۱۔ مسعود سلمان۔ (قریب ۱۱۱۸ء) دیوان۔ غیر محفوظ۔

۲۔ امیر خسرو۔ (وفات ۱۳۲۴ء) چند اشعار۔ تذکروں میں محفوظ ہیں۔

۳۔ عین الدین گنج العلم (وفات ۱۳۹۳ء) چند رسالے۔ کتب خانہ قلعہ سینٹ جارج مدراس میں پائے گئے تھے۔

۴۔ خواجہ بندہ نوازؒ۔ (وفات ۱۴۲۲ء)

(ا) معراج العاشقین۔ مطبوعہ۔ بطور ضمیمہ "اردوئے قدیم"۔

(ب) ہدایت نامہ۔ غالباً موجود نہیں۔

۵۔ شاگرد بندہ نوازؒ۔ (نام اور تاریخ نامعلوم)

ہفت اسرار۔ غالباً موجود نہیں۔

۶۔ عبداللہ حسینی۔ (قریب ۱۴۵۹ء) ترجمہ نشاط العاشقین مخطوطہ کتب خانہ ٹیپو سلطان میں محفوظ تھا۔

۷۔ شیخ بہاء الدین باجن۔ (وفات ۱۵۰۶)۔ چند اشعار پنجاب میں اُردو میں پیش کئے گئے ہیں۔

۸۔ شاہ علی گام دھنی۔ (وفات ۱۵۶۵) دیوان انجمن ترقی اردو میں محفوظ ہے۔

۹۔ شیخ خوب محمد۔ (وفات ۱۶۱۴) خوب ترنگ مخطوطہ۔

(۱) انڈیا آفس لائبریری۔ نمبرات ۱۰۵۵۔ اور ۴۰۰

(۲) انجمن ترقی اُردو۔

ضمیمہ نمبر ۲۔ متعلق باب اوّل

(باب اوّل کی علیحدیات)

۱۔ برہان مآثر۔ بہمنی اور نظام شاہی حکمرانی کی تاریخ از ۱۳۴۷ء تا ۱۵۹۵ء مولفہ علی بن عزیز طباطبا ۱۵۹۲ء میں شروع کی گئی اور ۱۵۹۵ء تک جاری رہی۔ مخطوطہ ایک وضع کی تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

(ا) برٹش میوزیم نمبر اڈیشنل ۶۹۹۶ تا ۶۹۹۸ (مورخہ ۱۶۰۲ء)۔

(ب) انڈیا آفس فارسی مخطوطات نمبر ۱۲۷۔

۲۔ نورس نامہ یا گلزار ابراہیمی۔ معروف بہ تاریخ فرشتہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کی تاریخ۔ ابراہیم عادل شاہ کے حکم سے شروع کی گئی۔ مولفہ محمد قاسم فرشتہ آغاز تصنیف ۱۶۰۶ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل نمبرات ۶۵۶۹ تا ۶۵۷۱۔

۳۔ مرآت سکندری۔ تاریخ گجرات۔ مولفہ اسکندر بن منجھو ۱۶۱۱ء۔ مخطوطہ۔ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۷۱۔

۴۔ تذکرۃ الملوک۔ عادل شاہان بیجاپور کی تاریخ۔ ان کے عہد کے آغاز سے ۱۶۱۱ء تک۔ دکن ہندوستان اور ایران کی معاصر حکومتوں کے بھی حالات لکھے ہیں۔ مولفہ رفیع الدین ابراہیم بن نور الدین توفیق شیرازی۔ آغاز ۱۶۰۸ء اختتام ۱۶۱۱ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۳۸۸۳۔

۵۔ قضایائے سلاطین دکن۔ تاریخ دکن۔ ابتدائے قبضہ اسلام سے ۱۸۲۳ء تک۔ مولفہ مرزا مہدی خاں المعروف بہ نظام الدین محمد ہادی۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی نمبر ۳۳۹۔

۶۔ تنمیق شگرف۔ تاریخ دکن ابتدائے قبضہ اسلام سے ۱۷۸۴ء تک مولفہ بھیم تاراین شفیق اورنگ آبادی مخطوطہ انڈیا آفس فارسی نمبر ۳۲۷۔

۷۔ مرآت احمدی۔ گجرات کی اسلامی حکومت کی تاریخ۔ از آغاز تا قبضہ مغل مولفہ علی محمد خاں ۱۷۶۱ء مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۶۵۸۰۔

۸۔ اردوئے قدیم۔ قدیم اردو کی تاریخ مصنفہ حکیم شمس اللہ قادری مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد۔ ۹۔ پنجاب میں اردو۔ پنجاب میں اردو تحریکات کی تاریخ مصنفہ حافظ محمود شیرانی مطبوعہ ۱۹۲۸ء

ضمیمہ نمبر ۲ متعلق باب دوم

(بیجاپوری مصنفین اور اُن کے کارناموں کی تفصیلی فہرست)

۱۔ شاہ میراں جی۔ وفات ۱۴۹۶)۔ (۱) خوش نامہ (۲) خوش نغز (۳) شہادت التحقیق (۴) شرح مرغوب القلوب
مخطوطے انجمن ترقی اُردو اور کتب خانہ کلیۂ جامعہ عثمانیہ میں محفوظ ہیں۔

۲۔ شاہ برہان۔ (وفات ۱۵۸۲) (۱) وصیت الہادی (۲) منفعت الایمان (۳) سکھ سہیلا (۴) نکتہ واحد (۵) نسیم الکلام
(۶) رموز الواصلین (۷) بشارت الذکر (۸) حجت البقا (۹) بیان خلاصہ (۱۰) ارشاد نامہ (۱۱) غزلیں
اور دوہرے۔ مخطوطات انجمن ترقی اُردو میں محفوظ ہیں۔

۳۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی۔ (وفات ۱۶۲۶) نورس۔ مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نمبرات ۱۹۰-۴-۲۰۔

۴۔ حکیم آتشی۔ اُردو کلام غالباً موجود نہیں۔

۵۔ مرزا مقیم۔ (ا) مثنوی چندر بدن و ماہیار (درمیان ۱۶۲۵-۵۰) مخطوطہ (۱) انڈیا آفس فارسی ۱۴۷۱، ۲؍ الف
(۲) توپ خانہ کتب خانہ شاہ اودھ۔ اسپرنگر کیٹلاگ جلد اول صفحہ ۶۲۵۔
(ب) قصہ سوہار۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔

۶۔ امین۔ بہرام و بانو من (قبل ۱۶۳۹) مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۸۔

۷۔ نوری۔ مراثی۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ چند اشعار تذکروں میں محفوظ ہیں۔

۸۔ صنعتی۔ قصہ تمیم انصاری (۱۶۴۳) مخطوطہ کتب خانہ کلیۂ جامعہ عثمانیہ۔

۹۔ رستمی۔ (ا) خاورنامہ (۱۶۴۹) مخطوطہ انڈیا آفس۔ فارسی ۴۳۰۸۔ اُردو ۲۵۵۔
(ب) مجموعہ غزلیات و قصاید۔ مخطوطہ غالباً موجود نہیں۔

۱۰۔ ملک خوشنود۔ (ا) ہشت بہشت (درمیان ۱۶۲۶-۵۶)۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۱۰۵۹۹۔

(ب) یوسف زلیخا مخطوطہ غیر موجود۔

۱۱۔ دولت۔ بہرام و بانو حسن (۱۶۳۹) مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۰

۱۲۔ علی عادل شاہ ثانی۔ (وفات ۱۶۷۲) مجموعہ کلام (قبل ۱۶۷۲) مخطوطہ غیر محفوظ۔

۱۳۔ نصرتی۔ (وفات ۱۶۷۴)۔ (ا) گلشن عشق (۱۶۵۷)

مخطوطات۔ (۱) برٹش میوزیم اورنٹیل ۱۰۵۹۔

(۲) انڈیا آفس فارسی ۲۶۲۱ (۳) باڈلین فہرست قلمی نمبر ۳۴۔

(ب) علی نامہ (۱۶۶۵)

مخطوطات (۱) برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۵۲۰۔ (۲) انڈیا آفس فارسی ۱۰۰۰۔

(ج) گلدستۂ عشق۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ کتب خانہ ٹیپو سلطان میں محفوظ تھا۔ اسٹیوارٹ کیٹلاگ صفحہ ۱۷۱

۱۴۔ ملک۔ (قریب ۱۶۶۶) شریعت نامہ (۱۶۶۶) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۲۳۶۔

۱۵۔ شاہ امین۔ (وفات ۱۶۷۵)۔ (ا) قصاید۔

(۱) اپنے والد کی تعریف میں۔ (ب) محمود نامہ۔

(۲) رموز سالکین (۳) نظم وجود (۴) گفتار شاہ امین (۵) گنج مخفی (۶) غزلیں اور دوہرے۔

مخطوطات انجمن ترقی اردو۔

۱۶۔ ہاشمی۔ (وفات ۱۶۹۷)

(۱) یوسف زلیخا مخطوطہ ببلیوتیک دے وانتش مارگن لانڈیشن سوال۔ نمبر ۷۔

(۲) احسن القصص۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ (۳) دیوان غزلیات۔ مخطوطہ غیر محفوظ

(۴) مراثی۔ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری۔

۱۷۔ مرزا۔ (وفات قبل ۱۶۷۳)۔ مراثی۔ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری۔

۱۸۔ ایاغی۔ نجات نامہ۔ مخطوطہ غیر محفوظ۔ کتب خانہ شاہ اودھ میں محفوظ تھا۔

۱۹۔ سیوا۔ روضۃ الشہدا (۱۶۸۱) مخطوطہ غیر محفوظ۔

۲۰۔ مومن۔ اسرار عشق۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔

— —

ضمیمہ نمبر ۴۔ متعلق باب دوم

(باب دوم کی تعلیقات)

۱۔ نورس نامہ یا گلزار ابراہیمی۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۔
۲۔ تذکرۃ الملوک۔
۳۔ فتوحات عادلشاہی۔ تاریخ عادل شاہان از آغاز تا ۱۶۴۳۔ مولفہ فزونی استرآبادی محمد عادل شاہ کے حکم سے سنہ ۱۶۴۰ء میں آغاز ہوا اور سنہ ۱۶۴۳ء میں اختتام۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۷۲۵۱۔
۴۔ محمود نامہ۔ محمود عادل شاہ کے آخر عہد میں اسی کے حکم سے ابتدا کی گئی۔ مولفہ ملا ظہور ابن ملا ظہوری قاینی مخطوطہ۔ ریو کیٹلاگ فارسی۔ جلد اول صفحہ ۳۱۹۔
۵۔ احوال بادشاہان بیجاپور۔ بیجاپوری بادشاہوں کے حالات اور تاریخوں کا مجموعہ۔ مولفہ میر ابراہیم بن میر حسین لور اسد خانی۔ درعہد حکومت علی عادل شاہ ثانی۔ مخطوطہ برٹش میوزیم۔ اڈیشنل ۲۶۲۶۹
۶۔ تاریخ علی عادل شاہ ثانی۔ علی عادل شاہ کی پیدایش سے راجہ جے سنگھ اور سیواجی کے حملہ اور شکست کے زمانہ تک کے حالات۔ مولفہ سید نور اللہ بن قاضی سید علی محمد حسینی۔ مورخہ ۱۶۶۶ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۷۲۵۲۔ انڈیا آفس۔ فارسی ۳۰۰۶۔
۷۔ تاریخ ہفت کرسی۔ عادل شاہیوں کی تاریخ ان کے آغاز سے زوال تک۔ کتاب میں مصنف کے نام کہیں پتہ نہیں۔ اگرچہ سرورق بتغیر کسی حوالے کے نتو رخاں نام لکھا ہوا ہے۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۳۰۵۱۔
۸۔ واقعات سلاطین بیجاپور۔ محمود نامہ کا خلاصہ جس میں مولف نے سکندر عادل شاہ کے زمانہ تک کے حالات کا اضافہ کیا ہے۔ مولفہ شیخ ابوالحسن بن قاضی عبدالعزیز بن قاضی تاج محمد۔ مورخہ سنہ ۱۶۹۹ء

مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۶۹۔

۹۔ قصایاے سلاطین دکن۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲

۱۰۔ تنسیق شگرف۔

احوال سلاطین بیجاپور۔ عادل شاہیوں کی ایک مختصر تاریخ۔ آغاز سے زوال تک۔
مولفہ پیرزادہ غلام محی الدین۔ مورخہ ۱۲۲۱ھ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۷۰۔

۱۲۔ بساتین السلاطین۔ عادل شاہیوں کی تاریخ آغاز سے زوال تک۔ مولفہ محمد ابراہیم زبیری۔ مورخہ ۱۲۴۲
مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۶۹ - انڈیا آفس فارسی ۲۴۰۶۔

۱۳۔ اردوئے قدیم۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۔

ضمیمہ نمبر ۵ متعلق باب سوم

(گولکنڈہ کے مصنفین اور اُن کے کارناموں کی تفصیلی فہرست)

۱۔ فیروز۔ (قریب ۱۵۰۰) کلام موجود نہیں۔

۲۔ محمود۔ (قریب ۱۵۰۰) " "

۳۔ محمد قلی قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۱۱) مکمل دیوان مخطوطہ خانگی کتب خانہ اعلیٰحضرت حضور نظام۔

۴۔ وجہی۔ (قریب ۱۶۰۰-۳۵) قطب مشتری (۱۶۰۹) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۳۳۲۔

(ب) سب رس (۱۶۳۵) مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد۔

۵۔ احمد۔ (قریب ۱۶۰۰) لیلیٰ مجنوں (قبل ۱۶۱۱) نامکمل مخطوطہ حافظ محمود شیرانی کے یہاں محفوظ ہیں۔

۶۔ خدا نما۔ (وفات ۱۶۵۹) شرح تمہید (۱۶۰۰) مخطوطہ انجمن ترقی اردو۔

۷۔ محمد قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۲۶) کلیات مخطوطہ کتب خانہ سر سالار جنگ۔ چند اشعار محبوب الزمن میں پیش کیے گئے ہیں۔

۸۔ شوقی۔ (قریب ۱۶۲۵) کلام انجمن ترقی اردو

۹۔ خیالی۔ (" ") " "

۱۰۔ عبد اللہ قطب شاہ۔ (وفات ۱۶۷۲) کلام چند اشعار محبوب الزمن میں پیش کئے گئے ہیں۔ کتب خانہ آغا حیدر

۱۱۔ غواصی۔ (قریب ۱۶۰۰-۴۹)۔ (ا) سیف الملوک و بدیع الجمال (۱۶۲۵) مخطوطات برٹش میوزیم اورینٹل ۸۲۔ انڈیا آفس فارسی ۵۰۴۲۔ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر۔

(ب) طوطی نامہ۔ (۱۶۳۹) مخطوطہ اڈیشنل ۱۰۵۸۹۔

۱۲۔ قطبی۔ (قریب ۱۶۳۰) تحفۃ النصائح (۱۶۳۰) مخطوطہ کتب خانہ عمر یافعی صاحب۔

۱۳۔ جنیدی۔ (قریب ۱۶۵۴) ماہ پیکر (۱۶۵۴) مخطوطہ کتب خانہ ٹیپو سلطان میں موجود تھا۔
۱۴۔ ابن نشاطی۔ (قریب ۱۶۵۵) پھول بن (۱۶۵۵) مخطوطہ (۱) انڈیا آفس فارسی ۱۴۱۔
(۲) کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد فہرست جلد دوم صفحہ ۱۵۰۰۔
۱۵۔ میراں یعقوب۔ (قریب ۱۶۶۷) نثری ترجمہ شمائل الاتقیا۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔ نمبر تصوف ۶۶۳۔
۱۶۔ طبعی۔ (قریب ۱۶۷۰) بہرام وگل اندام۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اوئیل ۱۰۵۹۰۔
۱۷۔ امین۔ (قریب ۱۶۸۰) قصہ ابوشحمہ۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۸۳۲۔
۱۸۔ ابوالحسن تاناشاہ۔ (معزول ۱۶۸۷) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
۱۹۔ فائز۔ (قریب ۱۶۸۳)۔ رضوان شاہ وروح افزا۔ مخطوطات
(۱) برٹش میوزیم اورنٹیل ۲۷۱۶۔
(۲) کتب خانہ آصفیہ جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۸۴۔
۲۰۔ لطیف۔ (قریب ۱۶۸۴) ظفرنامہ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۳۰۳۶۔
۲۱۔ نوری۔ (قریب ۱۶۸۰) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
۲۲۔ شاہی۔ (قریب ۱۶۸۷)۔ (ا) اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔
(ب) مرثیئے کتب خانہ ایڈنبرا یونیورسٹی۔
۲۳۔ غلام علی۔ (قریب ۱۶۸۷) پدماوت مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۷۰۲۔

ضمیمہ نمبر ۶ متعلق باب سوم

(باب سوم کی طلبیات)

۱۔ نورس نامہ یا گلزار ابراہیمی۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۲ و ۴۔

۲۔ تذکرۃ الملوک۔

۳۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی۔ قطب شاہیوں کی تاریخ ابتدا سے ۱۶۱۷ء تک۔ مصنف نامعلوم مورخہ ۱۶۱۸ء
مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۲۴۶۵۔ انڈیا آفس فارسی ۱۰۹۔

۴۔ مآثر قطب شاہی محمودی۔ عہد محمد قطب شاہ کا ایک تاریخی خلاصہ۔ مؤلفہ محمد بن عبداللہ نشاپوری مورخہ ۱۶۲۸ء۔
مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۴۸۔

۵۔ حدیقۃ السلاطین۔ عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ پیدائش سے عہد حکومت کے سولہویں برس یعنی ۱۶۴۱ء
تک مؤلفہ نظام الدین احمد بن عبداللہ شیرازی الصاعدی مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۲۴۶۵۔
انڈیا آفس فارسی۔ ۲۹۰۸۔

۶۔ قضایائے سلاطین دکن۔ دیکھو ضمیمہ نمبر ۱۔

۷۔ تنمیق شنگرف۔

۸۔ حدیقۃ العالم۔ قطب شاہیوں کی تاریخ اُن کے آغاز سے زوال تک۔ مؤلفہ ابوالقاسم میر عالم بن
رضی الدین موسوی تکمیل بعد ۱۸۰۲ء۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۲۶۲۰۸۔
انڈیا آفس فارسی۔ ۲۸۴۴۔

۹۔۱۰ اردوئے قدیم۔ دیکھو ضمیمہ ۲ اور ۴۔

ضمیمہ نمبر ۴ متعلق باب چہارم

(چوتھے باب کے مصنفین اور اُن کے کارناموں کی فہرست)

۱۔ افضل۔ (قریب ۱۶۲۶)۔
(ا) بارہ ماسہ (۱۶۲۶) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۱۲۳۴۔
(ب) مدح محبوب سبحانی (۱۶۰۰) مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۶۲۷۔
۲۔ عاجز۔ (قریب ۱۶۸۹)۔ ملکہ مصر مخطوطہ انڈیا آفس فارسی۔ ۲۸۴۷۔
۳۔ ضعیفی۔ (قریب ۱۶۸۹)۔
(ا) ہدایت ہندی۔ مخطوطہ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر
(ب) عشق صادق۔ مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۶۲۷۔
۴۔ امین۔ (قریب ۱۶۹۸)۔ یوسف زلیخا مخطوطہ ببلیوتھیک نیشنل پیرس۔ ہندوستانی ۶۵۸۔
۵۔ ذوقی۔ (قریب ۱۶۹۸)۔ (ا) وصال العاشقین مخطوطہ۔ انجمن ترقی اُردو۔
(ب) مجموعہ کلام۔ مخطوطہ۔ خانگی کتب خانہ حیدر آباد۔
(ج) چند اُردو غزلیں۔ مخطوطہ۔ انڈیا آفس فارسی۔ ۳۱۰۸۔
۶۔ بحری۔ (۱۷۰۰) من لگن (۱۷۰۱) مطبوعہ بنگلور ۱۸۹۲ء۔
۷۔ بحری (۱۷۰۳) گلشن حسن و دل۔ مخطوطہ انجمن ترقی اُردو۔
۸۔ احمد گجراتی۔ قریب (۱۷۰۰) مراثی۔ مخطوطہ۔ ایڈنبرا یونیورسٹی چند اشعار تذکروں میں منقول ہیں۔
۹۔ ولی ویلوری۔ (قریب ۱۷۰۰)۔ (ا) روضۃ الشہدا مخطوطہ انڈیا آفس فارسی ۲۳۸۰۔
(ب)۔ رتن پدم مخطوطہ کتب خانہ شاہ اودھ میں محفوظ تھا۔

۱۰۔ اشرف ۔ (قریب ۱۷۱۲)۔ (۱) جنگ نامہ حیدر ۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اڈیشنل ۔ ۱۰۵۹۔
(ب) مراثی ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۱۱۔ جیون ۔ (قریب ۱۷۲۰) محشر نامہ ۔ درد نامہ ۔ خواب نامہ ۔ مخطوطات پنجاب کے خانگی کتب خانہ میں محفوظ ہیں

۱۲۔ جعفر ۔ (وفات ۱۷۱۳) کلیات ۔ مخطوطہ برٹش میوزیم اورینٹل ۲۰۲ ۔

۱۳۔ ولی اورنگ آبادی ۔ (قریب ۱۷۳۰) کلیات مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء

۱۴۔ شاہ محمد قادری ۔ (قریب ۱۷۰۰) دو مذہبی رسالے ۔ مخطوطہ حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں۔

۱۵۔ سید شاہ میر ۔ اسرار التوحید مخطوطہ حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں۔

۱۶۔ غلامی گجراتی ۔ (قریب ۱۷۲۵)۔
۱۶۔ مرثیے ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۱۷۔ قادر ۔ (قبل ۱۷۴۵)۔
۱۔ مرثیے ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۱۸۔ امامی ۔ (قبل ۱۷۲۵)۔
۱۸۔ مرثیے ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۱۹۔ رضا گجراتی ۔ (قریب ۱۷۲۵)
۱۹۔ مرثیے ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۲۰۔ سید گجراتی ۔ (قریب ۱۷۲۵)۔
۲۰۔ مرثیے ۔ مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

۲۱۔ ہاشم علی گجراتی ۔ (وفات بعد ۱۷۵۵)۔
دیوان حسینی (۱۷۵۵) مخطوطہ اڈنبرا یونیورسٹی۔

ضمیمہ نمبر ۴ متعلق باب چہارم

ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ کی بیاض میں جن مرثیہ نگاروں کا کلام محفوظ ہے اُن کی بحروف تہجی کے لحاظ سے ایک فہرست معہ تعداد مراثی کے یہاں درج کی جاتی ہے۔ اِس فہرست میں وہ مرثیہ نگار شامل نہیں کئے گئے ہیں جن کا تذکرہ مقدمہ کے چاروں ابواب میں کہیں نہ کہیں آچکا ہے۔

نمبر شمار	نام مرثیہ نگار	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار	نمبر شمار	نام مرثیہ نگار	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار
۱	اصغر	۱	۲۲	۱۳	رمضانی	۴	۵۵
۲	افصح	۲	۲۹	۱۴	مرضی	۹	۸۷
۳	افضل	۱	۳۵ مصرعے	۱۵	رومی	۵	۸۴
۴	اکبری	۱	۱۸	۱۶	سرور	۱	۱۷
۵	الفی	۱	۱۱	۱۷	سری	۲	۱۹
۶	باقر	۱	۲۲	۱۸	سلیمی	۲	۱۹
۷	برہی	۱	۹	۱۹	سیدن	۲	۱۸
۸	بے خبر	۲	۱۸	۲۰	شرف	۴	۸۷
۹	تراب	۵	۴۹	۲۱	شہابی	۱	۱۴
۱۰	تقی	۲	۶۸	۲۲	شیدا	۱	۱۸
۱۱	حمیدی	۱	۱۲	۲۳	صابر	۱	۵۰ مصرعے
۱۲	درس	۸	۱۹۶	۲۴	صادق	۲	۲۴

۲۵	صالح	۸	۱۲۱	۴۴	ناظم	۱۰	۲۰۴
۲۶	صوفی	۱	۱۳	۴۵	گل	۲	۲۱
۲۷	طاہر	۶	۱۶۸	۴۶	مبتلا	۱	۱۱
۲۸	طفیل	۱	۱۱	۴۷	مسکین	۱	۱۱
۲۹	عابد	۱	۱۱	۴۸	مسیحا	۱	۲۶
۳۰	عارف	۲	۲۹	۴۹	مسیح الدین	۳	۱۸
۳۱	عزت	۱	۴۴	۵۰	موالی	۱	۹۳
۳۲	عزلت	۸	۲۰۹	۵۱	موسی	۱	۳۹
۳۳	عطا	۱	۱۷	۵۲	معتبر	۱	۲۵ مصرعے
۳۴	عطائی	۱	۱۰	۵۳	کمن	۱	۱۳
۳۵	علیم	۱	۴۸	۵۴	ندا	۴	۳۹
۳۶	عین الدین	۱	۲۴	۵۵	ندیم	۱۱	۱۵۲
۳۷	غالب	۱	۱۲	۵۶	نظر	۴	۱۲۳
۳۸	غلام	۱	۲۷	۵۷	نعیم	۱	۷
۳۹	فتح	۱	۲۸	۵۸	ہادی	۱	۴۳
۴۰	فضل	۲	۴۸	۵۹	ہوشدار	۴	۸۸
۴۱	قایم	۳	۷۹	۶۰	یاری	۲	۳۳
۴۲	قربان	۳	۴۰	۶۱	یوسف	۲	۵۶
۴۳	قطب	۴	۵۳				

سنین

اس فہرست میں ادبِ اُردو سے متعلقہ اُمور کی صرف اُس دور کی
تاریخیں پیش کی گئی ہیں جن کا اردو شہ پاروں کی موجودہ جلد سے تعلق ہے

۱۱۹۳ - محمد غوری کی فتح دہلی دہلی کا مسلم فتوحات ہند کا پایہ تخت قرار پانا۔
۱۲۰۶ - ایبک کی تخت نشینی - دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ۔
۱۲۹۴ - علاء الدین کا حملہ دیوگڈھ (دولت آباد) پر - شمال کی جانب مسلمانوں کا دکن پر پہلا حملہ۔
۱۲۹۶ - علاء الدین کی تخت نشینی۔
۱۲۹۷ - مسلمانوں کی فتح گجرات۔
۱۳۰۴ - ملک کافور کی فتح مہاراشٹر
۱۳۰۶ - عین الدین گنج العلم کی پیدائش۔
۱۳۰۷ - ملک کافور کی فتح سلطنت اندھرا۔
۱۳۰۸ - ملک کافور کی فتح کرناٹک۔
۱۳۱۸ - خواجہ بندہ نواز کی پیدائش۔
۱۳۲۰ - دہلی میں حکومت تغلق کی ابتدا۔
۱۳۲۴ - امیر خسرو کی وفات۔
۱۳۲۵ - محمد تغلق کی تخت نشینی۔
۱۳۲۸ - باشندگان دہلی کی دکن کی طرف ہجرت۔ دولت آباد کا تمام اسلامی مقبوضات ہند کا پایۂ تخت بننا
۱۳۴۷ - دکن کا اعلان خود مختاری بہمنی سلطنت کی ابتدا۔ حسن گنگو کی تخت نشینی۔

۱۳۵۱ - محمد تغلق کی وفات۔
۱۳۵۸ حسن گنگو کی وفات۔
۱۳۹۴ - عین الدین گنج العلم کی وفات۔
۱۳۹۸ - تیمور کا حملہ دہلی۔ خواجہ بندہ نواز کا دہلی سے دکن کی طرف کوچ کرنا۔
۱۴۱۳ - خاندان تغلق کا زوال۔ دہلی میں سیدوں کی حکومت کی ابتدا۔
۱۴۲۲ - خواجہ بندہ نواز کی وفات۔
۱۴۴۴ - سید خاندان کا زوال۔
۱۴۵۱ - دہلی میں لودھی حکومت کی ابتدا۔
۱۴۹۰ - بیجاپور میں عادل شاہی حکومت کا آغاز۔ یوسف عادل شاہ کی تخت نشینی۔
۱۴۹۴ - دہلی میں مغلیہ حکومت کا آغاز۔ بابر کی تخت نشینی۔
۱۴۹۶ - شاہ میراں جی کی وفات۔
۱۵۰۶ - بہاء الدین باجن کی وفات۔ (گجرات)
۱۵۰۸ - گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت کا آغاز۔ سلطان قلی کی تخت نشینی۔
۱۵۱۰ - یوسف عادل شاہ کی وفات۔ اسمٰعیل کی تخت نشینی۔ (بیجاپور)۔
۱۵۲۲ - بہمنی حکومت کا زوال۔
۱۵۳۰ - بابر کی وفات۔ ہمایوں کی تخت نشینی۔ (دھلی)
۱۵۳۴ - اسمٰعیل عادل شاہ کی وفات۔ ابراہیم عادل شاہ اول کی تخت نشینی۔ (بیجاپور)۔
۱۵۴۳ - قلی قطب شاہ کی وفات۔ جمشید کی تخت نشینی۔ (گولکنڈہ)۔
۱۵۵۰ - جمشید قلی قطب شاہ کی وفات۔ ابراہیم ثانی کی تخت نشینی۔ (گولکنڈہ)۔
۱۵۵۶ - ہمایوں کی وفات۔ اکبر کی تخت نشینی۔ (دہلی)
۱۵۵۷ - ابراہیم عادل شاہ اول کی وفات۔ علی اول کی تخت نشینی۔ (بیجاپور)
۱۵۶۵ - شاہ علی محمد جیو گام دھنی کی وفات۔ (گجرات)۔
۱۵۷۲ - گجرات کی اسلامی حکومت کا زوال۔ برار کی عماد شاہی حکومت کا زوال

۱۵۸۰ء۔ علی عادل شاہ اول کی وفات۔ ابراہیم ثانی کی تخت نشینی۔ (بیجاپور)۔
ابراہیم قطب شاہ کی وفات۔ محمد قلی کی تخت نشینی۔ (گولکنڈہ)۔

۱۵۸۲ء۔ ارشاد نامہ شاہ برہان کی تصنیف (بیجاپور)۔

۱۵۹۲ء۔ امواج خوبی (خوب ترنگ کی فارسی شرح) کی تکمیل۔ (گجرات)۔

۱۵۹۵ء۔ برہان مآثر۔ (فارسی تاریخ دکن) مؤلفہ علی بن عزیز اللہ طباطبائی تکمیل۔

۱۶۰۰ء۔ شرح تمہید مصنفہ میراں جی خدا نما کی تصنیف۔ (گجرات)۔
نورس پور کی بنا از ابراہیم عادل شاہ (بیجاپور)۔

۱۶۰۵ء۔ اکبر کی وفات۔ جہانگیر کی تخت نشینی۔

۱۶۰۶ء۔ آغاز تاریخ فرشتہ۔ (بیجاپور)۔

۱۶۰۸ء۔ قطب مشتری۔ وجہی کی تصنیف۔ (گولکنڈہ)۔

۱۶۰۹ء۔ برید شاہی سلطنت بیدر کا زوال۔

۱۶۱۱ء۔ محمد قلی قطب شاہ کی وفات۔ محمد کی تخت نشینی (گولکنڈہ)۔
تذکرۃ الملوک (فارسی تاریخ دکن) کی تصنیف۔ مؤلفہ رفیع الدین ابراہیم شیرازی۔ (بیجاپور)۔

۱۶۱۳ء۔ محمد قلی قطب شاہ کے دیوان کی ترتیب۔ (گولکنڈہ)۔

۱۶۱۴ء۔ شیخ خوب محمد کی وفات۔ (گجرات)۔

۱۶۱۸ء۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی۔ (فارسی) کی ترتیب۔

۱۶۲۴ء۔ محمد قطب شاہ کی وفات۔ عبداللہ کی تخت نشینی۔ (گولکنڈہ)۔

۱۶۲۵ء۔ سیف الملوک و بدیع الجمال کی تصنیف۔ از غواصی۔ (گولکنڈہ)۔

۱۶۲۶ء۔ بارہ ماسہ کی تصنیف۔ از افضل (شمالی ہند)۔
جہانگیر کی وفات۔ شاہجہاں کی تخت نشینی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی وفات۔ محمد کی تخت نشینی۔ (بیجاپور)

۱۶۲۸ء۔ مآثر قطب شاہی محمودی۔ (فارسی) کی تالیف از محمد بن عبداللہ نیشاپوری۔ (گولکنڈہ)۔

۱۶۳۵ء۔ سب رس کی تصنیف۔ از وجہی (گولکنڈہ) ملک خوشنود بیجاپوری کا سفر گولکنڈہ سفیر کی حیثیت سے۔

غواصی کا سفر بیجاپور گولکنڈہ سفیر کی حیثیت سے۔

۱۶۳۷ - تحفۃ النصائح قطبی کی تالیف (گولکنڈہ)

۱۶۳۹ - بہرام و بانو حسن کی تکمیل از دولت (بیجاپور)

۱۶۴۰ - حدیقۃ السلاطین (فارسی) کی تکمیل از نظام الدین احمد (گولکنڈہ)

۱۶۴۳ - قصہ تمیم انصاری کی تالیف از صنعتی (بیجاپور)

۱۶۴۳ - فتوحات عادل شاہی (فارسی) کی تکمیل از فزونی استرآبادی (بیجاپور)

۱۶۴۹ - خاور نامہ رستمی کی تصنیف (بیجاپور) طوطی نامہ غواصی کی تصنیف (گولکنڈہ)

۱۶۵۳ - ماہ پیکر جنیدی کی تصنیف (گولکنڈہ)

۱۶۵۵ - پھول بن ابن نشاطی کی تصنیف (گولکنڈہ)

۱۶۵۶ - گلشن عشق نصرتی کی تصنیف (بیجاپور) محمد عادل شاہ کی وفات علی شانی کی تخت نشینی (بیجاپور)

۱۶۵۸ - شاہ جہاں کا معزول ہونا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی۔

۱۶۵۹ - میراں جی خدا نما کی وفات (گولکنڈہ)

۱۶۶۱ - فتح پنالا نصرتی کی مشہور قصیدے کی تصنیف (بیجاپور)

۱۶۶۶ - علی نامہ نصرتی کی تالیف (بیجاپور) شریعت نامہ۔
شاہ ملک کی تالیف (بیجاپور) تاریخ علی عادل شاہ ثانی (فارسی) کی تالیف از سید نور اللہ (بیجاپور)

۱۶۷۰ - بہرام و گل اندام طبعی کی تصنیف (گولکنڈہ)

۱۶۷۲ - عبداللہ قطب شاہ کی وفات ابوالحسن کی تخت نشینی (گولکنڈہ)

۱۶۷۳ - علی عادل شاہ ثانی کی وفات سکندر کی تخت نشینی (بیجاپور)

۱۶۷۶ - شاہ امین الدین اعلیٰ کی وفات (بیجاپور)

۱۶۸۰ - امین کے قصہ ابو شحمہ کی تکمیل (گولکنڈہ)

۱۶۸۱ - روضۃ الشہدا کا ترجمہ از سیوا (بیجاپور)

۱۶۸۲ - اسرار عشق کی تالیف از مومن (بیجاپور)

۱۶۸۳ - رضوان شاہ و روح افزا کی تصنیف از فائز (گولکنڈہ)

۱۶۸۴ - ظفر نامہ کی تصنیف از لطیف (گولکنڈہ)

۱۶۸۶ - سلطنت بیجاپور کا زوال سکندر عادل شاہ کی معزولی۔

۱۶۸۷ - سلطنت گولکنڈہ کا زوال ابوالحسن قطب شاہ کی معزولی

۱۶۸۸ - یوسف زلیخا کی تالیف از ہاشمی (بیجاپور)

۱۶۸۹ - سراج الدین علیخاں آرزو کی پیدائش (شمالی ہند ملکہ مصر کی تصنیف از عاجز (دکن)
ہدایت ہند کی تصنیف از ضعیفی (دکن)

۱۶۹۷ - یوسف زلیخا کی تصنیف از امین (دکن) ہاشمی کی وفات (بیجاپور)

۱۶۹۸ - وصال عاشقین کی تصنیف از ذوقی (دکن)

۱۶۹۹ - واقعات سلاطین بیجاپور (فارسی) کی ترتیب از شاہ ابوالحسن مرزا مظہر جان جاناں کی
پیدائش شاہ ظہور الدین حاتم کی پیدائش۔

۱۷۰۱ - من لگن کی تصنیف از بحری۔

۱۷۰۳ - گلشن حسن و دل کی تصنیف از بحری۔

۱۷۰۷ - اورنگ زیب کی وفات۔ بہادر شاہ کی تخت نشینی۔ روضۃ الشہدا کی تالیف از ولی۔

۱۷۱۶ - جنگ نامہ حیدر کی تالیف از اشرف (دکن) مرزا رفیع سودا کی پیدائش۔
سراج اورنگ آبادی کی پیدائش۔

۱۷۲۹ - محمد شاہ کی تخت نشینی (دہلی)

۱۷۲۰ - درد نامہ کی تالیف از جیون۔

۱۷۴۲ - ولی اورنگ آبادی کی وفات۔

فرهنگ

الف

الفاظ	معنی
اپنڈت -	لاعلم
اپنک -	بہت
اوران -	تعلیم
اپھر -	نقطہ
اموُل	انمول، لاقیمت
اتساہ	مرح
آستک -	لامذہب
اڈگن -	ستارہ
انوکھی -	نادر
اپکار -	خلقت
ابہم -	آسمان
آکار -	آباد
اننت -	بےنہایت
آپایا -	ادگایا
ابوجھ -	بےبوجھ - بےسمجھ
اُچھن -	خلاصہ
اجت - ابیت -	آفتاب
اوکل -	شکل
انت -	نہایت
ادھرم -	ظلم
ال -	پیروی
الک -	زلف - گیسو
ارت -	معنی
آتاد -	آخر

آد -	اول - قدیم - ازل
آدھار -	غذا - خوراک
اُڑلانا -	رونا - دھاڑیں مارکر رونا
اندھارا -	اندھیرا
آگل، اگین، اگین، اگو -	آگے
آل -	تری - نمی - سیلابی
انجھو، انجھوان، انجھون -	آنسو
اُپاسی -	روزہ دار، بھوکا
اُپرال -	اوپر - بالا
اپس -	اپنا، اپنے، باہم، کبھی
اِتنا ہیچ	اتناہی، اسی قدر
آجانا -	انجان
اٹکل جانا -	پہچان جانا
ابھوں تک -	ابھی تک
اُچھایا -	اُٹھایا
اُٹک -	جگہ - مقام
اچرج -	تعجب - اچنبا
آچھو -	رہو
اچھے -	رہے
آدیاں -	آد کی جمع
اودھک -	زیادہ، بہت
آڑکا -	اٹکا
ارجن -	قادر انداز
اِستُت -	حمد، دعا، وظیفہ
آکاس -	آسمان

اکنگ -	تنہا، یکرنگ
اگن -	آگ
النگ -	سمت، جانب، پھلانگ
امرت بچن -	میٹھے بول
انتر -	راز، بھید
انکھیاں -	آنکھیں
اُنھوں کو، اُنن کو -	اُن کو
انچل -	آنچل
اوجھڑ -	تلوار کی روک یا جھڑپ
اہے -	ہے
انیندی نین -	خماری آنکھ
انیڑیا، انیڑیاں -	پکڑنا، پکڑیں (مونث)
الودا -	الوداع
اپن -	اپنے
آٹوں	آٹھوں
آپیں -	آپ ہی
اُچا، اُچانا -	اٹھانا
اوک -	جلدی
استری -	عورت
اِیتا، اِیتی، اِتا -	اتنا، اتنی
ایکلی -	اکیلی
اکیلاچ -	اکیلا ہی
اونو -	وہ، انہوں نے
اونے -	وہ، اس نے
ان -	انہوں نے

اُن لکھیا -	انہوں نے لکھا
اُدھوں -	اٹنک
....	....
اُپر، اُپار -	اوپر
اُساں ساں -	سانسیں
ابروپ -	نادر
اکھنڈ -	سالم - پورا
ابھرالی -	اُوپر، بالا

ب

بتاو -	مسافر
بکس -	پوتھا
بھوک -	بہرہ
بیری -	گرداگرد
بھاؤ -	روشن
برنت -	اُدن
باوک -	آگ
بیال -	سانپ
بناتی، بنتی -	عرض
برلن -	لباس
بچن -	بات، قول
بانسلی -	بانسری
بالا، بالک -	لڑکا
باتی -	بتی
بین -	بیان
بسرنا -	بولنا
بڑاں -	بھڑازاں

برس گانٹھ -	سالگرہ
باتے -	باتیں
....	....
بھیانی -	ڈرادنی
بھیانے -	بیاہتا
بھین -	بہن
بھیئن - (دیہی)	زمین
بو -	بہن، سہیلی
بگی -	جلدی
بوری -	بری
بولاتی -	بلاتی
بھار -	باہر
بھائی -	چڑھائی
....	....
....	....
بہوت -	بہت
بوکیاں -	بہوکے
بادلی -	ابر، بادل
بارانگھاٹ -	شہر سورت کے کسی مقام کا نام ہے
بالسی -	باشندہ ہے
باٹ -	راہ
باج -	بنیر
باتال -	بات کی جمع
باسک -	سانپوں کا بادشاہ
بان -	تیر و خدنگ

باندھیا -	باندھا
بٹ مار -	رہزن، لٹیرا
براگی -	بیراگی
برہ ابرھا، پر -	ہجر، فراق
باو بارا -	پریشان، گرد و غبار
بھوکلاٹ -	بوکھلاہٹ، گھبراہٹ
بند -	بوند، قطرہ
بارا -	سردی
بست -	چیز
بھان -	حق
بستار -	بستر
بکٹ -	شکل
برنج -	بلا، بلیغ
بھون -	گھر
بھوجنگ -	کالا سانپ
بیجلی -	بجلی

پ

پانگ -	عذاب و ظلم
پرکاس	بکھیڑا کرنا
پلاس -	روانہ کرنا
پھوپ -	خاوند
پیاپ -	تشنہ دیدار
پرکٹ -	ظاہر
پلیٹ -	منعکس
پانت -	کھاٹ
پات، پاتال -	پتا، پتے

پالنا۔	جھولا	تھے۔	سے	ٹلا۔	ٹلنا
پت رکھنا۔	لحاظ کرنا	توں۔	تو	ٹک۔	ذرا
پرم (پریم)۔	محبت	تمن، تماری۔	تہاری	ٹھار۔	جگہ
پڑنا۔	پڑھنا	ترس۔	جسکی وجہ سے	ٹوٹا، ٹٹے، ٹوٹا۔	شکستہ، ٹوٹا ہوا
پڑیا۔	پڑا	تروار۔	تلوار	ٹون۔	قسم
پگ، پگن۔	پانوں			**ج**	
پون۔	ہوا	تداں لگ۔	تب تک	جاتیاں، جاتی، جات۔	جاتیں، جانا
پوکارونگی، پوکار۔	پکارونگی، پکار	تجی، تج، تجھ، تجے۔	تجھے	جاماں، جامہ	کپڑا
پہار۔	پہر۔ مثلاً دوپہر، سہ پہر وغیرہ۔	تاریاں، تارے، تاراں۔	تارے	جتیا، جپ۔	درد کرنا
		تدھاں۔	تب	جتن۔	نگہداشت
پھتر۔	پتھر	ترک۔	مسلمان	جتے۔	جتنے
پتنگ۔	پروانہ	تانت۔	پائمال	جداں لگ۔	جبتک
پتیانا۔	اعتبار کرنا	تعوبڑ۔	منہ	جگ، جگ، اجگت۔	دنیا، زمانہ
پیرت، پریت۔	محبت، عشق	ترلوک۔	جن	جھلکاٹ	چمک
پی، پیو، پیا، پیتم۔	معشوق	ترنگ۔	موج	جوائی، جنوائی۔	داماد
پیوے۔	پیے	تربھون۔	زمین	جیو۔	جسم و جان
پھولارا۔	پھول بیچنے والا، گل فروش	تارہ۔	چراغ	جیونا، جینا۔	زندگی
پچھیں۔	بعد میں	تیر۔	قائم	جالا۔	جال
پیزار۔	جوتی	تالاں۔	تالاب	جل پور۔	پانی کی جگہ، پنگھٹ
پکی ہوں۔	کھلتی ہوں	ترلی۔	تشنیغص	جادھر۔	چھڑی سنگار
ت		ترنا۔	جوان	جن نے۔	جس نے
تیوں چ۔	اسی طرح	تلک۔	خلق و اضطراب	جوکھنا۔	تولنا، وزن کرنا
تیراہچ۔	تیرا ہی	**ٹ۔ ٹھ**		جھاڑ۔	درخت
تہیں، تے۔	سے	ٹھاؤں، ٹھور۔	جگہ، مقام	جناور۔	جانور
تھیاں، تھیں۔	جمع تھی	ٹھاٹ۔	سازو سامان	جھال۔	جلن

جاگرت - ہشیار

جوا - ڈھونڈنا

چ - ح

چھوڑایا - چھڑایا

چھپاتی - چپاتی

چھند - چالاکی

چھنکیاں - بوندیں

چوکرہن - دنیا، عالم

چندا - چاندنی یا چاند

چرن - قدم - پاؤں

چتر - ہشیار

. . . .

چپ - یونہی، بلاوجہ

چیرا - ایک قسم کی منقش پگڑی

چیچ - بکھیڑا

چپک - چشم

چتارا - نقاش

چت، چنت - خیال، فکر

چوبیں - چسپیں

چڑھیا - بڑھیا

حیاتی حیات - عمر

د - ڈ

ڈنکر - آفتاب

ڈک - ڈالی

ڈھنگی - ٹھمنی

ڈھنگ - خیال

دند - دشمن

دال - ڈال

درپن - آئینہ

درکس (درشن) - جلوہ، دیکھنا، حضوری

درسنا - دیکھنا

داسے - نقارے

دنیاں، دنیار - عالم

دندیاں (جمع دند) - دشمن

دوجا - دوسرا

دوکھ، دکھ - غم

دولارا - پیارا، عزیز

دول، دول لگنا - آگ لگنا

. . . .

دھرت (دھرتی) - زمین

دھاچوکڑی - گڑبڑ کرنا

دھولارا، دھولارا اڑانا - گرد وغبار

دھیر - طرف

دکھلانے - دکھلانے

دلیوا، دیا - چراغ

دیہہ - جسم

دھیرکیاں - ٹھمیاں، بانہیاں

دھیرلی بیاں - بیگمات

ڈونگیاں، ڈونگی، ڈونگاں - گہرا، عمیق

ر

رچ - خوبی

روی، ایک راتا - آفتاب

روس - غیرت

رکت - خون

رمن - طرف

راس - پہاڑ

ریچ - شرمندہ ہونا، لشکر کھانا

رہن - رخصت

روروتی - روتی

روتاچ - روتی ہی

رنڈمنڈ - بیوہ

رکت - خون

رت - موسم

راکھا - رکھنا

رتن - ہیرا

رہس - شوق، امنگ

س

سداکال - ہمیشہ

سن - کل

سہس - ہزار

سرپ - سانپ، اصید

سیک - جلا

سکن - خوبی

سیہ شیہ - گرفتار

سیوٹ - آخر

سرلن - سیجرا

سنگ ۔ آسمان
سیدانں ۔ کالی
سمندر ۔ سمندر، دریا
سورج، سور ۔ سورج
سنگرام ۔ جنگ و جدل
سنگات، سنگ ۔ ساتھ، رفاقت
سنگل ۔ زنجیر
سلونی ۔ نمکین، ملیح، سانولی
سرجنا ۔ پیدا کرنا
سداں، سدا ۔ ہمیشہ
سار، سری کا ۔ طرح، مانند
سیتے ۔ بہتے
سیتی ۔ سے
سیس ۔ سر، مہتاب
سورتی ۔ سوتی
سونا ۔ سنسان
سوکے ۔ سوکھے
سنگھاتی ۔ ساتھی
سکی (سکھی) ۔ دوست
شگن ۔ بدقسمت
(سو بمعنی بری۔ گھن بمعنی گھڑی یعنی بری گھڑی)
سگل ۔ سب
سکے ۔ سکے
سدھ ۔ سمجھ، ہوش
سچیں ۔ سچ ہی

سکن۔ساجن۔سرجن ۔ دوست احباب
شٹنا ۔ چھوڑ دینا یا گرا دینا
سپنا ۔ خواب
سنپات ۔ جنون

ش

شمیانا ۔ شامیانہ
شرنگ ۔ زہر

ص

صافی ۔ صاف، صفائی
صورت پکڑنا ۔ شکل اختیار کرنا

ع

عفاج ۔ معا ہی

ف

فند ۔ مکر

ق

قلا، قلے ۔ قلعہ، قلعے

. . . .

ک

کتک ۔ ہنر
کپٹ ۔ باطن، کینہ
کال ۔ دشمن
کنت ۔ صاحب
کاک ۔ گندم
کرپال ۔ بگلا
کلاس ۔ قوت

لیل ۔ رات
کرپ ۔ انانیت
کوٹ ۔ حصار
کھڑگ ۔ تلوار
کھانپ ۔ ستون
کودال ۔ نادان
کجیہ ۔ گرم اور ابال کا پانی
کٹھن ۔ مضبوط
کئی ۔ کوئی
کیری ۔ کی

. . . .

کیتی ۔ کرتی، کھتی
کیاں ۔ جمع کی شکل (انکیاں کتاباں)
کیا ۔ کہا
کھنڈلات ۔ مکان کے حصے
کھان ۔ معدن یا کان
کونگی۔کوں ۔ (کہاں) کہونگی
کنے ۔ کے پاس
کزک ۔ خلش
کتھا ۔ (دکھ کی کتھا) کہانی
کل جگ ۔ موجودہ دنیا
کتی ۔ کہتی
کنگ ۔ کتنے ۔ بعضے
کرا ۔ کیا
کدہی نہ ۔ کبھی

ے

کدھاں -	سب	لگنا -	نظر آنا	ماٹ -	ے کلاں
کبل -	دشوار، سخت	سیانے -	میں، درمیان	مرم -	
کال،	قحط، زمانہ، تاریک، سانپ	سیا -	محبت	مارک -	راہ
کھڈے، کھڈا -	گڑھا	مہور -	مور	مرگ -	گنوار
گ				**ن**	
گمن -	آسمان	موں -	میں	نروپ -	بے صورت
گمبیرا -	بہت	منے، نہیں -	ہیں	نمانی -	متوالی
گنکار -	نہر	مارن، مان -	مانند	نار، ناری -	عورت
گیان -	عقل، سمجھ، سدھ	سنج -	مجھکو	نند -	پسر
گیانی -	عقلمند			نرپسی -	دارو
گھیو -	گھی	مکتی -	تجارت	نیٹ -	راہ راست
گجگری کا جوڑا -	جوڑے کی ایک وضع	مرن -	موت	نرنجن -	پاک
گڑ، گرہ -	قلعہ	مانس -	مہینہ	نروار -	کنارہ
گھنالے -	گھونگروالے بال	مٹھا، مٹھے -	میٹھا، میٹھے	نیر -	پانی
ل - م		مد -	شراب، نشہ	نیں، نکو -	نہیں
لجہ، لاج -	شرم	مکھ -	چہرہ	نید -	نیند
لیکھ -	قلم	من ہرن، موہن، موہنا -	معشوق	نیارا -	جدا
لیائے -	لائے	مورک -	نادان	نوں -	عجیب
لہوا -	لوہا	ملن -	ملاپ	نوا -	نیا
لوہو -	لہو، خون	مکھنا -	نقاب	نزیک، نزک، نک -	نزدیک
لکھیا -	لکھا	منڈا -	منڈپ	نمن، نمنے -	مانند
لک -	تک	مقتاد -	موافق، مقدار	نما -	زیادتی (فیض کا نما یعنی فیض کی زیادتی)
لالن -	صفت معشوق	مچھ -	ماہی		
میگھ -	بادل	مکت -	سرداری	نس -	رات
مٹک -	ادا	مکٹ -	تاج	ناؤں -	نام

ٹھیل - پاک، صاف

نکسا - ابھرنا

نہینچھ - نہیں

نین، نینی، نینا - آنکھ

و

ویچھ - دہی

وو، وے - وہ

ویں، وہاںچھ - وہیں

وِیاگ - آفت (عورتوں کا محاورہ ۱۲)

ھ - ی

ہے گی - ہے

ہور - اور

ہت، ہاتھ - ہاتھ

ہاآ - ہاتا ہے

ہجول - آہستہ

ہمن، ہمنا - ہمکو

ہو، جیسے اُہ - ہوکر

ہردا - دل، جی، من

ہیا - جی - دل

یدی، یدرے - ادھر دیکھو

. . . .

یکس - ایک

یو، یے - یہ، اس

اشاریہ

الف

ب